اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر کی لاجواب نادرِ علمی پیش کش
آثار الحدیث
جلدِ اوّل
عنوانات:
لفظِ حدیث
تاریخِ حدیث
موضوعِ حدیث
ضرورتِ حدیث
مقامِ حدیث
اخبارِ حدیث
قرآن الحدیث
حجیتِ حدیث
حفاظتِ حدیث
تدوینِ حدیث
رجالِ حدیث
شیعہ اور علمِ حدیث
اسلوب الحدیث
امثالِ حدیث
غریب الحدیث
تالیف
ڈاکٹر علامہ خالد محمود
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر
دار المعارف
الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی لاجواب نادر علمی پیش کش

آثار الحدیث

جلد اول

عنوانات:

لفظ حدیث ــ تاریخ حدیث ــ موضوع حدیث ــ ضرورت حدیث
مقام حدیث ــ اخبار حدیث ــ قرآن الحدیث ــ حجیت حدیث
حفاظت حدیث ــ تدوین حدیث ــ رجال حدیث ــ شیعہ اور علم حدیث
اسلوب الحدیث ــ امثال حدیث ــ غریب الحدیث

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف
الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

اصلِ دین آمد کلام اللہ معظم داشتن   پس حدیث مصطفٰے بر جاں مسلّم داشتن

اشاعت اوّل	۱۹۸۵ء
تعداد	۵۰۰
کتابت	حفیظ الحق صدیقی
ناشر	دار المعارف لاہور
قیمت	۸۵/- روپے

19 CHARLTON TERRACE OFF UPPER BROOK STREET
MANCHESTER - U.K.

محمد زاہد ناظم دار المعارف
الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

موضوعِ حدیث

ضرورت حدیث

مقامِ حدیث

اخبار الحدیث

قرآن الحدیث

حجیت حدیث

حفاظتِ حدیث

تدوین حدیث

رجال الحدیث

شیعہ اور علم حدیث

اسلوب حدیث

امثال الحدیث

غریب الحدیث

عنوانات جلد دوم

عنوانات

آداب الحدیث قواعد الحدیث اقسام الحدیث متون الحدیث

شروح حدیث تراجم حدیث ائمہ حدیث فقہاء حدیث

ائمہ جرح وتعدیل ائمہ تالیف ائمہ تخریج۔

اہل حدیث منکرین حدیث مدارس حدیث

مقدمہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد۔

مسلمان دیگر مذاہب کے بالمقابل علم حدیث میں ممتاز تھے۔ ہندوؤں، عیسائیوں، آتش پرستوں اور دیگر اقوام عالم کے پاس ان کی مذہبی کتابیں تو تھیں لیکن ان کتابوں کے گرد ان کے مذہبی پیشواؤں کا پہرہ نہ تھا۔ ان کی روایات ان کتابوں کی ترجمان نہ تھیں ـــــ پھر جو کچھ ہوا وہ آپ کے سامنے ہے۔ نہ وہ کتابیں معناً محفوظ رہیں نہ لفظاً ـــــ ان کے اڈیشن ہر نئے موڑ پر بدلتے گئے اور ہر ایک کی کتاب ان میں محض ایک تاریخی یاد ہو کر رہ گئی۔

مسلمانوں نے قرآن کریم کے گرد علم حدیث کو پہرہ دار بنایا۔ قرآن کریم کے ساتھ وہ عمل نبوت کو بھی روایت کرتے گئے۔ پہلی پانچ صدیوں میں اس پر خاصی محنت ہوئی یہاں تک کہ علم حدیث کے سائے میں قرآن کریم ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رہا ـــــ یہ حقیقت دوسرے مذاہب کے لیے خصوصاً اہل کتاب کے لیے نہایت تلخ تھی۔ ان کی نظر عتاب علوم اسلامی میں صرف اسی پر تھی اور وہ اس راہ میں پوری مستعدی سے تشکیک کے کانٹے بکھیرتے گئے ـــــ مسلمانوں سے پہلے دنیا کی روحانی قیادت اہل کتاب کے پاس تھی دینی سیادت کا تاج انہی کے سر پر تھا۔ وہی پڑھے لکھے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ ان کے زوال پر اسلام نئے سرے سے طلوع ہوا۔ خدا کی یہ امانت ملک عرب میں اتری اور عرب کے ایک اُمّی نے دنیا کے کتب خانے دھو دیئے۔

مسلمانوں کو علمی قیادت اسی قوم سے چھین کر ملی تھی اور ان کا بغض مسلمانوں سے دیگر اقوام کے بالمقابل کہیں زیادہ تھا۔ یہ لوگ خود علمی حلقے سے تھے انہیں اہل کتاب کہا جاتا تھا ـــــ یہ علمی راہ سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں کے علم حدیث پر زبردست چڑھائی کی ـــــ برصغیر پاک و ہند میں انگریزی عملداری تھی انگلستان سے یہاں پادری آتے تو ان کی نگاہ پہلے سے ہی مسلمانوں پر مرکوز ہوتی مسلمانوں سے ان کا بغض صدیوں کی میراث تھا ـــــ یہاں کے تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں میں انہی

لوگوں کا عمل دخل ہوتا تھا اور تہذیب افرنگ کے پرستار انہی حملہ آور اقوام کی نظر و فکر سے سوچتے اور دیکھتے تھے مستشرقین کی یہ محنت ٹھکانے لگی۔ اور یہاں مستغربین کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جس کا منتہائے مقصود یہ بنا کہ ان مشرقی ممالک میں علم حدیث سے اعتماد اٹھائیں اور طلبہ کو بتائیں کہ علم حدیث کوئی علمی کاوش نہیں یہ حدیث کی کتابیں خود اپنی طرف سے وضع کر لی گئی ہیں اور کوئی علمی قواعد نہیں جن پہ یہ علم مرتب اور موجود ہوا ہے۔

مستشرقین میں گولڈ زیہر مسٹر شاخت اور ولیم میور نے اس محاذ پر کام کیا اور مستغربین میں سرسید اور چراغ علی نے اس کی ابتدا کی پھر غلام نبی چکڑالوی اور غلام محمد پرویز نے اس کمان کو سنبھالا اور انکار حدیث کی یہ محنت مسلمانوں میں بڑی تیزی سے پھیلائی جانے لگی ـــــ جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس باب میں قدیم علماء سے سازگار نہیں تھا اور قدیم و جدید کے اس فرق نے اس خلیج کو اور پاٹ دیا۔

مسٹر ولیم میور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر بحث کرتے ہوئے حدیث کے موضوع پہ لکھتا ہے:۔

> محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے پیروؤں کا سب سے بڑا مشغلہ لڑنا اور جنگیں کرنا تھا لمبی لمبی جنگیں اور ایک جنگ سے دوسری جنگ کے مابین خالی وقفوں کا بوجھ ایک سادہ اور نیم وحشی قوم کے لیے سخت مضر ہو سکتا تھا۔ ان جنگوں اور وقفوں کے بوجھ کو کم کرنے کے لیے مسلمان گذشتہ واقعات کی باتیں کر کے اپنا دل بہلاتے تھے۔ ان لوگوں کا سب سے اہم موضوع اس شخص کے اقوال و افعال کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔ جو اس فاتح قوم کے وجود میں آنے کا موجب ہوا اور جس نے اپنے پیروؤں کے ہاتھ میں دنیا اور آخرت کی کنجیاں دے رکھی تھیں۔ یہ اسباب تھے جنہوں نے حدیث کو ترقی بخشی۔

ولیم میور نے روایت حدیث کا پس منظر یہ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں نے طویل جنگوں کے درمیانی وقفوں میں اپنا وقت گزارنے اور دل بہلانے کے لیے حدیث کو موضوع بنا رکھا تھا اور وہ بے شغلی کے زمانے میں اپنے آپ کو معروف کرنے کیلئے یہ کہانیاں بیان کرتے تھے ـــــ مستشرقین کے اس قسم کے بیانات میں اس بات کا اشارہ تک نہیں ملتا کہ مسلمان اپنی عملی زندگی میں اسوۂ رسول کو

اپنے لیے نمونہ سمجھتے تھے اسی سے ان کے عمل بالقرآن کی تکمیل ہوتی تھی ——— حدیث کو اصل موضوع سے ہٹا کر کہانیوں کے درجہ میں لے آنا اس سے مستشرقین کے کمال ذہانت کا تو پتہ ملتا ہے لیکن اس میں ہمیں کمال علم کی کوئی شعاع تک نہیں ملتی۔ کتب حدیث پر جس نے کبھی ادنیٰ نظر بھی کی ہو وہ جانتا ہے کہ حدیث کی روایت میں ان لوگوں کا حصہ بہت کم ہے جو زیادہ جنگوں میں معروف رہتے تھے۔ جنگ کے شہسواروں میں ہم حضرت ابو عبیدہ۔ سعد بن ابی وقاص، خالد بن ولید، عمرو بن عاص اور یزید بن ابی سفیان کو دیکھتے ہیں اور حدیث بیان کرنے والوں میں حضرت ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمرو، انس بن مالک حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت جابر بن عبداللہ کو آگے پاتے ہیں۔ اگر حدیثیں جنگوں کے وقفے گزارنے کے لیے ہی بیان کی گئی ہوتیں تو علم کے اس باب میں ان دونوں صفوں میں اتنا فرق کیوں ہے ؟

پھر یہی نہیں ذرا آگے چلئے اور دیکھئے علم حدیث کے فروغ میں عرب فاتحین کا عمل و دخل رہا ہے یا موالی (آزاد کردہ غلاموں) کا جن کی سیاسی سبقت عرب حکمرانوں کو کسی طرح گوارا نہ تھی۔

یہ صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طبقاتی برتری کا احساس ختم کر کے انسانیت کو فروغ بخشا تھا اور اللہ رب العزت کی بھی آپ کو یہی ہدایت تھی کہ آپ کی نظریں ان غریبوں سے (جن میں آپ کی سوسائٹی تھی) اُٹھنے نہ پائیں مبادا آپ دنیا کی رونق کو پسند کرنے لگیں۔ نہیں آپ انہی غریبوں کے ہو کر رہیں جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اسی سوسائٹی سے انسانیت کو جلا ملے گی۔

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه ولا تعد عيناك عنهم تريد زينة الحيوة الدنيا ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه وكان امره فرطا ﴿۲۸﴾ الكهف ع ۴

(ترجمہ) اور تو روکے رکھ اپنے آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام طالب ہیں اس کی ذات کے اور نہ اٹھیں تیری آنکھیں ان سے دنیا کی رونق کی تلاش میں اور نہ کہنا مان اس کا جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے دور کر دیا اور وہ پیچھے ہو گیا اپنی خواہش کے اور اس کا کام حد سے نکلا ہوا ہے۔

بایں ہمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر عرب نفسیات پر بھی تھی فتح مکہ کے بعد لوگ فوج در فوج داخل دائرہ اسلام ہوئے اور وہ اس نئے ماحول میں آئے ہی تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر آخرت

پیش آگیا آپ کی نظر عالی قدر نے دیکھا کہ قریش کی عظمت عربوں میں آپ کی تشریف آوری سے بھی پہلے اس درجہ مسلم ہے کہ ان کے تجارتی قافلے سرما و گرما میں رہزنوں کی لوٹ مار سے محفوظ تھے تو آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی آئندہ سیاسی قیادت قریش ہی میں رہے جب تک یہ اس کشتی کو کھے سکیں۔ آپ کا قریش کو آگے کرنا اپنے لئے نہ تھا قریش کی اس عظمت کی وجہ سے تھا جو انہیں پہلے سے عربوں میں حاصل تھی اگر آپ قریش کو اپنے لئے آگے کرتے تو بنو ہاشم کی قیادت کا اعلان کرتے الائمہ من قریش نہ فرماتے سو آپ کا یہ فیصلہ عربوں کو ایک وحدت میں جوڑنے کے لئے تھا عربوں میں سے کسی کے طبقاتی تفوق کے لئے نہ تھا۔ اپنے خطبہ وداع میں آپ کہہ چکے تھے کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر اللہ کے دین کے سوا کسی بات میں برتری نہیں ہے۔

خلفائے راشدین باوجودیکہ قریش میں سے تھے انہوں نے انسانی حقوق اور عدل وانصاف کے نفاذ میں حضور اکرمؐ کی طرح کسی طبقاتی برتری کو راہ نہ دی کمزور ان کے نزدیک قوی تھا اور قوی کمزور۔ یہاں تک کہ ہر انسان کا حق محفوظ رہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور تک یہی پالیسی رہی بلکہ حضرت امام حسن نے آپ کو خلافت اسی شرط سے سپرد کی تھی کہ آپ خلفاء راشدین کی سیرت کی پابندی کریں اور یہ وہی شرط تھی جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سیدنا حضرت عثمان کو خلافت دیتے ہوئے سیرت شیخین کی پابندی کے عنوان سے پیش کی تھی۔

بنو مروان کے برسر اقتدار آنے کے بعد اس مزاج میں پھر تبدیلی ہوئی اور اشراف عرب ملکی مہمات فتوحات اور اقتدار میں زیادہ دلچسپی لینے لگے اور اللہ کی شان دیکھئے کہ اس نے موالی عربوں کو علم دین کے لئے کھڑا کر دیا یہ لوگ عربی النسل نہ تھے عربوں کے آزاد کردہ موالی تھے انہی سے دین پر علمی بہار آئی اور یہی زیادہ تر مسند حدیث کے وارث ہوئے۔

سر ولیم میور کے خیال کو اگر کچھ بھی وزن دیا جائے کہ مسلمانوں نے جنگوں کے وقفوں کو مصروف کرنے کیلئے حدیث نبوی کے تکرار شروع کئے اور اسی سے علم حدیث میں ان کی دلچسپی شروع ہوئی تو تاریخ ہم سے سوال کرے گی کہ پھر عربوں اور ان کے موالی میں مزاج کا یہ اختلاف کیوں تھا؟ کہ عرب تو جنگوں اور فتوحات میں لگ گئے اور علم حدیث کی مسندوں پر وہ لوگ آبیٹھے جنہیں جنگوں اور اقتدار سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور پھر اہل اقتدار بھی ان کے اس اقتدار علمی پر چنداں خوش نہ تھے۔

محمد بن شہاب زہری (۱۲۴ھ) سے کون واقف نہیں یہ وہ بزرگ ہیں جنہیں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز (۱۰۰ھ) نے جمع حدیث پر مامور فرمایا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز مزاج ملوک کے نہ تھے مزاج علماء کے تھے اس لئے انہوں نے یہ دینی ضرورت محسوس کی جمع قرآن کی دینی ضرورت عمر اول نے محسوس کی تھی اور جمع حدیث کی دینی ضرورت کا احساس عمر ثانی کے دل میں ابھرا ابن شہاب زہری اکابر علمائے حدیث کے بارے میں کہتے ہیں اس زمانے میں حدیث کے عالم چار تھے ان میں سرفہرست مکحول (۱۱۸ھ) ہیں مکحول کون تھے؟ موالی میں سے، عربی النسل نہ تھے فرماتے ہیں:

اعتقت بمصر فلم ادع بها علماً الا حويته فيما اری ثم اتيت العراق ثم المدينة فلم ادع بهما علماً الا حويته فيما اری ثم اتيت الشام فغربلتها[1]

(ترجمہ) میں مصر میں تھا جب آزاد ہوا وہاں کا علم (حدیث) جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں نے جمع کیا پھر میں عراق آیا عراق کے بعد مدینہ پہنچا اور عراق اور مدینہ کا سارا علم اپنی بساط کے مطابق میں نے سمیٹا پھر میں شام آیا اور وہاں سے اسے (اس علم کو) پوری طرح چھانا۔

یہ جنگی سفر تھے یا محدثین کے علمی اسفار جن سے علم حدیث اپنے کمال کو پہنچ رہا تھا؟

ایک دفعہ امام زہری خلیفہ عبدالملک کے دربار میں تھے تو اس نے آپ سے مختلف علاقوں کے اکابر علماء کے نام پوچھے اور ہر ایک کے بارے میں پوچھا کہ عرب ہے یا موالی میں سے؟

سوال	جواب
سوال۔ مکہ میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟	(جواب امام زہری) عطا بن ابی رباح (۱۱۵ھ)
״ عرب ہے یا موالی میں سے؟	״ موالی میں سے
״ اس نے یہ مقام کیسے حاصل کیا؟	״ قرآن و حدیث کی خدمت سے
״ یمن کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟	״ طاؤس بن کیسان (۱۰۵ھ)
״ عرب ہے یا موالی میں سے؟	״ موالی میں سے
״ مصر کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟	״ یزید بن حبیب (ھ)
״ عرب ہے یا موالی میں سے؟	״ موالی میں سے
״ شام کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟	״ مکحول (۱۱۸ھ)

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صـ ۱۲۰

وہ عرب ہے یا موالی میں سے ؟ جواب۔ موالی میں سے

سوال۔ جزیرے کا سب سے بڑا عالم کون ہے ؟ " میمون بن مہران (۱۱۶ ھ)

" عرب ہے یا موالی میں سے " موالی میں سے

" خراسان کا سب سے بڑا عالم کون ہے ؟ " ضحاک بن مزاحم (۱۰۶ ھ) ۔

" عرب میں سے ہے یا موالی میں سے ؟ " موالی میں سے

خلیفہ عبدالملک نے ٹھنڈا سانس بھرا اور پھر پوچھا۔

" کوفہ کا سب سے بڑا عالم کون ہے ؟ (زہری نے کہا) ابراہیم نخعی (۹۶ ھ)

" عرب میں سے ہے یا موالی میں سے ؟ " یہ عربی النسل ہیں[1]

عبدالملک نے کہا اب میرا بوجھ کم ہو گیا ہے اگر اب بھی کسی عرب کا نام نہ آتا تو میرا کلیجہ پھٹنے کو تھا[2]

اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں علم کے قافلہ سالار ہر جگہ اپنے پاؤں سے چلے ہیں اہل اقتدار میں سے کسی نے علم کی طرف توجہ کی جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیز یا اورنگ زیب تو یہ خال خال ہیں مستشرقین کا یہ خیال کسی طرح درست نہیں کہ مسلمانوں میں جنگی مہمات اور حدیث کے تذکرے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ حدیث مقصود نہ تھی اس سے صرف اپنے آپ کو مصروف کرنا پیش نظر تھا استغفر اللہ العظیم

افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ مطالعہ اسلام کے لیے بھی مغربی ماخذ پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ عربی نہ جاننے کے باعث اصل ماخذ تک ان کی رسائی نہیں ہوتی۔ علماء کی اردو میں لکھی کتابوں کا مطالعہ وہ اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔ اب سوائے اس کے چارہ نہیں کہ ان جدید طلبہ اور دانشوروں کے بڑے پیمانوں پر سیمینار منعقد کئے جائیں اور اس طرح انہیں اسلام کے اس ماخذ علمی پر مطمئن کیا جائے۔

پچیس سال پہلے راقم الحروف نے پنجاب کے مختلف تعلیمی اداروں میں حدیث کے موضوع پر کچھ لیکچرز دیئے تھے ان کی ابتداء مرے کالج سیالکوٹ سے ہوئی تھی۔ گورنمنٹ کالج لاہور اور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے بعض طلبہ اسلامیات نے ان مضامین کو مختلف سیمیناروں میں سنا اور لکھا۔ یہاں تک کہ یہ

---

[1] ابراہیم نخعی بیشک عرب تھے لیکن ان کے جانشین امام ابو حنیفہؒ تو عرب نہ تھے [2] دیکھئے مقدمہ ابن صلاح ص۱۶۴

علمی تحریرات نظر ثانی کے لیے پھر میرے پاس پہنچ گئیں۔ اشاعت کی جلد صورت سامنے نہ آئی تو احقر نے بعض مضامین ملک کے مختلف جرائد میں شائع کرا دیئے اور اس طرح طلبہ کی یہ محنت افادۂ عام کے منظر پر آگئی۔

راقم الحروف کی کتاب آثار التنزیل کے مقدمہ میں ان مضامین کا ذکر ہے۔ یونیورسٹیوں اور مدارس کے طلبہ مدت سے آثار الحدیث کے منتظر تھے۔ اس تاخیر میں ایک فائدہ یہ رہا کہ یہ بحث کچھ اور آگے بڑھی اور وہ علمی اسفار جو اس ابتدائی مرحلہ میں طبع پذیر نہ تھے مفید اضافوں کے لیے ہمارے سامنے آگئے اور صداقت حدیث کی کچھ اور راہیں کھلیں اور کئی نئے شواہد سامنے آئے۔

(۱) ــــــ سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد حضرت ہمام بن منبہ کا وہ صحیفہ جس میں آپ نے اپنی مرویات کو جمع کیا تھا اپنی قلمی صورت میں ایک مستقل رسالہ کی شکل میں مختلف کتب خانوں میں موجود تھا۔ اور تاریخ برابر اس کا نشان دیتی آرہی تھی۔ صحیح بخاری ان کی زبانی روایات سے مدتوں بعد مرتب ہوئی اب پیرس کے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کاوش سے وہ صحیفہ ابن ہمام ایک مستقل کتاب کی صورت میں طبع ہو کر سامنے آگیا ہے۔ اس کی مرویات کو صحیح بخاری میں دیکھا گیا تو وہ سب روایات اس میں اسی طرح پائی گئیں جس طرح وہ صدیوں ایک مسودے کی صورت میں مختلف کتب خانوں میں موجود رہی ہیں۔

(۲) ــــــ امام عبدالرزاق بن ہمام (۲۱۱ ھ) کی کتاب المصنف بیروت سے گیارہ جلدوں میں ابھی ابھی شائع ہوئی ہے۔ مؤلف امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں۔ آپ امام بخاری سے بہت پہلے ہوئے۔ اس کی مرویات اس کے بعد چھپنے والی کتابوں میں اس طرح ملتی ہیں جیسی وہ المصنف میں پائی گئیں۔ اسی طرح امام ابن ابی شیبہ (۲۳۵ ھ) کا المصنف ابھی ابھی سولہ جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب بھی صحاح ستہ کی تالیف سے پہلے کی ہے۔ علماء اس کے بہت سے حوالے شروح حدیث مثل فتح الباری عمدۃ القاری وغیرہا میں پڑھتے چلے آرہے تھے۔ یہ المصنف اب پندرہویں صدی میں طبع ہوا ہے۔ اس کی بعض روایات بعد کی کتب حدیث مستدرک حاکم اور سنن کبرے بیہقی میں بھی پائی گئیں اور اس کے جو حوالے پچھلی شروح حدیث میں ملتے تھے وہ اس المصنف میں بعینہا پائے گئے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث اپنے دور اول میں کس محنت اور احتیاط سے جمع ہوئی تھی۔

(۳) ــــــ حضورؐ جب ۶ ہجری کے آخر میں حدیبیہ سے واپس لوٹے تو آپ نے ہمسایہ ملکوں کے

بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے۔ صحابہؓ آپ کے یہ خطوط لے کر ان بادشاہوں کے پاس گئے۔ مقوقس شاہِ مصر کے نام آپ نے جو خط لکھا تھا وہ اصل خط انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں مصر کی ایک عیسائی خانقاہ سے ملا ہے۔ یہ کسی مسلم کتب خانے سے نہیں ملا کہ اس پر کسی جانبدار شہادت کا شبہ کیا جا سکے۔ عیسائیوں نے خود اسے آپ کا اصلی خط قرار دیا ہے۔

حاطب بن ابی بلتعہ آپ کا یہ خط لے کر مقوقس شاہِ مصر کے پاس گئے تھے اور مقوقس نے اسے ڈبیہ میں بند کر کے سربمہر کر لیا تھا۔ اس کا اب ایک عیسائی خانقاہ سے دریافت ہونا اس روایت کے بالکل مطابق ہے۔ اس خط کا تذکرہ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں عام ملتا ہے۔ ہم یہاں پہلے حضورؐ کے اس خط کی عبارت پیش کرتے ہیں جو انیسویں صدی میں اس عیسائی خانقاہ سے ملا ہے۔ آپ پھر اس کی وہ عبارت ملاحظہ کریں جو کتبِ حدیث میں ملتی ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد بن عبداللہ ورسولہ الی المقوقس عظیم القبط۔ سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد فانی ادعوک بداعیۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فعلیک اثم القبط۔ یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔

محمد رسول اللہ

انہی الفاظ میں خط شاہِ روم ہرقل کو لکھا گیا ہے۔ یہاں الی المقوقس عظیم القبط کے الفاظ ہیں اور ہرقل کی طرف لکھے خط میں الی ھرقل عظیم الروم کے الفاظ ہیں۔ یہاں فعلیک اثم القبط کے الفاظ ہیں اور وہاں فعلیک اثم الاریسین ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں یہ عبارت اسی طرح ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں اثم الاریسین کی جگہ اثم الیریسین اور داعیۃ الاسلام کی جگہ دعایۃ الاسلام کے الفاظ ہیں۔

مقوقس شاہِ مصر کے نام جو خط لکھا گیا (جس کی اصل عبارت اوپر مذکور ہے) بعینہٖ کتبِ حدیث میں موجود ہے۔ علامہ قسطلانی نے اسے اسی طرح نقل کیا ہے۔ البتہ اس میں داعیۃ الاسلام کی جگہ دعایۃ

الاسلام کے الفاظ ہیں۔ دوسرے بادشاہوں کے نام جو خطوط ہیں ان میں بھی داعیۃ الاسلام ہی مذکور ہے۔ پھر داعیۃ اور دعایۃ کا مفہوم بھی ایک ہے۔ محدثین نے روایت بالمعنی میں اسے داعیہ کی جگہ دعایہ سے ذکر کردیا ہو تو یہ کوئی فرق نہیں۔ صحیح مسلم کی روایت میں دعایۃ الاسلام اسی نہج پہ مذکور ہے۔

اب اس دور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل خط کا دریافت ہونا اور دورِ اول کی لکھی ہوئی کتب حدیث میں اسی خط کا بالکل اسی طرح ملنا حدیث کی صداقت کا ایک کھلا نشان ہے۔

قدیم کتب خانوں کے پرانے مخطوطات جب منظر عام پہ آتے ہیں اور ان کے مضامین اور الفاظ کو ہم بعینہا رائج الوقت کتب حدیث میں دیکھتے ہیں تو اس یقین سے چارہ نہیں رہتا کہ علم حدیث ان مسلمانوں کی واقعی ایک ایسی علمی کاوش ہے جس پر مسلمانوں کی تاریخ بجا طور پر ناز کرسکتی ہے کہ یہ وہ سرمایہ علم ہے جس کی نظیر دنیا کی کسی دوسری قوم کے پاس موجود نہیں۔ مستشرقین اگر اس باب میں شک و تردد کے کانٹے بکھیرتے ہیں تو وہ فکری طور پر مجبور ہیں اس کے بغیر ان کے پاس انکار اسلام کی کوئی اور راہ بھی تو نہیں ــــــ ہم ان پچھلی تحقیقات کو پہلے دور کی جمع کی گئی حدیث کی مزید شہادتیں سمجھتے ہیں ان سے صداقتِ حدیث کا چہرہ اور کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

طلبہ علوم اسلامی کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کے اس سرمایہ علم پر پوری فنی محنت کریں اس کے ایک ایک موضوع کا فکری نظری اور تاریخی جائزہ لیں۔ دیگر فنون سے دورۂ تحصیل میں مناسبت رہے تو وہ ساری عمر کام دیتی ہے۔ مگر فن حدیث اپنے کمال میں پوری عمر مانگتا ہے۔ جو طلبہ دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے انہیں یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہم اس منزل کو طے کر چکے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ اب ہم اس لائن پر چلنے کے لائق ہوئے ہیں اور اب اس راہ میں ہمیں ساری عمر چلنا ہے۔ علماء کی زندگی کا یہ سب سے اشرف موضوع ہے جس طرح دورۂ حدیث طلبہ علوم اسلامی کی سب سے بڑی کلاس ہے۔

آثار الحدیث انشاء اللہ العزیز آپ کی زندگی کے اس پورے سفر میں آپ کا ساتھ دے گی۔ آپ بھی پوری توجہ سے اس کا ساتھ دیں اسے پڑھیں اور پڑھائیں۔ حدیث کے خلاف پھیلائے گئے فتنوں کی جڑ خود بخود کٹتی جائے گی اور آپ کو اس میں حدیث کی صداقت پہ ایک کھلا نور، سکون اور اطمینان ملے گا ــــــ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

احقر نے ان مضامین میں فنی اصطلاحات کو اپنے روایتی مفہوم میں محدود نہیں رکھا۔ بات کو جدید ذہنوں میں اتارنے کے لیے کچھ وسعت سے کام لیا ہے۔ علماء حدیث نے اس علم کا موضوع آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو قرار دیا ہے۔ احقر نے اس میں صحابہ کرامؓ کو بھی ساتھ لیا ہے۔ حدیث کی کوئی کتاب ان کی مرویات کے بغیر جامع اور سنن نہیں تو ضروری سمجھا کہ اس موضوع کی وسعت میں ہم ان نفوس قدسیہ کو بھی ساتھ رکھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قریب کے تعلق سے خود بھی اس فن کا موضوع بن گئے تھے۔

طلبہ علوم اسلامی ان علوم کے تحقیقی مراحل میں مستشرقین سے کہیں تائید لے لیں تو اس میں حرج نہیں۔ لیکن ان تحقیقات کے کسی باب میں ان پر بھروسہ نہ کریں۔ یہ اس فن کی کہیں تعریف بھی کریں گے تو اس کے آخر — مگر کا الارم دے کر طالبین کو شک کی ایک ایسی گہری وادی میں دھکیل دیں گے جس میں گرتے تو کئی دیکھے گئے لیکن نکلنے والا خوش قسمت کوئی کوئی رہا۔ ولیم میور ایک مقام پر لکھتا ہے:۔

> یہ ظاہر ہے کہ محدثین ایک طرح تنقید سے کام لیتے تھے اور اس میں اس سختی سے چلتے تھے کہ تقریباً ہر سو احادیث میں سے انہوں نے ننانوے چھوڑ دیں۔ مگر ہمارے یورپین مطالعہ کنندگان مغالطہ میں ہوں گے اگر وہ یہ سمجھ لیں کہ محدثین کی یہ تنقید صحیح معنوں میں تحقیق حدیث اور اس کی صحت کی ضامن تھی ان کے نزدیک کسی حدیث کے قابل اعتبار ہونے کے لیے حدیث کے مضمون کو نہیں محض اس کے راویوں کو دیکھا جاتا تھا۔ ان کے نزدیک صحیح حدیث وہ سمجھی گئی جو پہلے کسی صحابی سے چلے اور پھر راویوں کے طویل سلسلہ میں اس طرح اس کی روایت ہو کہ راویوں کی صداقت پر کوئی الزام عائد نہ ہوا ہو۔ اس صورت میں حدیث قبول کرنی چاہیئے گو نفس مضمون میں ایسی باتیں کیوں نہ ہوں جو عام سمجھ میں بالکل ناقابل تسلیم ہوں۔

ولیم میور یہاں طلبہ کو صدق روایت سے نکال کر درایت کی پٹڑی پر لا رہے ہیں۔ آپ نے دیکھا پہلے محدثین کی احتیاط کن شاندار الفاظ میں ذکر کی ہے۔ مگر پھر ایسا استدراک کیا کہ پوری کی پوری عمارت ایک جھٹ سے گرادی۔ علماء حدیث نے تنقید رواۃ کے جتنے اصول بھی ذکر کئے ہیں وہ سب کے سب درایت پر مبنی ہیں اور انسان کسی بات کی پرکھ اور سچ اور جھوٹ کے نکھار میں انہی فطری اصولوں پر چلے

ہیں۔ قارئین ہماری قواعد حدیث کی بحث میں ان کا تفصیلی مطالعہ کر سکیں گے۔ یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے قارئین اور طلبہ اہل مغرب کے ان پیچدار بیانات کے کسی پیچ میں نہ گھریں۔ رب العزت ہر اس شخص کی حفاظت فرمائے جو سچائی کی طلب میں نکلے۔ اسے ذہنی سلامتی کی دولت حاصل ہو اور وہ کامیابی سے ساحل مراد پہ اترے۔

یہ بات اپنی جگہ قطعی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی نے کوئی حدیث وضع نہیں کی۔ ان کے آپس میں کتنے بڑے بڑے اختلافات ہوئے۔ بعض مہمات میں خونریزی تک نوبت پہنچی لیکن اپنی تائید یا کسی کی تردید میں کسی نے کوئی ایسی بات حضورؐ کی طرف منسوب نہیں کی جو آپ نے نہ کہی ہو ——— پھر یہ بات بھی قطعی طور پر ثابت ہے کہ صحابہ کرامؓ محض درویشان گوشہ نشین نہ تھے جو دنیا کے بدلتے ہوئے تیور اور زمانے کے تطور سے ناآشنا ہوں۔ وہ عملی زندگیوں کے عملی انسان تھے۔ انتہائی مشکل راہوں میں چلے اور بحر و بر پہ دوڑے۔ پھر ان کے جانشین ان کی راہوں پہ چلے اور دنیا میں جہانبانی کی ——— سائنس و طبیعیات میں وہ کاوشیں کیں کہ آج کا ان علوم کا کوئی طالب علم علماء اسلام کی ان کاوشوں سے مستغنی رہ کر آگے نہیں چل سکتا ——— کیا یہی وہ لوگ ہیں جو ولیم میور یا اسپنگر کی رائے کے مطابق درایت سے ناآشنا تھے؟ اور کیا درایت سے ناآشنا کوئی قوم ترقی کی اتنی راہوں کو عبور کر سکتی ہے؟

درایت اس کتاب کا موضوع نہیں۔ اس کی بحث آپ کو انشاء اللہ العزیز آثار التشریع میں ملے گی۔ یہاں طلبہ کو صرف اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ مسلمان ان علوم کے بانی ہیں اور دنیا کو انہوں نے ہی فن تاریخ اور نقل وقائع کے صحیح فطری اصولوں سے آشنا کیا ہے۔ اسلامیات میں صحیح بات جاننے کے لیے آپ اسلام کے اصل ماخذوں کی طرف رجوع کریں۔ جنہوں نے ہم سے لیا ہے ان سے کوئی بات تائید میں ملے تو بے شک لے لیں۔ لیکن اگر ان کی کوئی بات ہمارے اصل ماخذوں سے ٹکرائے تو آپ اس کی مزید تحقیق کریں۔ اسلام کی کوئی بات تنقید اور درایت کے فطری اصول کے خلاف نہ پائیں گے ——— ہاں اس بات کو ضرور ملحوظ رکھیں کہ کسی بات کا بالائے عقل ہونا اور بات ہے اور خلاف عقل ہونا اور بات ہے۔ نادان دانشور بالائے عقل باتوں کو بھی بسا اوقات خلافِ عقل سمجھ لیتے ہیں۔

اب مستشرقین کا عمل تشکیک ملاحظہ کیجئے۔

گولڈ زیہر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت نقل کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے مویشیوں کی حفاظت کرنے والے کتے، شکاری کتے اور

کھیت کھلیان کا پہرہ دینے والے کتے کے سوا کوئی کتا رکھا اس کے نیک اعمال کا اجر ہر روز ایک قیراط کم ہوتا ہے گا۔ یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے مروی ہے مگر اس میں صرف دو استثنار ہیں۔ (۱) مویشیوں کی حفاظت کرنے والا کتا اور (۲) شکاری کتا ـــــــــ حضرت ابن عمر رضؓ کو حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی روایت بتائی گئی تو آپ نے فرمایا" ان لابی ھریرۃ زرعاً ابو ہریرہ کی اپنی زمین بھی تو ہے۔ حضرت ابن عمر رضؓ کی مراد یہ تھی کہ پوری حدیث یاد رکھنے میں حضرت ابو ہریرہ کی اس حیثیت کو بھی دخل ہے کہ آپ کی اپنی زمین تھی۔ انہیں کلب زرع کا استثنار خوب یاد رہا۔ مگر گولڈ زیہر اور مسٹر شاٹ اسے اس مفہوم میں پیش کرتے ہیں کہ چونکہ حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی اپنی زمین تھی انہوں نے اپنی ضرورت کے لئے یہ تیسرا استثنار بھی اس روایت میں داخل کر دیا۔ (معاذ اللہ)

اس سے وہ طالب علم جس نے کبھی عربی مدارس کی طرف رُخ نہیں کیا نہ کسی عالم دین سے حدیث پڑھی۔ کیا نتیجہ اخذ کرے گا؟ یہی نہ کہ صحابہ (معاذ اللہ) اپنی ضرورتوں کے تحت پیغمبر کے نام پر حدیثیں بنا لیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک بات کے دو معنی آپ کے سامنے ہیں۔ کسی عبارت کے مفہوم میں اختلاف ہو تو عقل و نقل یہی تقاضا کریں گے کہ متکلم کی نیت معلوم کی جائے۔ اب دیکھئے! حضرت عبداللہ بن عمر کا اپنا عمل اس کے بعد کیا رہا۔! آپ نے آئندہ جب بھی یہ حدیث روایت کی تو حضرت ابو ہریرہ کی طرح تین استثنار نقل کئے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو یاد آچکا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی تین طرح کے کتوں کو اس وعید سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ ابو الحکم کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر کو یہ حدیث بیان کرتے سنا کہ حضورؐ نے فرمایا جس نے کھیت کھلیان کی چوکسی کرنے والے کتے، مویشیوں کی حفاظت کرنے والے کتے اور شکاری کتے کے سوا کوئی اور کتا پالا اس کے نیک اعمال کا اجر ایک قیراط یومیہ کم ہوتا ہے گا۔

حضرت ابن عمر رضؓ تو صاحب زرع (کھیتی والے) نہ تھے۔ اگر صحابہ حدیث ضرورت کے لئے گھڑتے تھے تو حضرت ابن عمر رضؓ کو کیا ضرورت تھی کہ وہ یہ تیسرا استثنار بھی ذکر کریں۔ ان کی تو زمین نہ تھی۔ محدثین پھر یہ بھی بتاتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضؓ کے علاوہ اور کئی صحابہ بھی ہیں جنہوں نے حضورؐ سے اس باب میں یہ تین استثنار روایت کئے ہیں۔ امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں۔

ان اباھریرۃ لیس منفرداً بھذہ الزیادۃ بل وافقہ جماعۃ من الصحابۃ فی روایتھا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۰)

اب آپ ہی غور فرمائیں۔ بات کیا تھی اور مستشرقین نے اسے اپنی ضرورت کے تحت کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اب جو طلبہ اس لٹریچر سے اسلام سیکھیں گے وہ کس ساحل پر اتریں گے۔ یہ بات آپ کے سوچنے کی ہے۔ اور اس کا فیصلہ آپ خود کریں۔

راقم الحروف نے ایک دفعہ اپنے قیام انگلستان کے دوران وہاں کے مشہور مستشرق مسٹر جیمز رابسن سے مستشرقین کی اس غلطی کا ذکر کیا تو اس نے اسے مسٹر گولڈ زیہر اور مسٹر شاٹ کے قصور مطالعہ پر محمول کیا اور کہا کہ اگر ان کی نظر میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی کی یہ روایت ہوتی کہ آپ بھی آئندہ تین استثناء ہی ذکر فرماتے تھے تو مسٹر شاٹ اسے اس طرح بیان نہ کرتے اس کی نظر میں یہ دوسری روایت نہ ہوگی۔ میں نے کہا آپ اسے ان مستشرقین کی بھول یا قصور مطالعہ پر محمول کرنا بہتر سمجھتے ہیں بجائے اس کے کہ اسے مسٹر گولڈ زیہر یا مسٹر شاٹ کی بدنیتی پر محمول کریں کہ وہ غیر مسلم ہونے کی حیثیت سے حدیث میں تشکیک پیدا کرنا اپنے لئے مفید سمجھتے تھے اور اسی لئے وہ اس قسم کے ابہام پیدا کرتے رہے ہیں۔ تو انہوں نے یہی انداز فکر حضرت ابن عمر رضی کے بارے میں کیوں اختیار نہ کیا کہ وہ تیسرے کتے کا استثناء بوجہ عدم ضرورت کے بھول گئے ہوں گے اور حضرت ابوہریرہ کی روایت سامنے آنے پر انہیں وہ پوری حدیث یاد آگئی ہوگی۔ علمی دنیا میں سہو د نسیان کوئی بڑا عیب نہیں لیکن بدنیتی اتنی بری شے ہے کہ اس کے بعد کوئی مرتبہ علمی باقی نہیں رہتا پھر جب یہ الزام کسی دینی جہت پر آئے تو اور بھی لائق افسوس ہو جاتا ہے۔

ہمارے جو طلبہ مستشرقین کے لٹریچر سے اسلام سیکھنا چاہتے ہیں وہ اس ایک مثال پر غور کریں وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ مشکلات حدیث میں حدیث کے ماہر فن علماء کی طرف رجوع کئے بغیر وہ کسی حدیث کے بارے میں کوئی نرم گوشہ اختیار نہ کریں۔

آثار الحدیث کے ان مضامین میں ہر مضمون اپنی جگہ ایک مستقل کتاب ہے۔ آپ پوری کتاب نہ بھی پڑھیں تو جس موضوع کی آپ کو ضرورت ہو اسے اس کے متعلقہ عنوان میں آپ آسانی سے معلوم کر سکیں گے۔ ہر عنوان اپنی جگہ ایک پورا مضمون ہے۔ اسے پڑھئے آپ کے ذہن میں اس موضوع سے متعلق کوئی تشنگی باقی نہ رہے گی۔

بعض عنوان ایسے ہیں جن میں کچھ قدر مشترک ہے۔ یہ قدر مشترک آپ کو مختلف عنوانوں میں موضوع کی مناسبت سے ملے گی۔ اسے تکرار بے جا نہ سمجھا جائے۔ ہر عنوان کو جامع بنانے کے لئے اس کا وہاں دیا جانا ضروری تھا۔ حضرت امام بخاریؒ نے الصحیح کے باب باندھے تو آپ کو بھی بعض احادیث

ان میں تکرار سے لانی پڑیں۔ آپ نے اس قدر مشترک کو ہر متعلق باب میں جگہ دی۔ حدیث پر کام کرنے والوں کے لئے اس سے گریز ممکن نہیں۔

آثار الحدیث آپ کے ہاتھوں میں ہے اللہ رب العزت کا کس زبان اور کن الفاظ میں شکریہ ادا کروں جس نے آثار التنزیل کے بعد آثار الحدیث کی اشاعت کی توفیق بخشی۔ عمر خضری بھی ہو اور ہر بُن مو زبان بن جائے تو اس کی عنایات کا تشکر و امتنان ادا نہیں ہو سکتا۔ علم کی خدمت اپنی جگہ کتنی دقیع کیوں نہ ہو رضائے مولیٰ ہر مقصد سے اولیٰ ہے۔ ــــــ اے ذات کریم یہ عنایت بھی فرما کر اس ناچیز خدمت کو اپنے حضور قبول فرما، مقبول خلائق بنا، اور جس ذات اقدس کے گرد یہ علم گھومتا ہے۔ راقم الحروف کو اس کے غلاموں اور پہریداروں میں جگہ دے ــــــــــــ

اجازت ہو تو آکر میں بھی شامل ان میں ہو جاؤں
سنا ہے کل تیرے در پہ ہجوم عاشقاں ہو گا

اس دنیا میں دربار رسالت کی پہرہ داری سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے ؟ صحابہ ساری امت میں اسی اعزاز سے ممتاز ہوئے کہ وہ ذات رسالت کے حلقہ دار اور علم رسالت کے پہرے دار تھے۔ اور انہوں نے چہرہ رسالت کا عینی دیدار پایا تھا آپ کی وفات کے بعد پھر اور وفادار اٹھے جو علم رسالت کے گرد پہرہ دار ہوئے اور انہوں نے علم رسالت کو ہر دخل بے جا اور ملاوٹ سے نکھارا اور امت کو راہ سنت پر چلنے کے لئے ابھارا ہزاروں عشاق اس غواصی میں کھوئے گئے اور ان بزرگوں کی بھی کمی نہیں جو کامیابی سے ساحل مراد پر اترے۔

گروہ ایک جویا تھا علم نبی کا ‌‌ لگایا پتہ اس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا ‌‌ کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کیے جرح و تعدیل کے وضع قانون ‌‌ نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

مدارس عربی میں آج سب سے بڑی جماعت اس گروہ کی ہے ؟ جو دورہ حدیث کا حلقہ لگائے بیٹھے ہیں۔ اور اساتذہ میں سب سے بڑا استاد کون ہے ؟ شیخ الحدیث جو ہر لفظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دے رہا ہے۔ قال قال رسول اللہ کی صدا بلند کر رہا ہے۔

اسی طرح دین کے لئے سب سے بڑا خطرہ اور دین پر سب سے بڑا حملہ کونسا ہے ؟ انکار حدیث کا ——— اور دین کے ہر اختلاف میں حرف آخر کیا ہے ؟ ارشاد نبوت ——— دورہ حدیث کے طلبہ اس کتاب کو پڑھ کر دورہ حدیث شروع کریں۔ تو اساتذہ کی تحقیقات کو وہ بڑی آسانی سے اس کتاب کے مختلف ابواب میں جگہ دے سکیں گے یہ جذبہ عشق رسالت ہے جس سے اسلام کا پرچم ہر دور میں بلند و بالا رہا ہے اور یہ علم حدیث ہی ہے جس سے ہر دور میں مسلمان اپنے آقا کی غلامی میں قدم رکھتے آئے ہیں۔

ہوئی جب دشمنان دین کی یلغار سنت پر
سنبھالا پرچم اسلام اہل علم نے بڑھ کر
حفاظت سند کی پھر متن کی جب ہو چکی پوری
تو امت پھر منظم ہو گئی آقا تیرے در پر

علمائے اسلام نے یورپ کے مستشرقین کو ان کے ہر اعتراض کا شافی جواب دیا ہے برصغیر پاک و ہند اور مصر و عرب کے علمائے کرام کی محنتیں اس باب میں بہت مفید ثابت ہوئی ہیں۔ اور الحمد للہ کہ مستشرقین کی یہ مہم اب بہت دب گئی ہے اب امت کو خطرہ ان سے نہیں ان مستغربین سے ہے جو مسلمان ہونے کے عنوان سے مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے ہیں رب العزت ان سے بھی امت کی حفاظت فرمائے۔ پیش نظر رہے کہ بعض اسلامی عقائد وہ قطعیت رکھتے ہیں کہ ان کا انکار کفر اور ان میں تاویل الحاد اور فسق کا کھلا نشان ہوتا ہے اسلام میں ختم نبوت اور حفاظت قرآن کو یہ بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ ان کا منکر وہ کھلا انکار کرے یا الحاد کی راہ چلے مسلمان نہیں رہتا اس طرح حجیت پیغمبر دین کی وہ اساس ہے کہ جو مدعی اسلام اس کا قائل نہ ہو اس کے لئے بھی مسلمانوں میں کوئی جگہ نہیں رہتی ختم نبوت حفاظت قرآن اور حجیت پیغمبر کا منکر ہرگز مسلمان نہیں برصغیر پاک و ہند میں انگریزی دور میں مسلمانوں کی صفوں میں جو کانٹے ایک گہری چال سے بکھیرے گئے اب ضرورت ہے کہ اس آزاد سلطنت پاکستان میں ہم ان تحریکات کا پوری طرح سدباب کریں اور اپنے آپ کو ان موضوعات میں دلائل و شواہد سے اس طرح مسلح کریں کہ ان تین راہوں سے آنے والا ہر حملہ آور منہ کی کھا کر واپس جائے۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ اب حملہ آور آ نہیں رہے اُٹھ رہے ہیں۔ لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اندرونی دشمن کا سامنا کرنا بیرونی حملہ آوروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ سخت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دو سے اُمت کی حفاظت فرمائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

[سپاس ناشناسی ہوگی اگر میں اس مقدمہ میں رنگون کے حافظ محمد اقبال صاحب فاضل مظاہر العلوم سہارنپور۔ حافظ محمد اسلم صاحب فاضل جامعہ رشیدیہ ساہیوال اور مولانا قاری سمیع اللہ صاحب فاضل دارالعلوم کبیر والا کا شکریہ ادا نہ کروں جنھوں نے ترتیب مضامین اور پروف ریڈنگ میں مشقت شاقہ سے میری مدد فرمائی۔ ان کے تعاون سے آج یہ خدمت منصہ شہود پر موجود ہے۔
فجزاھم اللہ احسن الجزاء]

اہل علم سے درخواست ہے کہ اگر کسی مقام پر کوئی فروگذاشت محسوس کریں یا کسی موضوع پر نظر ثانی چاہیں تو اس سے مطلع فرما کر متشکر فرمائیں۔ اگلے ایڈیشن میں ان مشوروں کو ملحوظ رکھا جا سکے گا۔
وما ذلک علی اللہ بعزیز

خالد محمود عفی اللہ عنہٗ
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر
انگلینڈ

۱۷-۱۰-۸۵

لفظ حدیث

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد:

حدیث کے بارے میں کسی خاص موضوع پر بحث discussion کرنے سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ حدیث کسے کہتے ہیں اور اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے لفظی معنی کیا ہیں؟ دورِ اوّل میں اس سے کیا مراد لی جاتی تھی؟ دورِ آخر میں اس کے اصطلاحی معنی کیا لیے ہیں۔ اور علوم اسلامی میں حدیث کو ہر دور میں کیا اہمیت حاصل رہی ہے؟ علوم اسلامی کے طلبہ کے لیے ان اُمور کا جاننا بہت ضروری ہے. آج لفظ حدیث کے عنوان سے حدیث کی کچھ تفصیل کی جاتی ہے. سو آج کا موضوع حدیث کا تعارف ہے کہ حدیث کسے کہتے ہیں.

حدیث کی اہمیّت

قانونِ اسلامی کے ماخذ کی حیثیت سے لفظ حدیث علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں. اسلام میں اسے ہمیشہ اساسی حیثیت حاصل رہی ہے اور اس موضوع پر دورِ قدیم اور دورِ جدید میں خاصا کام ہوا ہے. کام کی وسعت اور تالیفات کی کثرت پتہ دیتی ہے کہ علومِ اسلامی میں حدیث کو بہت ہی اہمیت حاصل رہی ہے. قرآن کریم کی تفہیم و تفصیل میں بھی حدیث کی طرف ہی رجوع کیا جاتا ہے اور فقہ کی سند بھی حدیث سے ہی لی جاتی ہے اور حق یہ ہے کہ اسے جانے بغیر اسلام کا کوئی موضوع مکمل نہیں ہوتا. ان موضوعات پر بھی انشاء اللہ اپنے اپنے موقع پر بحث ہو گی. آج کا موضوع لفظ حدیث کی تحقیق اور علم حدیث کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا ہے. یہ حدیث کا تعارف ہے یعنی معرفۃ لفظ حدیث، سے ہماری یہی مراد ہے.

حدیث کے معنی

حدیث کے لفظی معنی بات statement اور گفتگو talk کے ہیں۔ علامہ جوہری صحاح میں لکھتے ہیں :-

الحدیث الکلام قلیلہ وکثیرہ۔

ترجمہ۔ حدیث بات کو کہتے ہیں وہ مختصر ہو یا مفصل۔

حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات بیان کے پہلو سے ذکر کی جائیں تو حدیث کہلاتی ہیں اور ان روایات کی تحدیث کو transmission (آگے بیان کرنا) کہتے ہیں عمل کے پہلو سے حضورؐ کی تعلیمات کو سنت کہا جاتا ہے۔ سُنّت عربی میں طریقے conduct اور راہ Path کو کہتے ہیں۔

حدیث سے مُراد

حضورؐ کی تعلیمات (قولی، فعلی اور تقریری[۱]) معرض بیان میں ہوں تو حدیث ہیں۔ اور معرض عمل میں ہوں تو سنّت کہلاتی ہیں۔ حدیث میں بیان کی نسبت غالب ہے۔ اور سنّت میں عمل کی نسبت غالب ہے۔ صحابہ کرامؓ جب اس طریق کی نشاندہی کرتے تھے جس پر حضور اکرمؐ نے انہیں قائم کیا، تو کہتے تھے۔

سنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضورؐ نے اس امر کو ہمارے لیئے راہِ عمل بنایا ہے۔

---

[۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی صحابی نے کچھ کیا یا کہا اور آپ نے اس پر سکوت فرمایا نکیر نہ کی اور اس سے یہی سمجھا گیا کہ اس عمل یا قول کی حضورؐ نے تصدیق فرمادی ہے تو اسی تصدیق کو تقریر confirmation کہتے ہیں اور آپ کی یہ تصدیق تقریری صورت کہلاتی ہے۔ یہ تقریری حدیث ہے

[۲] عن علی قال الوتر لیس بحتم کصلوٰتکم المکتوبۃ ولکن سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... سنۃ سنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جامع ترمذی جلد ۱ ص۶) عن عبدالرحمن مرفوعاً سننت لکم قیامہ سنن ابن ماجہ ص۹۴ میں نے قیام رمضان تمہارے لیئے سنّت بنایا ہے۔

اور جب وہ حضورؐ کی بات کو نقل کرتے تو کہتے تھے:۔
حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[۱] حضورؐ نے اسے ہمارے لیے بیان کیا۔
پس حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا بیان ہوا۔ سنت میں نسبت عمل اور حدیث میں نسبتِ بیان ممتاز رہی[۲]۔

حدیث و قدیم کا فرق

عربی میں لفظ حدیث قدیم کے مقابلے میں بھی ہے۔ قدیم پرانے کو کہتے ہیں۔ اسلامی عقیدے میں قرآن پاک کلام الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور کلام قدیم ہے۔ یہ مخلوق نہیں created نہیں۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام حدیث ہے قدیم نہیں۔ آپ بھی اللہ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ آپ کی ذات حادث ہے قدیم نہیں۔ ذاتِ قدیم کا کلام قدیم ہوگا اور ذاتِ حادث کے کلام کو حدیث کہیں گے۔ قرآن پاک کا غیر مخلوق ہونا اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ سو ضروری تھا کہ علمِ اسلامی کا دوسرا سرچشمہ حدیث کہلائے۔ تاکہ کلام خالق اور کلام مخلوق میں اصولی فرق عنوان میں بھی باقی رہے۔

---

[۱] عن زید بن وہب حدثنا حذیفة قال حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثین (صحیح بخاری جلد ۹ ص ۲۲) تحدث عن رسول اللہ بخاری جلد ۱ ص ۳۵ لاحدثنکم حدیثاً بخاری جلد ۱ ص ۳۰ جلد ۸ ص ۳۰۲ یا رسول اللہ صدق اللہ حدیثک صحیح بخاری جلد ۸ ص ۱۵۵ اذا حدثتکم عن اللہ شیئاً فخذوا بہ۔ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۶۳ حدثوا عنی ولا حرج۔ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۱۴ من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فھو احد الکاذبین (صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲) اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۳۵ من حفظ علی امتی اربعین حدیثا (مشکوٰۃ ص ۳۶)

[۲] وھذا الفرق کان ذائعاً فی السلف قال عبد الرحمن بن مھدی سفیان الثوری امام فی الحدیث ولیس بامام فی السنة والاوزاعی امام فی السنة ولیس بامام فی الحدیث و مالک بن انس امام فیھما جمیعاً۔

حافظ شمس الدین السخاوی لکھتے ہیں :۔

والحدیث لغۃً ضد القدیم واصطلاحًا ما اضیف الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قولًا لہ اوفعلًا او تقریرًا او صفۃً حتی الحرکات والسکنات۔[۱]

ترجمہ۔ اور حدیث لغت میں لفظ قدیم کی ضد ہے اور اصطلاحًا اس سے ہر وہ بات مراد ہے جسے حضورؐ کی طرف نسبت کیا گیا ہو ——— قول سے یا فعل سے یا اس کی توثیق سے یا صورت سے۔ یہاں تک کہ حرکات و سکنات سے۔

مسلمان کلام قدیم اور کلام حدیث دونوں پر ایمان رکھتے ہیں اور دونوں کو دین میں حجت اور سند سمجھتے ہیں۔ ان دونوں ماخذوں کی اصل اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے نام سے جو کتاب پیش کی، وہ قرآن کریم اور کلام قدیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی جس ہدایت کو آپ نے اپنے الفاظ یا عمل سے ظاہر فرمایا اُسے حدیث کہتے ہیں۔

لفظ حدیث کی قرآنی اصل

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنی احکام کی تشکیل کے لیے جو راہیں کھولیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امت کے لیے بیان بیان فرما دیا۔ قرآن کریم آپ کے اس بیان کو لفظ حدیث سے پیش کرتا ہے :۔

اما بنعمۃ ربك فحدث ۝[۲]

ترجمہ۔ سو آپ اپنے رب کی نعمت کو آگے بیان کریں

اس بیان کرنے کو قرآن کریم نے حدث کے لفظ سے پیش کیا ہے۔ حدیث کی یہی قرآنی اصل ہے۔ (ذکرہ العلامہ العثمانی فی الفتح)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تین احوال ذکر فرمائے اور اُن پر تین احسان مرتب کیے۔ ان احسانات پر اللہ تعالیٰ نے پھر تین احکام ارشاد فرمائے اور یہ آیت ان تین احکام میں سے ہر ایک حکم پر مشتمل ہے۔

---

[۱] فتح المغیث ص۱۲ [۲] پ۳۰ والضحیٰ

یتیمی اور احسانِ ایواء

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے آپ کے والد وفات پاچکے تھے۔ چھ سال کی عمر میں والدہ بھی چل بسیں۔ آٹھ سال کی عمر تک اپنے دادا کی کفالت میں رہے پھر آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کی کفالت کی۔ جب مکہ والے دشمن ہو گئے تو اہلِ مدینہ نے آپ کو جگہ دی۔ ایواء کے معنی جگہ دینا اور ٹھکانا بہم پہنچانا کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیمی کی حالت میں پایا اور پھر ٹھکانا دیا۔

اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی۔

ترجمہ: کیا تجھے یتیم نہیں پایا۔ پھر جگہ دی۔

ناداری کے بعد غنا

آپ ابتداء میں نادار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی۔ تجارت میں کامیابی دی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسے مالدار حضرات کو آپ کے خادم بنا دیا۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ ایک سلطنت کے فرمانروا اور ایک پوری امت کے تمام دینی اور دنیوی امور میں پیشوا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ناداری کو غنا سے بدل دیا تھا۔ آپکو ناداری کے بعد غنی کر دیا تھا۔ آپ مکہ مکرمہ میں ہی تھے کہ ارشاد فرمایا:۔

وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی۔

اور پایا آپ کو نادار ——— پھر غنی کر دیا۔

تلاش و اضطراب اور راہِ ہدیٰ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے مشرکانہ اطوار اور بے ہودہ رسم و رواج و راہ سے شروع سے بیزار تھے۔ قلب مبارک میں خدائے واحد کی عبادت کا جذبہ پورے زور کے ساتھ موجزن تھا۔ عشقِ الٰہی کی تڑپ پورے جوش سے دل میں موجود تھی۔ اس جوشِ قلب اور عشقِ خداوندی

میں آپ ایک کھلے رستے اور مفصل دستورِ زندگی کی تلاش میں تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ہدایت کی ساری راہیں کھول دیں۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى۔

ترجمہ۔ اور پایا آپ کو راہ ڈھونڈتا ـــــ پھر راہ بتادی۔

ارشاد ہوا کہ (۱) جب آپ خود یتیم تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ٹھکانہ دیا۔ تو اب آپ کسی یتیم پر کوئی زیادتی نہ کریں۔ (۲) جب آپ خود نادار تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنی کر دیا۔ تو اب آپ کسی سائل کو نہ جھڑکیں اور (۳) جب آپ خود ایک مفصل راہ کی تلاش میں مضطرب تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر ہدایت کی راہیں کھول دیں تو اب آپ کو جو راہِ عمل ملی اسے دوسروں سے بھی بیان کریں۔ تاکہ ان کو بھی راہِ عمل ملے۔

قرآن کریم نے اس ہدایتِ ربانی اور نعمتِ یزدانی کے آگے پہنچانے کو فَحَدِّثْ کے لفظ سے بیان کیا ہے۔ جس کے معنی ہیں TRANSMIT IT TO OTHERS (آپ اسے دوسروں سے بیان کریں) اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت اور تعلیم قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث بیان کرنے کا بھی حکم ہوا تھا۔ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت آپ پر کھولی ہے۔ اُسے آپ آگے روایت فرما دیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ یہاں لکھتے ہیں:۔

شاید آپ کے ارشاد وغیرہ کو جو حدیث کہا جاتا ہے وہ اسی لفظ فَحَدِّثْ سے لیا گیا ہو۔[1]

اب آپ پھر ان آیات پر نظر کریں۔ بات اور وضاحت سے کھلے گی:۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ○ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ○ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ○ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ○ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ○ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ[2] ○

ترجمہ۔ کیا نہ پایا تجھ کو یتیم، سو پھر جگہ دی ـــــ اور پایا تجھ کو راہ کا متلاشی۔ سو

---

[1] فوائد القرآن صـ ۷۶۹ [2] پ ۳۰ سورہ والضحٰی۔

راہ سجھائی ـــــ اور پایا تجھ کو نادار سو پھر غنی کر دیا ـــــ سو جو یتیم ہو اُسے
مت دبائیں ـــــ اور جو مانگنے والا ہو اسے نہ جھڑکیں ـــــ اور جو نعمت
ہے تیرے رب کی اُسے آگے بیان کرتے رہیں۔

مشکوٰۃ نبوت سے نعمت کا ظہور تلاش و اضطراب میں راہ ہدٰی true guidance ہے اور آپ کی محنت انسانی تفرق میں وحدت کی دستگاہ CENTRE OF UNITY ہے۔ یہ وحدت یتیم کا ٹھکانہ اور امت کا آشیانہ ہے۔ اس آیت میں حدیث کے نعمت ہونے کا بیان ہے۔ تو دوسری آیت میں تفرقے کے بعد اُلفت پیدا ہونے کو بھی نعمت کہا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیمی کے بعد ٹھکانہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت سے قوم کو تفرق کے بعد اُلفت ملی۔ سو یہ سمجھنا کہ صحابہؓ کے دل آپس میں جُڑے ہوئے نہ تھے اور ان میں جاہلیت کے کچھ اثرات باقی رہ گئے تھے۔ جن کی چنگاریاں پھر بعد میں اُٹھتی رہیں اور خرمن امت جلتا رہا۔ یہ سب باتیں قرآن کے خلاف ہیں۔ قرآن کریم صاف کہتا ہے:۔

تفرقہ کے بعد تالیف

واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم
فاصبحتم بنعمتہ اخواناً۔[۱]

ترجمہ۔ اور یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے اُوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پس اُلفت دی اللہ نے تمہارے دلوں میں۔ سو تم ہو گئے اس نعمت سے بھائی بھائی۔

اب آپ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ تو جاہلیت کی چنگاریوں کو بُجھا بتلائیں۔ صحابہؓ کے دلوں کو جوڑ کر بھائی بھائی بنائیں۔ تو جاہلیت کی آگ اگر پھر بھی دبی باقی رہے اور چند سال بعد پھر بھڑک اُٹھے تو کیا یہی نعمتِ خداوندی ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی ابدی کتاب میں اب بھی اسی شان سے پڑھی جا رہی ہے۔ جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے تھی اور اس غلط سوچ پر کیا اس میں وہ تازگی رہے گی جو آج بھی تلاوت کرنے والا ان الفاظ کریمہ میں محسوس کرتا ہے۔

[۱] پ۴ آل عمران ع ۱۱۔ انما المومنون اخوۃ پ۲۶ الحجرات یہ ان کے ایمان کی شہادت بھی ہے۔

قوم کو تفرقے کے بعد اُلفت کی نعمت ملی۔ یہ نعمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت اور حدیث کا فیضان تھا۔ آپ کے ارشاد و تعلیم اور تزکیہ و تربیت سے صدیوں کی عداوتیں اور پُشتوں کے کینے دُور ہوئے تھے۔ یہ حدیث کا فیضان تھا کہ اس نے قوم کو تفرقے کے بعد اُلفت سے مالا مال کر دیا۔ حدیث کے اس فیضان کو یہاں قرآن میں نعمت کہا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس نعمت کے پُورا ہونے کے بغیر دین کے کامل ہونے کا ثمرہ کسی طرح نہ مل سکتا تھا۔ جب دین مکمل ہونے کا اعلان ہوا تو اتمامِ نعمت کی بشارت بھی ساتھ ہی دے دی گئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔[1]

ترجمہ۔ آج میں نے پُورا کر دیا تمہارے لیئے دین تمہارا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور پسند کیا میں نے تمہارے لیئے اسلام کو دین۔

مشکوٰۃِ نبوّت کی ضیا باریاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ والضحیٰ کی تین صُورتوں ① تلاش کے بعد ہدایت ② تفرقے کے بعد اُلفت اور ③ ناداری کے بعد غنا کو اپنی ذاتِ اقدس کا فیضان بتلایا ہے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہیں ان دولتوں سے مالا مال کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم (۶۳ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ حُنین کے دن فرمایا۔

یا معشر الانصار الم یجدکم ضلالا فھداکم اللہ بی وکنتم متفرقین فالفکم اللہ بی وعالۃ فاغناکم اللہ بی۔[2]

ترجمہ۔ اے گروہ انصار کیا تم بے راہ نہ تھے پس اللہ نے تمہیں میرے ذریعے ہدایت بخشی اور تم تفرقے میں پڑے تھے۔ اللہ نے تمہیں میرے ذریعے سے جوڑ دیا اور تم نادار تھے اللہ نے تمہیں میرے سبب سے مالدار کیا۔

اس روایت میں یتیمی کے بعد ٹھکانے کو تفرقے کے بعد اُلفت کے وسیع اور عام الفاظ

---

[1] پ ۶ المائدۃ ع ۱ [2] صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۲

میں ذکر کیا ہے۔ پہلی صُورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے حالات سے متعلق تھی۔ لیکن دوسری صُورت میں پُوری امّت کے حال کا بیان ہے۔ قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین حالتوں کا بیان اور اُن پر تین انعاماتِ الٰہی کا ذکر تھا۔ اس حدیث میں امت کی تین حالتیں بیان کیں اور ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب تین انعاماتِ الہیّہ کا تذکرہ ہے۔ قرآن کریم اور حدیث کے ملتے جُلتے الفاظ وحدتِ مضمون کا پتہ دے رہے ہیں اور ان انعامات کا (حضُور سے آگے گزر کر) امت کو شامل ہونا بتلاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضُور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہدایت کی۔ جو راہیں کھولیں۔ آپ نے ہدایت کی ان راہوں سے پُوری امت کو سرفراز فرما دیا اور ارشاد فرمایا :-

فهداكم الله بي

پس اللہ نے تمہیں میرے ذریعہ ہدایت سے سرفراز کر دیا۔

امّت کی یہ سرفرازی اما بنعمة ربك فحدث (اور جو نعمت تیرے رب کی ہے سو اسے دوسروں سے بیان کر) کا صدقہ اور حدیث کا فیضان تھی۔ سو فَحَدِّث کے الفاظ میں حدیث کی قرآنی اصل موجود ہے۔ صحیح بخاری کی اس حدیث کے پیشِ نظر آیتِ قرآنی اما بنعمة ربك فحدث سے یہ استدلال نکتہ بعد الوقوع کے درجہ میں نہیں رہتا۔

لفظ حدیث قبل از اسلام

حدیث کے معنی بات کے ہیں اور ان معنی میں یہ لفظ قبل از اسلام عام استعمال ہوتا تھا بلکہ اب تک یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں بھی شائع اور رائج ہے۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ یہ لفظ انہی باتوں کے مناسب رہا ہے۔ جن کی یاد باقی رہنے کے لائق سمجھی جائے۔ آئی اور گئی بات اس لفظ کا مورد نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبروں کی باتوں کو اس لفظ سے خاص مناسبت رہی ہے۔ ان کی باتیں باقیات اور آئندہ یاد رکھنے کے لائق ہوتی ہیں۔ قرآن کریم نے پہلے پیغمبروں کی باتوں کو بھی اسی نام سے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے مہمانوں کی صُورت میں آئے اور قوم لُوط پہ عذاب لانے کی خبر دی۔ قرآن کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی اس بات کو ان الفاظ

میں نقل کرتا ہے:۔

هل اتاک حدیث ضیف ابراهیم المکرمین۔[1]

ترجمہ۔ کیا پہنچی تجھ کو حدیث (بات) ابراہیم کے مہمانوں کی جو عزت والے تھے۔

قرآن کریم کے الفاظ هل اتاک (کیا تیرے پاس پہنچی ہے بات) میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ حدیث پہلوں سے پچھلوں کو پہنچنی چاہیئے اور جو باتیں اس لائق ہوں کہ پہلوں سے پچھلوں کو پہنچیں۔ لفظ حدیث ان کے لیئے مناسب لغوی رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن کریم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات بھی یُوں نقل کرتا ہے:۔

هل اتاک حدیث موسیٰ[2]

ترجمہ۔ کیا پہنچی تجھ کو حدیث (بات) موسےٰ کی؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فرمایا کہ آپ اپنے پروردگار کے احسانات کو حدیث میں بیان کرتے رہیں۔

امابنعمة ربك فحدّث[3]

ترجمہ۔ سو آپ اپنے رب کا احسان آگے حدیث بیان کرتے رہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے عرب میں بدوئیت غالب تھی۔ اُمیّین کی کثرت تھی۔ پڑھنے لکھنے کا رواج نہ تھا۔ خاندانوں اور قبائل کے تذکرے مابہ الامتیاز تھے۔ انساب کو یاد رکھنا اور حلیف و حریف کے سامنے اپنے امتیازات کا تحفظ ان کی قومی ضرورت تھی۔ پچھلوں کی باتوں کو یاد رکھ کر آگے نقل کرنا ان کا موضوع علم تھا۔ شعر و سخن کی دلدادگی نے اس تحفظِ روایات کو اور ضروری بنا دیا تھا۔ شعراء عرب کو یاد رکھنے والے اور انساب و قبائل کے ماہرین الرّاوية کے نام سے موسوم ہوتے تھے۔ یہ صُورتِ حال بتلاتی ہے کہ اسلام سے بہت پہلے تحدیث transmission اور روایت عربوں کے مزاج میں داخل کی جا چکی تھی۔ علم الٰہی میں یہ بات طے تھی کہ خدا تعالیٰ کے آخری پیغمبر انہی اُمیّین میں بھیجے جائیں گے اور یہ بھی ضروری تھا کہ اس پیغمبر خاتم کی تمام تعلیمات محفوظ رہیں۔ تا کہ سب آنے والوں کو روشنی بخشیں سو اللہ تعالیٰ

---

[1] پ ۲۶ الذاریات ع ۲ [2] پ ۳۰ النازعات ع ۱ [3] پ ۳۰ والضحیٰ

نے آپ کی بعثت سے صدیوں پہلے عربوں کا قومی مزاج اس طرح کا بنا دیا کہ وہ روایات کے تحفظ اور انہیں آگے روایت کرنے میں اپنی تاریخی سطح قائم رکھیں۔ بلکہ اس میں احتیاط و تثبت اور ضبط و تیقظ کے اور دواعی بھی شامل کریں۔

لفظ حدیث بعد از اسلام

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر کو جن اُمیین میں بھیجا۔ انہوں نے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد اپنے آقا و مولیٰ کی ہر بات اور ادا کو اسی قومی مزاج کے ساتھ یاد رکھا۔ جو صدیوں کی تاریخ میں ان میں راسخ ہو چکا تھا۔ نئے حالات اور نئے تقاضوں سے علم کا ایک نیا باب شروع ہوا یہی علم حدیث ہے۔ جس میں قرآنی تعلیم کے ساتھ ساتھ عربوں کے اس قومی مزاج کو بھی کافی دخل ہے۔ جو عرب میں قبل از اسلام موجود تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے ملک میں مبعوث ہوئے جہاں آپ کی تعلیمات اور شریعت علم کی باقاعدہ تدوین سے پہلے پورے اہتمام اور فکر سے زبانی نقل و روایت میں محفوظ رکھی جا سکیں۔ اس پہلے دور میں گو حدیث لکھنے آغاز ہو چکا تھا۔ لیکن زبانی روایت کا بہر حال غلبہ تھا۔ حدیث اس زبانی روایت کو ہی کہتے تھے۔ جس کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء companions کی زندگی تھی۔

دورِ اوّل میں حدیث سے مُراد

اسلام کے پہلے دور میں حدیث کا لفظ حضورؐ کی تعلیمات کے لیے عام استعمال ہوتا تھا۔ قرآن کریم کے ساتھ ساتھ حدیث کے الفاظ بھی دینی سرچشمہ ہدایت کے طور پر عام رائج تھے۔ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنی تعلیمات کے لیے لفظ حدیث استعمال فرمایا۔ (۲) آپ کے سامنے بھی یہ الفاظ ان معنوں میں استعمال ہوتے رہے۔ (۳) صحابہ کرامؓ بھی اسے ان معنوں میں استعمال کرتے رہے اور (۴) تابعینؒ اور ائمہ مجتہدین کے ہاں بھی اس لفظ کا استعمال عام رہا اور ان تمام اُمور پر قرنِ اوّل کی قوی شہادتیں موجود ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث سرچشمہ ہدایت کے طور پر کسی دور متاخر کی ایجاد نہیں۔ یہ لفظ اسلام کے دورِ اوّل میں اپنی اسی دینی دلالت

کے ساتھ پوری طرح شائع اور موجود رہا ہے۔

لفظِ حدیث حضورؐ کی زبان مبارک میں

(۱) آنحضرتؐ نے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ (۵۷ھ) سے فرمایا:۔

لقد ظننت یا ابا ھریرۃ ان لا یسألنی عن ھٰذا الحدیث احد اول منك لما رایت من حرصك علی الحدیث۔[۱]

ترجمہ۔ اے ابوہریرۃ بے شک میرا گمان یہی تھا کہ کوئی شخص تم سے پہلے مجھے اس حدیث کے بارے میں نہ پوچھے گا۔ کیونکہ تمہاری حدیث کی طرف رغبت کو میں جانتا تھا۔

اس حدیث میں حضورؐ نے اپنے ارشاد کو لفظ حدیث سے بیان فرمایا ہے۔ آپ کا انداز بیان بتلا رہا ہے کہ ان دنوں یہ لفظ اپنے ان معنوں میں عام استعمال ہوتا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ کی طلب اور حرص یہ بھی بتلاتی ہے کہ حدیث ان دنوں قانونِ اسلامی کے ماخذ اور دین کا سرچشمہ علم ہونے کی حیثیت سے مسلم تھی اور صحابہ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ پوری محنت سے اسکی حفاظت کی جائے۔ اسے اچھی طرح سمجھا جائے اور یاد رکھا جائے۔ حدیث کی یہ اہمیت پیشِ نظر نہ ہوتی۔ تو صحابہ کرامؓ حدیث کی طلب اور اسے یاد رکھنے کی فکر میں یہ انداز اختیار نہ کرتے۔

(۲) حضرت زید بن ثابتؓ (۴۵ھ) کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

نضّر اللہ امرأ سمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ غیرہ۔[۲]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تازگی بخشیں جس نے ہم سے کوئی حدیث سُنی۔ اسے یاد رکھا۔ یہاں تک کہ اسے کسی دوسرے تک پہنچایا۔

اس ارشاد میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کو لفظ حدیث سے ذکر فرمایا ہے اور اس کی حفاظت کرنے اور اسے آگے پہنچانے کی ترغیب دی ہے۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:۔

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۰ [۲] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۰

من حدث عنی بحدیث یرٰی انہ کذب فھو احد الکاذبین[1]

ترجمہ. جس نے میرے نام سے کوئی حدیث روایت کی اور اسے پتہ ہو کہ یہ جھوٹ ہے (یعنی وہ بات میں نے نہ کہی ہو) تو وہ ایک جھوٹ بولنے والا آدمی ہے۔

اس روایت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کو لفظ حدیث سے ذکر فرمایا اور یہ بھی بتلایا کہ کوئی شخص گو خود مجھ پر کوئی جھوٹ نہ باندھے۔ لیکن کسی شخص کے باندھے جھوٹ (موضوع روایت) کو میرے نام سے روایت کرے۔ تو اسے اس لیئے نظر انداز نہ کیا جائے گا۔ کہ دروغ بر گردن راوی. بلکہ وہ بھی جھوٹ باندھنے والوں میں سے ایک شمار ہو گا اور اسے وہی گناہ ہوگا جو مجھ پر جھوٹ باندھنے کا گناہ ہے۔ جو لوگ اس جھوٹ کو آگے لے جائیں۔ وہ سب کاذبین (جھوٹے) شمار ہوں گے۔ بہرحال اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کو جو آگے بیان ہوگی لفظ حدیث سے ذکر کیا ہے۔

(۴) حضرت ابن عباسؓ (۶۸ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم[2]

ترجمہ. مجھ سے حدیث بیان کرنے میں پرہیز کرو. مگر وہی جسے تم اچھی طرح جانتے ہو۔

یعنی پورے علم اور وثوق کے بغیر مجھ سے کوئی بات آگے روایت نہ کرو۔ اس میں اگر احتیاط نہ کی جائے تو دین کے بگڑنے کا اندیشہ ہے۔

(۵) حضرت مقداد بن معدی کربؓ (۸۷ھ) کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

یوشك الرجل متکئا علی اریکتہ یحدث بحدیث من حدیثی فیقول بیننا و بینکم کتاب اللہ[3]

ترجمہ. ہو سکتا ہے کہ (تمہیں) ایک شخص اپنے کاؤچ سے ٹیکہ لگائے ہوئے ملے اسے میری حدیثوں میں سے کوئی حدیث سنائی جائے تو وہ کہے کہ ہمارے اور تمہارے مابین بس اللہ کی کتاب کافی ہے (یعنی حدیث کی ضرورت نہیں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی آپ کی تعلیمات کو حدیث کہا جاتا تھا اور اسے

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱ [2] رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۵ [3] سنن ابن ماجہ صفحہ ۳

اسلام کے سرچشمہ علم کی حیثیت سے ذکر کیا جاتا تھا۔ ان دنوں اس ماحول میں ان معنوں میں اسی لفظ کا استعمال عام رہا ہے۔

لفظ حدیث حضورؐ کے سامنے صحابہؓ کی زبان سے

(۱) حضرت ابو سعید خدریؓ (۷۴ھ) کہتے ہیں کہ ایک خاتون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کی:۔

ذهب الرجال بحديثك فاجعل لنا من نفسك يوما ناتيك فيه تعلمنا بما علمك الله[1]

ترجمہ۔ مرد تو آپ کی حدیثیں لے جاتے ہیں۔ آپ ہمارے لیئے بھی کوئی دن مقرر فرماویں ہم آپ کے پاس اس دن آیا کریں اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو بتلایا ہے آپ ہمیں بھی پڑھا دیا کریں۔

اس روایت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کے ارشادات کو حدیث کہا جاتا تھا۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ آپ جو کچھ فرماتے اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے بتلاتے اور یہ بات صحابہ کرامؓ کے ہاں تسلیم شدہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیث میں وہی رہنمائی پیش فرماتے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے قلب میں القاء کی جاتی۔ حدیث میں بھی ربّانی ہدایت Divine element شامل تھی۔

(۲) حضرت ابوہریرۃؓ (۵۸ھ) نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض کی:۔

انی اسمع منك حديثا كثيرا انساه[2]

ترجمہ۔ میں آپ سے بہت حدیثیں سنتا ہوں جنہیں بھول جاتا ہوں۔

اس پر آپ نے فرمایا۔ اپنی چادر پھیلاؤ۔ میں نے پھیلا دی۔ آپ نے ہاتھوں سے اس میں کوئی چیز ڈالی اور فرمایا اسے لپیٹ لو۔ میں نے اسے لپیٹ لیا۔ اس کے بعد میں کبھی نہیں بھولا۔

ان روایات میں حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کے لیئے صریح طور پر حدیث

---

[1] صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۲۴ مصر [2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۲ دہلی

کا لفظ ملتا ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی احادیث کی آگے نشر و اشاعت کو پسند فرماتے تھے۔ آپ اپنی تعلیمات کو صحابہ تک کے لیئے کافی سمجھتے تو انہیں یاد رکھنے کے لیئے اس قدر توجہ نہ دلاتے۔ حضرت ابوہریرہؓ کو فرما دیتے کہ اس پر عمل کر لو۔ پھر انہیں بھول جاتے ہیں کوئی نقصان نہیں۔ آپ کا حضرت ابوہریرہؓ کی یادداشت کے لیئے یہ روحانی تصرف اور دعا اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ آپ کو یہ بات پسند تھی کہ آپ کی حدیثیں یاد رکھی جائیں اور آگے روایت کی جائیں۔ آپ کے بعد کسی اور مرکز ملت کی ضرورت ہوتی تو آپ حفظ حدیث کے لیئے یہ اہتمام ہرگز نہ فرماتے۔ صحابہؓ کا لفظ حدیث کے لیئے یہ اہتمام دین میں حدیث کی اصولی حیثیت کو واضح کر رہا ہے۔

(۳) ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کہتی ہیں کہ ہم حضورؐ کی باتیں آپس میں کرتی تھیں۔ اسے آپ نے حدیث سے ذکر کیا اور حضورؐ کے سامنے بھی اسے اسی طرح بیان کیا۔

انا قد تحدثنا انك ناكح درة بنت ابی سلمة [۱]

ہم آپس میں باتیں کر رہی تھیں کہ آپؐ ابوسلمہ کی بیٹی درہ سے نکاح کرنے والے ہیں

حضورؐ نے فرمایا ایسا نہیں اس کا باپ ابوسلمہ میرا رضاعی بھائی ہے یعنی

اس جہت سے درہ میری بھتیجی ٹھہرتی ہے اور اس سے نکاح نہیں ہو سکتا ہے

ذخیرہ حدیث میں اس قسم کی متعدد روایات ملتی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی تعلیمات اور آپ کے ارشادات کو حدیث کہتے تھے۔ انہیں یاد رکھتے، انہیں آگے روایت کرتے اور دین میں انہیں اصولی طور پر سرچشمہ ہدایت یقین کرتے تھے صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ کی تعلیمات اور آپ کی روایات کو حدیث ہی کہتے رہے اور اس کی روایت میں پوری فکر اور احتیاط کی تلقین کرتے رہے۔

لفظ حدیث حضورؐ کے بعد صحابہؓ کی زبان سے

(۴) حضرت انس بن مالکؓ (۹۳ھ) روایت حدیث میں اپنے زیادہ محتاط ہونے کی وجہ

---

[۱] صحیح بخاری کتاب النکاح جلد ۲ صفحہ ۷۶۵

بیان فرماتے ہیں :-

انہ لیمنعنی ان احدثکم حدیثاً کثیراً ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من تعمد علی کذبا فلیتبوأ مقعدہ من النار[1]

ترجمہ. یہ بات مجھے زیادہ حدیثیں روایت کرنے سے روکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جس نے مجھ پر کوئی جھوٹ باندھا اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

(۲) فقیہہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) فرماتے ہیں :-

اذا حدثتم بالحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فظنوا بہ الذی ہو اھیأ والذی ہو اھدی والذی ہو اتقی[2]

ترجمہ. جب تمہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث پہنچے تو اس کا وہی مفہوم ومراد لو جو بہترین ہو جو زیادہ صحیح ہو اور جس میں سب سے زیادہ اللہ کا خوف ہو۔

اس روایت میں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو صریح لفظوں میں حدیث بتلایا گیا ہے۔ وہاں یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ اس کے مطالب اخذ کرنے میں علم وہدایت اور تقوے کے سارے اصول ملحوظ رہنے چاہئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی حدیثیں اگر قانونی طور پر سند اور حجت نہ سمجھی گئی ہوتیں، تو ان کی روایت میں یہ احتیاط اور ان کے مطالب اخذ کرتے میں یہ محنت وخشیت کبھی ملحوظ عمل نہ رہتیں۔

(۳) ترجمان القرآن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ (۶۸ھ) فرماتے ہیں :-

انا کنا نحفظ الحدیث والحدیث یحفظ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[3]

ترجمہ. ہم حدیث زبانی یاد کیا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث محفوظ کی جاتی تھی۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۱ [2] سنن دارمی جلد ۱ ص ۱۴۵ [3] سنن ابن ماجہ جلد ۱ ص ۴

حضرت ابن عباسؓ صرف اپنے بارے میں نہیں کہہ رہے کہ وہ حدیث یاد رکھتے تھے، بلکہ آپ عام صحابہؓ کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ وہ سب حدیث یاد کرنے میں منہمک تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد کرنے اور انہیں حضورؐ سے نقل transmission کرنے کا ان دنوں پورا اہتمام تھا۔ صحابی جب صیغہ جمع سے کسی بات کی خبر دے تو اس سے عام صحابہؓ کا عمل مراد ہوتا ہے۔

دورِ اوّل میں لفظ حدیث کے عام استعمال پر اہل السنۃ والجماعت محدثین کی یہ چند شہادتیں ہیں۔ آیئے اب شیعہ محدثین کے ہاں بھی اس کی اصولی تائید دیکھیں۔ ان دونوں طبقوں میں اعتقادی اختلافات اصولی درجے کے ہیں۔ لیکن حدیث کے بارے میں ان کا یہ توافق پتہ دیتا ہے کہ حدیث اسلام کے اصول قطعیہ میں ہمیشہ سے مسلّم رہی ہے اور مسلمانوں کے انتہائی مختلف طبقوں میں بھی اس موضوع پر ہمیشہ اتفاق رہا ہے۔ سنی شیعہ اختلافات زمین و آسمان کا فاصلہ رکھتے ہیں۔ مگر لفظ حدیث ان کے ہاں بھی اسی عام معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

شیعہ محدّثین کے ہاں لفظ حدیث

(۱) شیخ صدوق ابن بابویہ القمی (۳۸۱ھ) روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں کہ آپ کے خلفاء کون ہوں گے۔ فرمایا:-

الذین یأتون من بعدی ویروون حدیثی وسنتی۔[1]

ترجمہ۔ جو لوگ میرے بعد آئیں گے اور میری حدیثیں اور سنتیں روایت کریں گے وہ میرے خلفاء ہوں گے۔

اس روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے لفظ حدیث منقول ہے۔ اور حضورؐ

---

[1] معانی الاخبار ص۳۷۵ قلت اخرجہ ابونعیم والطبرانی (اخبار اصبہان جلد ا ص۸۱ مجمع الزوائد جلد ا ص۱۲۶) وذکرہ الغزالی فی احیاء العلوم جلد ا ص۱۱ وعیاض القاضی فی الالماع الی معرفۃ اصول الروایۃ وتقیید السماع (باب فی شرف الحدیث) ومتن الحدیث۔ اللهم ارحم خلفائی قلنا یارسول اللہ ومن هم خلفاؤك؟ قال الذین یأتون من بعدی ویروون احادیثی وسنتی۔

اس بات کو پسند فرما رہے ہیں۔ کہ ان کی حدیث آگے transmit کی جائے۔ اگر حدیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قانونی سند حاصل نہ ہوتی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس کی روایت کی ترغیب نہ دیتے۔ یہ نہ فرماتے تھے کہ اسے آگے پہنچایا جائے۔

(۲) ملا محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۴ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے ایک حدیث کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذارش کی:۔

اعد علیّ حدیثك یا رسول اللّٰہ[1]

ترجمہ۔ اے اللہ کے رسول اپنی حدیث ایک بار پھر میرے لئے بیان فرمائیں۔

حضرت علی مرتضیٰؓ نے اس روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے لئے خود حضورؐ کے سامنے لفظ حدیث اپنے انہی معنی میں استعمال فرمایا ہے جن معنی میں یہ لفظ محدثین کے ہاں عام استعمال ہوتا ہے۔

(۳) حضرت علی مرتضیٰؓ حدیث کا لفظ خود بھی ان معنوں میں عام استعمال کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے روایت میں احتیاط برتنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

انما اتاکم الحدیث من اربعة لیس لهم خامس (۱) رجل منافق یظهر الاسلام متصنع بالاسلام لایتاثم ولا یتحرج ان یکذب علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ...... (۲) ورجل سمع من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شیاء لم یحمله علی وجهه ووهم فیه ولم یتعمد کذباً ...... (۳) ورجل ثالث سمع من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شیاءً امر به ثم نهی عنه وهو لا یعلم او سمعه ینهیٰ عن شیء ثم امر به وهو لا یعلم فحفظ منسوخه ولم یحفظ الناسخ..... (۴) و اٰخر رابع لم یکذب علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآله مبغض للکذب خوفاً من اللّٰہ وتعظیماً لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآله لم ینسه بل حفظ ما سمع علی وجهه[2]

---

[1] فروع کافی جلد ۳ ص ۲۵۳ [2] اصول کافی جلد ۱ ص ۶۲-۶۳

ترجمہ۔ حدیث تمہیں چار آدمیوں سے ہی ملے گی ان کا پانچواں کوئی نہ ہوگا۔ ایک وہ شخص جو منافق ہے ظاہراً مسلمان ہے۔ اسلام کا لبادہ اوڑھے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے میں کوئی گناہ اور حرج نہیں سمجھتا ——— دوسرا وہ شخص جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور اسے اپنے محل پر محمول نہ کیا اس میں وہم آگیا اور اس نے عمداً آپ پر جھوٹ نہیں باندھا۔ ——— تیسرا وہ شخص ہے جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنی جس کا آپ نے حکم دیا اور پھر آپ نے اس سے منع فرما دیا اور اسے اس کا علم نہیں یا اس نے سنا حضور کو کسی بات سے روکتے ہوئے اور پھر آپ نے اس کا امر فرما دیا اور اسے اس کا علم نہیں۔ اس نے منسوخ کو تو یاد رکھا اور ناسخ کو نہ پا سکا ——— اور چوتھا شخص وہ ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ نہیں باندھا جھوٹ کے وہ خلاف رہا۔ اللہ سے ڈرتا اور حضورؐ کی تعظیم کرتا رہا۔ آپ نے جو فرمایا اسے بھولا نہیں بلکہ اسے اسی طرح یاد رکھا۔ جس پہلو سے آپ نے اس کی تعلیم فرمائی تھی۔

ان روایات سے پتہ چلا کہ شیعہ محدثین کے ہاں بھی دورِ اوّل میں لفظ حدیث کا استعمال ان تینوں صورتوں میں موجود تھا اور حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے متن Text کی حیثیت سے اس دور میں پوری طرح معروف اور ہر طبقہ خیال میں پوری متعارف تھی۔ دیکھئے اس روایت میں حضرت علیؓ صریح طور پر حضورؐ کی تعلیم کے لئے حدیث کا لفظ استعمال فرما رہے ہیں۔

دورِ آخر میں لفظ حدیث سے مراد

جب علم حدیث کتابوں اور تحریرات میں مدون ہو گیا تو اسے زبانی یاد رکھنے اور اس کی نقل و روایت میں اس محنت کی ضرورت نہ رہی جو اس علم کی باقاعدہ تدوین سے پہلے دینی اور علمی نقطۂ نظر سے بہت ضروری تھی۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ زبانی نقل و روایت کی

اصولی حیثیت باقی نہ رہی تھی۔ بلکہ یہ حقیقت ہے کہ یہ تحریرات حدیث اپنے پورے تحفظ کے ساتھ ساتھ زندہ استادوں سے زندہ شاگردوں تک منتقل ہوتی تھیں اور دین قیم کا علمی ذخیرہ بیان و روایت کی پوری شان اور حفظ و ضبط کے پورے اہتمام کے ساتھ آگے بڑھتا رہا ہے۔

لیکن حالات کی اس فطری گردش اور تحریرات حدیث کی اس اصولی سہولت نے محض زبانی یادداشت کو پیچھے چھوڑ دیا اور پھر ایک ایسا دور آیا کہ حدیث سے مراد یہی تحریرات حدیث Documentary evidence مراد لی جانے لگیں اور پھر اسلامی قانونی بحثوں legal decisions میں یہی تحریرات بطور حجت و سند کافی سمجھی جانے لگیں اور یہ ضرورت نہ رہی کہ ان کے ساتھ زبانی تحدیث کا پہلو بھی شامل رہے یہ دور آخر کی اصطلاح ہے کہ حدیث سے حدیث کے علاوہ تحریرات حدیث بھی مراد لی جانے لگیں۔ حدیث کا دور اول اور دور آخر کا یہ تعارف آپ کے سامنے ہے۔

علماء اصول اور علماء حدیث کی اصطلاح میں ایک فرق

ملحوظ رہے کہ علماء اصول فقہ حدیث کو حضورؐ کے اقوال، افعال اور آپ کی تقریر میں محدود سمجھتے ہیں۔ آپ کے ان حالات کو جو شریعت اور قانون کا عنوان نہیں بنتے (جیسے آپ کا حلیہ مبارک، ولادت اور وفات کے واقعات وغیرہا من الامور الغیر الاختیاریۃ) حدیث کے تحت داخل نہیں کرتے۔ لیکن یہ صرف علماء اصول کا موقف ہے۔ محدثین کے ہاں یہ سب امور بھی حدیث کے تحت داخل ہیں اور وہ انہیں باقاعدہ روایت کرتے ہیں۔ علامہ طاہر بن صالح الجزائری نے توجیہ النظر فی اصول الاثر میں اس پر تنبیہ کی ہے۔

حدیث کے لیے چند اور متقارب الفاظ

ابتدائی دور میں حدیث کے لیے اثر اور خبر کے الفاظ بھی لے آتے تھے۔ لیکن بعد میں ان میں بھی کچھ فرق کیا جانے لگا۔ بعض علماء حضورؐ کی بات کے لیے حدیث کا لفظ اور صحابہؓ کی بات کے لیے اثر کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ امام غزالیؒ نے احیاء علوم الدین میں یہی طریق اختیار کیا ہے

لیکن امام طحاویؒ شرح معانی الآثار اور مشکل الآثار میں اثر کا لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور صحابہؓ کی روایات کے لیے بھی برابر کا استعمال کرتے ہیں۔ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک حدیث اور اثر میں کوئی فرق نہیں ہے۔[1]

لفظ سنّت کا استعمال

حدیث اپنے عمل کے پہلو سے سنّت Sunnah کہلاتی ہے اور یہ اطلاق ہر مکتبِ فکر میں عام رہا ہے۔ سنّت کے لغوی معنی راہِ عمل کے ہیں۔ اسے واضحہ (شاہراہ) بھی کہا گیا ہے۔[2] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طریقِ عمل کے لیے خود بھی لفظ سُنّت استعمال کیا ہے۔

حضورؐ کی زبان مبارک سے

(۱) حضرت انس بن مالکؓ (۹۳ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اصوم و افطر و اصلی و ارقد و اتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی[3]

ترجمہ: میں روزے رکھتا اور چھوڑتا بھی ہوں، تہجد بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور نکاح بھی کیے ہیں۔ جو میری سنّت سے منہ پھیرے وہ مجھ سے نہیں۔

اس حدیث میں آپ نے اپنے طریق کو سنّت کے لفظ سے بیان فرمایا ہے۔ اور یہ بھی بتلایا ہے کہ سنّت اس لیے ہے کہ امت کے لیے نمونہ ہو اور وہ اسے سند سمجھیں۔ جو آپ کے طریقے سے منہ پھیرے اور اسے اپنے لیے سند نہ سمجھے وہ آپ کی جماعت میں سے نہیں ہے۔

(۲) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث الی عثمان بن مظعون فجاءہ فقال

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۳ [2] ایھا الناس قد سنت لکم السنن و فرضت لکم الفرائض و ترکتم علی الواضحۃ موطا امام مالک صفحہ ۳۴۹ کتاب الحدود۔ [3] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲

يا عثمان أرغبت عن سنتي قال لا والله يا رسول الله ولكن سنتك اطلب قال فاني انام واصلي واصوم وافطر[1]

ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو حضرت عثمان بن مظعونؓ کے بلانے کے لیئے بھیجا حضرت عثمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے کہا اے عثمان کیا تم میری سنت سے ہٹنا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں خدا کی قسم اے اللہ کے رسول بلکہ میں آپ کی سنت کا طلب گار ہوں۔ آپ نے فرمایا میں سوتا بھی ہوں اور نماز کے لیئے جاگتا ہوں۔ روزے بھی رکھتا ہوں اور انہیں چھوڑتا بھی ہوں۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال بن حارث کو فرمایا :-

من احيى سنة من سنتي قد اميتت بعدى كان له من الاجر مثل من عمل بها من غير ان ينقص من اجورهم شيئا ومن ابتدع بدعة ضلالة لا يرضاها الله ورسوله كان عليه مثل آثام من عمل بها لا ينقص ذلك من اوزار الناس شيئا۔[2]

ترجمہ۔ جس نے میری کوئی سنت زندہ کی جو میرے بعد چھوڑ دی گئی ہو تو اسے ان تمام لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اس پر عمل کریں گے۔ بغیر اس کے کہ عمل کرنیوالوں کے اجر میں کوئی کمی ہو اور جس نے کوئی غلط راہ نکالی جس پر اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی موجود نہیں تو اسے ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ ہوگا جو اس پر عمل کریں گے۔ بغیر اس کے کہ ان کے بوجھ میں کوئی کمی آئے۔

اس حدیث میں دین کی فرعی باتوں کو بھی سنت کہا ہے اور انہیں زندہ رکھنے کی تلقین کی ہے۔ دین اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور اس کے اصول ہمیشہ زندہ رہنے چاہئیں۔ ان پر کبھی موت نہیں آسکتی۔ اسلام کا تاریخ کے ہر دور میں قائم و باقی رہنا ضروری ہے اور یہی اس کی مسلسل زندگی ہے۔ ایک فرع دب گئی تو دوسری ضرور زندہ ہوگی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اصول کی تمام کڑیاں ایک ایک کرکے ٹوٹتی جائیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک فرع دبنے لگے اور اس پر عمل

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۹۳ [2] ہذا حدیث حسن۔ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۲

ترک ہو جائے۔ لیکن اسے پھر سے زندہ کرنے کا اسلام میں پورا اہتمام کیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت اسے پھر سے زندہ کرنے کی ایک بڑی بشارت ہے۔ ناممکن ہے کہ کل مسلمان کسی سنت سے ناآشنا ہیں۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

نعلم ان المسلمین کلھم لا یجھلون السنۃ [1]

ترجمہ: ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ سارے کے سارے مسلمان کبھی بھی سنت سے ناآشنا نہیں رہ سکتے۔

سنّت کے مقابل بدعت اور ہر بدعت ضلالت

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ سنت کے بالمقابل بدعت ضلالت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ایک دوسرے کے مقابلے میں ذکر فرمایا ہے۔ دونوں کے درمیان بدعت حسنہ کا کوئی درجہ ہوتا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے ضرور بیان فرما دیتے۔ آپ نے ہر بدعت کو گمراہی فرمایا ہے۔ سو بدعت حسنہ کوئی چیز نہیں۔ ورنہ یہ اس کا موقع بیان تھا۔ امت میں کوئی غلطی راہ پا جائے تو مجدّدین کرامؒ اس کے ازالہ میں کوشش فرماتے ہیں اور بات کی وضاحت کر دیتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سیدنا شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں:۔

گفتہ اند کہ بدعت بر دو نوع است حسنہ و سیئہ۔ حسنہ آں عمل نیک را گویند کہ بعد از زمان آں سرور و خلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوٰت امتہا ومن التحیات اکملہا پیدا شدہ باشد و رفع سنت نہ نماید و سیئہ آنکہ رافع سنت باشد۔ ایں فقیر در ہیچ بدعتی ازیں بدعتہا حسن و نور مشاہدہ نمے کند و جز ظلمت و کدورت احساس نمی نماید۔ اگر فرضاً عمل مبتدع را امروز بواسطۂ ضعف بصارت بطراوت و نضارت بیند۔ فردا کہ حدید البصر گردند دانند کہ جز خسارت وندامت نتیجہ نداشت ...... پس ہرگاہ ہر محدث بدعت باشد و ہر بدعت ضلالت پس معنی حسن در بدعت چہ بود و ایضاً آنچہ از احادیث مفہوم می گردد آنست کہ ہر بدعت رافع سنت است۔ تخصیص بہ بعض ندارد پس ہر بدعت سیئہ بود۔ [2]

---

[1] کتاب الأم جلد ۷ ص ۲۶۵ [2] دفتر اول ص ۱۸۶

ترجمہ۔ کہتے ہیں بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ بدعت حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدینؓ کے بعد پیدا ہوا ہو اور اس سے کوئی سنّت ختم نہ ہوتی ہو۔ اور بدعت سیئہ اس بدعت کو کہتے ہیں جس سے کسی سنت کا اٹھنا لازم آئے۔ یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حسن اور کسی قسم کی روشنی نہیں دیکھتا اور سوائے اندھیرے اور تاریکی کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ فرض کیجئے کہ بدعتی کا عمل اگر آج (دینی) نظر کی کمزوری کی وجہ سے پُر رونق اور تازہ نظر آتا ہے۔ کل جب کہ نظر تیز ہوگی۔ سوائے نقصان اور شرمندگی کے اور کچھ حاصل نہ آئے گا۔ ...... پس جب کہ (دین میں) ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ سو بدعت میں حسن کا کیا مطلب؟ اور جو کچھ احادیث سے سمجھ آتا ہے۔ یہ ہے کہ ہر بدعت کسی نہ کسی سنّت کو اُٹھانے والی ہے۔ یہ بعض بدعتوں سے مخصوص نہیں۔ سو ہر بدعت سیئہ ہے[1]۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت ضلالہ کی پہچان یہ بتلائی۔ کہ اس پر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی موجود نہ ہوگی۔ پس ہر دینی کام جس پر خدا اور اس کے رسول پاکؐ کی سند موجود نہیں۔ بدعت ضلالہ ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ سنّت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی حجت اور سند ہے۔ اور امت کو اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی سنّت ترک ہونے لگے تو اسے پھر سے زندہ کرنا بہت بڑا عمل ہے۔ جو بہت لائق اجر و ثواب ہے۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی راہِ عمل کو لفظ سنّت سے بیان کیا ہے۔ آپ ایک اور حدیث میں فرماتے ہیں:۔

(۴) ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنة نبیه[2]۔

ترجمہ۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ جب تک تم ان سے تمسک کرو گے۔ گمراہ نہ ہوگے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سُنّت۔

---

[1] مکتوبات مجدد الف ثانی ج۲ ص۱۸۶ درج ۱، مکتوب ۲۳ ج۲ ص۳۸ و ۵۴۲ ص۱۰۳ کما فی معالم السنن للخطابی جلد ۴ ص۳۰۰ [2] موطا امام مالک ص۳۶۳

اس حدیث میں بھی حضورؐ نے اپنے طریقِ عمل کو لفظ سنت سے بیان کیا ہے اور اسے اپنے بعد کے لیئے بھی حجت عمل اور سند قرار دیا ہے۔

⑤ حضرت عرباض بن ساریہؓ (۷۵ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد تم بہت سے اختلافات دیکھو گے اور لوگ نئی نئی باتیں نکال لیں گے۔

فمن ادرك ذلك منكم فعليه بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين۔ [1]

ترجمہ۔ تم میں سے جو ان حالات کو پائے اسے چاہیئے کہ میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدینؓ کی سنت کو لازم پکڑے۔

خلفاء راشدینؓ کا دور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے بعد آتا ہے۔ اور یہ دور آزمائش تو خلفاء راشدینؓ کے بھی بہت بعد کا ہے۔ پس جب اس دور میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت واجب العمل اور سند تمسک تھی۔ تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت صرف آپ کے صدر مملکت یا امیر سلطنت ہونے کی حیثیت سے نہ تھی۔ بلکہ اس لیے تھی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ خلفائے راشدینؓ کی پیروی بھی صرف ان کے منصب خلافت کی وجہ سے نہ تھی۔ بلکہ ان کے تعلق بالرسالۃ کی اساس پر تھی۔ ان کے اعمال اور فیصلوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی ہی سنک اور آپ کی بعض مجمل ہدایات کی ہی تفصیل اور تعمیل تھی۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ سنت کے اس استعمال کو صرف خلفائے راشدینؓ کے لیئے ہی خاص نہیں رکھا۔ اسے دوسرے صحابہؓ کی طرف بھی نسبت فرمایا۔

سنّت کی نسبت دوسرے صحابہؓ کی طرف

آپ کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک عمل کی اطلاع ملی۔ آپ نے اسے ان الفاظ میں پروانہ منظوری دیا۔

ان ابن مسعود سن لكم سنة فاستنوا بها۔ [2]

ترجمہ۔ بیشک ابن مسعودؓ نے تمہارے لیئے ایک سنت قائم کی ہے تم اس پر چلو۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۲ سنن ابی داؤد [2] المصنف لعبد الرزاق جلد ۲ صفحہ ۲۲۹

ایک دفعہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ایک عمل کے بارے میں فرمایا :۔

ان معاذا قد سن لکم سنة کذلك فافعلوا[1]

ترجمہ: بے شک معاذؓ نے تمہارے لیئے ایک سنت قائم کر دی ہے. اسی طرح تم اس پر عمل کرو.

اس قسم کی روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح طور پر لفظ سنّت دوسرے صحابہؓ کے لیئے استعمال کیا ہے. پھر صحابہ کرامؓ بھی اکابر صحابہؓ کے عمل وفیصلے پر سنّت کا لفظ بولتے تھے.

لفظ سنّت کا استعمال صحابہؓ کی زبان سے

صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر طور و طریق اور قول و عمل کو اپنے لیئے سنّت اور راہِ عمل سمجھتے تھے. ان کے ہاں حضورؐ کی پیروی صرف ان کے امیر سلطنت ہونے کی حیثیت سے ہوتی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے طریقِ عبادت کو اپنے لیئے سند اور سنّت نہ سمجھتے. صحابہؓ نے تو اکابر صحابہ کرامؓ کے عمل کے لیئے بھی لفظ سنّت استعمال کیا ہے.

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کی علمی شخصیتوں سے کون واقف نہیں. حضرت عمرؓ نے کوفہ میں چھاؤنی قائم کی. تو وہاں عام آبادی نے بھی جگہ پائی. پھر آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو وہاں معلم بنا کر بھیجا اور آپ نے وہاں ایک عظیم درسگاہ قائم کی. پھر حضرت علیؓ بھی اپنے عہدِ خلافت میں وہاں جا آباد ہوئے. ان دونوں حضرات کے ہاں لفظ سنّت انہی معنوں میں رائج اور مستعمل تھا.

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک موقعہ پر فرماتے ہیں :۔

ولو انکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی ھذا المتخلف لترکتم سنة نبیکم ولو ترکتم سنة نبیکم لضللتم[2]

ترجمہ: اور اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیا کرو جیسا کہ یہ پیچھے رہ جانے والا کر رہا ہے تو تم اپنے نبی کی سنّت چھوڑ دو گے اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنّت

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۷۴ [2] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۳۲

چھوڑ دی تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے عمل کے لیئے سنّت کا لفظ

حصین بن المنذر ابو ساسان (ھ) کہتے ہیں کہ جب ولید کو حد مارنے کے لیئے حضرت عثمانؓ کے پاس لایا گیا تو میں وہاں موجود تھا۔ آپ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو حکم دیا کہ ولید کو کوڑے لگائیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت حسن سے کہا کہ وہ کوڑے لگائیں۔ انہوں نے عذر کیا تو پھر آپ نے عبداللہ بن جعفرؓ سے کہا کہ وہ ولید پر حد جاری کریں۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کوڑے لگاتے جاتے تھے اور حضرت علیؓ گنتے جاتے تھے۔ جب چالیس ہوئے تو حضرت علیؓ نے فرمایا "بس یہیں تک" اور فرمایا:۔

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین و ابوبکر اربعین وعمر ثمانین وکل سنة [1]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (شراب پینے والے پر) چالیس کوڑوں کا حکم فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ بھی چالیس کوڑوں کا ہی حکم دیتے رہے۔ حضرت عمرؓ نے اسی کوڑوں کا حکم دیا اور ان میں سے ہر ایک حکم سنّت شمار ہوگا۔

اس روایت میں جہاں اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت تک حضرت علیؓ خلفائے ثلثہ کے ساتھ امور سلطنت میں برابر شریک رہتے تھے اور حضرت عمرؓ کے عمل کو سنّت تک کا درجہ دیتے تھے۔ وہاں اس بات کی بھی پوری تائید ملتی ہے کہ لفظ سنّت اس دور میں اکابر صحابہؓ کے عمل تک کو بھی شامل تھا۔

خلفائے راشدینؓ کے عمل کے لیئے سنّت کا لفظ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے بھی خلفائے راشدینؓ کے عمل پر لفظ سنّت اطلاق فرمایا ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہؓ (۷۵ھ) کی روایت آپ پڑھ آئے ہیں۔ کہ

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صے۷

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فمن ادرك ذلك منكم فعليه بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين[1]۔

ترجمہ، سو جو تم میں سے یہ زمانہ پائے اسے لازم ہے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑے۔

امت میں خلفاء راشدینؓ کے عمل کے لیئے سنت کا لفظ عام شائع و ذائع ہے اور اسے امت اپنے قانونی ابواب میں ہمیشہ سے سند تسلیم کرتی آئی ہے۔

شیعہ محدثین کے ہاں لفظ سنت

ملا محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) روایت کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من رغب عن سنتي فليس مني[2]

ترجمہ، جس نے میری سنت سے منہ پھیرا، وہ میری امت میں سے نہیں۔

شیخ صدوق ابن بابویہ القمی (۳۸۱ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا عذر لكم في ترك سنتي[3]

ترجمہ۔ میری سنت کو ترک کرنے کے لیئے تمہیں کسی عذر کا موقع نہیں۔

شیعہ علماء کے اہل سنت مسلمانوں سے اصولی اختلافات ہیں۔ حنفی شافعی کی طرح فروعی اختلاف نہیں۔ بایں ہمہ دیکھئے کہ جہاں تک حدیث اور سنت کا تعلق ہے، اس پر وہ بھی اصولی طور پر متفق ہیں۔ حدیث کی اصولی حیثیت میں اگر کوئی حقیقی اختلاف ہوتا تو یہ دونوں طبقے کبھی اس پر متفق نہ ہوتے۔ شیعہ اور سنی ہر دو طبقوں میں یہ بات مسلّم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی صرف آپ کے امیر سلطنت ہونے کی جہت سے نہ تھی۔ بلکہ آپ کی رسالت کی جہت سے تھی۔ اور آپ کا ہر قول و عمل اور منظوری آپ کے بعد بھی آپ کی امت میں بطور سنت جاری رہنی چاہیئے اسے چھوڑنے کے لیئے اسلام میں کوئی قانونی جواز نہیں ہے۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ ص ۹۲ [2] اصول کافی جلد ۲ ص ۸۵ [3] من لا یحضرہ الفقیہ ص احتجاج جلد ۲ ص ۱۰۵

لفظ سنّت کا عام استعمال

آپ دیکھ آئے ہیں کہ دورِ اوّل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیماتِ قدسیہ کو حدیث اور سنّت کے الفاظ سے بیان اور نقل کیا جاتا تھا. بیان اور نقل و روایت Transmission کا پہلو غالب ہوتا تو زیادہ تر حدیث کے لفظ سے ذکر کرتے اور عمل کی نسبت غالب ہوتی تو اسے سنّت سے تعبیر کیا جاتا اور ان ابواب میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی سے نہیں، صحابہ کرامؓ اور اہل سنّت تک کے اقوال و اعمال اور تعلیمات و روایات سے بحث ہوتی تھی۔ اسلام کے اس متوارث عمل کو پھر سنّت کہا جانے لگا صحابہؓ کے دور میں جس چیز پر بھی عمل ہو گیا وہ چیز سنّت سمجھی جانے لگی. سنّت کے لفظ سے یہ لازم نہ تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی عمل ہو ہر طریقہ مسلوکہ فی الدین کو سنّت سے تعبیر کیا جانے لگا. حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک دفعہ نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی. تو چونکہ یہ عام طریق کے خلاف تھا. اس لئے لوگوں نے اس پہ تعجب کیا. اس پر آپ نے فرمایا :-

انها من السنة [1] ترجمہ. یہ سنّت ہے. (ایک عمل ہے)

علامہ کرمانی فرماتے ہیں. یہاں سنّت سے مراد الطریقة المسلوکة فی الدین ہی ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے زمانے میں یہی تعامل سنّت کہلاتا رہا اور دین اسلام اسی انداز میں ایک متوارث شکل و صورت میں پہلوں سے پچھلوں کو پہنچتا رہا. اس وقت خیر القرون کی نسبت ہر جگہ کارفرما تھی اور یہ قدیمی راہِ عمل سنّت کہلاتی تھی۔

جب جھوٹ کا دور دورہ ہوا تو حضرت امام شافعیؒ نے تجدیدی محنت کی اور دلیل کا مدار صرف قوّت سند پر رکھا محض اعتماد کی بجائے کھلے بندوں تحقیق ہونے لگی تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ پہلے دور میں لفظ سنّت صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے لئے خاص نہ تھا. بلکہ اس سے زیادہ وسیع مفہوم میں مستعمل ہوتا تھا اور یہ دین اسلام کی ایک متوارث راہ تھی. مؤطا مالک میں بار بار یہ الفاظ ملتے ہیں "ہمارے ہاں سنّت یہ ہے" اہل مدینہ کا تعامل ان کے ہاں سنّت شمار ہوتا تھا۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۴۵۶

صرف حضرت امام مالکؒ نہیں اکابر تابعین بھی عمل متوارث کو سنت کہتے ہیں ، یہ ضروری نہ تھا کہ وہ سنت نبوی ہی ہو ، صحابہ کے فیصلے جن پر کوئی اختلاف نہ ہوا ، اسلام میں سنت متوارث سمجھے گئے ہیں ۔ افضل التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۴ھ) سے ایک مسئلہ پوچھا گیا ، آپ نے اسے سنت بتلایا ، یہ عمل حضرت زید بن ثابتؓ (۴۵ھ) سے منقول تھا ، آپ نے اسے سنت سے تعبیر کیا ہے۔[1]

حضرت معاذ بن جبلؓ (۱۸ھ) کا عمل دیکھئے محقق ابن الہمام (۸۶۱ھ) ایک روایت نقل کرتے ہیں :-

قد سن لکم معاذ فاقتدوا بہ[2]

حضرت معاذؓ نے یہ سنت قائم کی ہے اسے تم اپناؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اپنا ارشاد بھی یاد رکھیئے :-

ان ابن مسعود سن لکم سنة فاستنوا بھا۔[3]

اس میں شک نہیں کہ حضورؐ کے بعد صحابہؓ کی سنتیں اسلام کا عمل متوارث سمجھی گئیں ۔ تابعین میں اسلام متوارث یہی تھا ، اور وہ اسی کو سنت سمجھتے تھے۔

سنت اور حدیث میں فرق

سنت کا لفظ عمل متوارث پر آتا ہے اس میں نسخ کا کوئی احتمال نہیں رہتا ۔ حدیث کبھی ناسخ ہوتی ہے کبھی منسوخ ۔ مگر سنت کبھی منسوخ نہیں ہوتی ۔ سنت ہے ہی وہ جس میں توارث ہو اور تسلسل تعامل ہو ـــــ حدیث کبھی ضعیف بھی ہوتی ہے کبھی صحیح ۔ یہ صحت و ضعف کا فرق ایک علمی مرتبہ ہے ۔ ایک علمی درجے کی بات ہے بخلاف سنت کے کہ اس میں ہمیشہ عمل نمایاں رہتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے مسلک کے لحاظ سے اپنی نسبت ہمیشہ سنت کی طرف کی ہے اور اہل سنت کہلاتے ہیں ۔ حدیث کی طرف جن کی نسبت ہوئی اس سے ان کا محض ایک علمی تعارف ہوتا رہا ہے اور اس سے مراد محدثین سمجھے گئے ہیں ـــــ مسلکاً یہ حضرات اہلسنت شمار ہوتے تھے۔

---

[1] المبسوط للسرخسی جلد ۲۶ صـ ۷۹ [2] فتح القدیر جلد ۱ صـ ۱۱۱ ابوداؤد جلد ۱ صـ ۷۴ [3] المصنف لعبدالرزاق جلد ۱ صـ ۲۲۹

تاریخ حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی. اما بعد:

آج کے عنوان میں تاریخ حدیث سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کی تعلیمات اور ان کی نقل و روایت پر بحث نہیں. نہ ان کی تدوین اور ان کے قواعد زیر بحث ہیں. آج صرف یہ بتلانا ہے کہ ماخذ علم ہونے کی حیثیت سے اس کی تاریخ کب سے چلی آ رہی ہے. حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں ہو، یا اعمال میں یا آپ کے اصحاب میں، جہاں تک اسے پیچھے لے جایا سکے وہیں سے حدیث کی تاریخ شروع ہوتی ہے بیشتر اس کے کہ ہم اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے بحث کریں. مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اُمم سالفہ میں اس کی تلاش کریں کہ کیا ان ادوار میں بھی کتاب الہٰی کے ساتھ ساتھ کوئی اور ماخذ علمی کارفرما رہا ہے. یوں یہاں حدیث سے مراد تحریرات حدیث اس فن کی Documentary evidence نہیں یہ تدوین حدیث کا موضوع ہے. آج ہمیں حدیث پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی حیثیت سے غور کرنا ہے کہ ماخذ علمی کی حیثیت سے اس کی تاریخ کب سے ہے.

نبوت اور حدیث کی تاریخ

حدیث کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی بعثت انبیاء کی تاریخ ـــــ اُمتوں کو حدیث کے ذریعہ ہی آسمانی کتاب ملتی رہی اور اس امت کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے قرآن ملا. قرآن اور حدیث جمع ہوئے. تو اسلام کے اس دورِ آخر کا آغاز ہو گیا.

آنحضرتؐ پر پہلی وحی (اقرأ باسم ربك الذی خلق پ ۳۰) غارِ حرا میں آئی۔ تو آپ نے اس کی خبر ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور ورقہ بن نوفل کر دی۔ یہ حدیث کا آغاز تھا۔ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے صحیح بخاری کا آغاز اسی باب سے کیا ہے:۔

کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز کیسے ہوا۔

یہ وحی کا پہلا دن تھا اور یہی حدیث کا پہلا دن تھا۔ سو یہ بات بالکل صحیح اور تاریخی ہے کہ حدیث اور بعثت کی تاریخ ایک ہے۔ ایک ساتھ دونوں شروع ہوئیں امام بخاریؒ نے بھی اس تنبیہ فرما دی کہ جو بعثت کی تاریخ ہے وہی حدیث کا نقطۂ آغاز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اسلام کی جو تشکیل ہوئی اس کے آثار حدیث کا سرمایہ ہیں۔ یہ آثار روایت میں ہوں یا عمل میں یا آپ کے اصحاب کرام کی فکر و ادا میں۔ ہر پہلو سے ان کا مبدء تاریخ حسّی ہے اور یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ حدیث کا آغاز کسی اندھیرے میں نہیں ہوا۔ اس کے ہر پہلو میں تسلسل اور اتصال قائم ہے۔ روایت میں سند سے تسلسل پیدا ہوتا ہے اور امت میں تعامل سے سند چلتی ہے اور یہی علم الآثار ہے۔

آنحضرتؐ سے پہلے کا علم الآثار

پیغمبرانہ تاریخ میں علم الکتاب اور علم الآثار ہمیشہ سے علم کے دو ماخذ رہے ہیں قرآن کریم میں بھی ان دو کا ذکر واضح طور پر موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جو ملتیں دنیا میں موجود تھیں وہ کسی نہ کسی گذشتہ پیغمبر سے انتساب رکھتی تھیں مگر الحاد کا زہر اور تاویل کا فتنہ ان میں بہت تیزی سے سرایت کر چکا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ نے جب اپنی دعوت پیش کی اور انہیں حقیقی اسلام کی طرف بلایا تو انہوں نے اپنے موقف پر اصرار کیا اور اس سے سرکنے کیلئے کچھ بھی تیار نہ ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان کے اس موقف کی سند پوچھی اور اس میں ان دونوں

علمی ماخذ کا ذکر فرمایا کہ علم الکتاب اور علم الآثار میں سے کوئی سند بھی تمہارے پاس ہو تو اپنے عقائد و اعمال کے ثبوت میں اسے پیش کرو۔

ایتونی بکتب من قبل ھذا او اثارۃ من علم ان کنتم صٰدقین۔[1]

ترجمہ۔ لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا (علم الآثار) کوئی علم جس کے آثار TRACES پہلے سے چلے آرہے ہوں اگر تم سچے ہو۔

اس سے پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کتاب الٰہی کے علاوہ علم الآثار بھی اپنی جگہ لائق سند تھا ـــــ کتاب خداوندی کے ساتھ اگر علم الآثار لائق سند نہ ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیش کرنے کا ان سے مطالبہ نہ کرتے۔

سو یہ بات بالکل صحیح اور پختہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی دینی تعلیم میں بھی آسمانی کتاب کے ساتھ ساتھ علم الآثار کی ایک حقیقت موجود تھی۔ محدث جلیل حضرت سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

او اثارۃ من علم (قال) الروایۃ عن انبیاء علیھم السلام۔[2]

ترجمہ۔ اثارۃ من علم سے مراد انبیاء علیہم السلام سے روایت کا سلسلہ ہے۔

اس روایت عن الانبیاء کو ہی سلسلہ حدیث کہتے ہیں، اسے ہی اسناد الحدیث سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت مطر الوراق (۱۲۵ھ) کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے ارشاد اثارۃ من علم سے مراد اسناد الحدیث ہے۔[3]

معلوم ہوا کہ پہلے انبیاء کی تعلیمات میں بھی آسمانی کتابوں کے ساتھ ساتھ ان کی احادیث چلتی تھیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ نہ ان کی آسمانی کتابیں محفوظ رہیں، نہ ان کی احادیث کا سلسلہ متصل رہا۔ لیکن اس بات کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ ان کے دائرہ اثر میں ان کی حدیث بھی پہنچتی تھی۔ ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بھی نقل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا: ۔ پ۳۰ النازعات

---

[1] پ۲۶ الاحقاف ع ۱ [2] جامع بیان العلم لابن عبدالبر المالکی ص۸۳ امام تفسیر مجاہد (۱۰۰ھ) کہتے ہیں او احد یاثر علما، تفسیر مجاہد ص۵۹۳ بیروت [3] شرح السنۃ للبغوی جلد ۱ ص۲۴۵

وَھَل اتاکَ حدیث موسیٰ[1] کیا پہنچی ہے آپ تک موسیٰ کی حدیث۔

انبیاء علیہم السلام تو ایک طرف رہے۔ ان کی مجلس والوں کی بات آگے چلی تو اس کا نام بھی حدیث ٹھہرا جس سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام کے اصحاب بھی اس منزلت میں تھے کہ ان کی بات بھی حدیث ٹھہرے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

ھل اتاکَ حدیث ضیف ابراھیم[2] کیا پہنچی تم تک حدیث ابراہیم کے معزز مہمانوں کی۔

یہ صحیح ہے کہ آپ حدیث کا ترجمہ بات کر گئی لیکن آخر کس کی بات کہیں گے؛ انبیاء کی ہی ـــــ حدیث بھی تو نبی کی بات ہی کو کہا جاتا ہے یا ان کی بات کو جو براہِ راست ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے لیے اسوہ (نمونہ) کہا تھا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحابہ بھی ان کے لیے اسوہ تھے[3]۔ علم حدیث میں پیغمبر اور اس کے صحابہ دونوں کے اقوال و افعال سے ہی تو بحث ہوتی ہے۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ پہلی کتابوں کی ابدی حفاظت کی کوئی ضمانت نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ داری علماء بنی اسرائیل پر ڈالی تھی اور وہی اس کے عملی گواہ تھے۔

بما استحفظوا من کتاب اللہ وکانوا علیہ شھداء[4]۔

سو جب یہ کتابیں محفوظ نہ رہیں تو ان کی احادیث بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ کتاب الٰہی کے ساتھ اس وقت بھی علم کی ایک سند علم الآثار کے طور پر چلتی تھی اور جب بھی کوئی حق کا فیصلہ لینا ہو تو یہ سند مانگی جاتی تھی۔

ایتونی بکتٰب من قبل ھذا او اثارۃ من علم ان کنتم صدقین[5]۔

ترجمہ۔ لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا (علم الآثار) کوئی علم جس کے آثار پہلے سے چلے آرہے ہوں اگر تم سچے ہو۔

پیش نظر رہے کہ یہاں علم الآثار سے مراد آباؤ اجداد کے رسم و رواج نہیں۔ ان کی تو خود اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی ہے۔

---

[1] پ ۱۶ طٰہٰ [2] پ ۲۶ الذاریات [3] پ ۲۸ الممتحنہ ع ۱ [4] پ ۶ المائدہ [5] پ ۲۶ الاحقاف ع ۱

ہاں یہ صحیح ہے کہ اگر آباء علم و اہتداء کا نور رکھتے ہوں تو پھر ان کی پیروی کرنا غلط نہیں۔ عقل وہ نور ہے جس سے انسان مکلّف ٹھہرا اور اہتداء وہ رستہ ہے جو کسی ہادی سے متصل کرے۔ جو آباء علم و اہتداء نہیں رکھتے۔ ان کے آثار پر چلنا کسی طرح درست نہیں۔ قرآن کریم میں ہے:۔

اولو کان اٰباء ھم لا یعقلون شیئاً و لا یھتدون۔[1]

ترجمہ۔ کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں نہ راہ چلتے ہوں۔

آنحضرتؐ کی تعلیمات کے آثار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثارِ ہدایت جب الفاظ میں ——— اعمال میں ——— اور انسانی افراد میں ڈھلتے ہیں تو حدیث ——— سنّت ——— اور عمل صحابہ کہلاتے ہیں۔ حدیث کا آغاز وحی کے ساتھ ہوا۔ سنّت وحی سے قانون بنی اور صحابہ حدیث نبوی سے مقتدا ٹھہرے اور انہوں نے حضورؐ سے ہی تعلیم و تزکیہ کی دولت پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم الآثار ان تینوں وسائط سے قائم ہوا۔ آج دین اسلام انہی آثار کا نام ہے جو قرآن و حدیث اور عمل صحابہ کے نام سے امّت میں سند سمجھا جاتا ہے

فرائضِ رسالت کا قرآنی فیصلہ

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داریاں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

یتلوعلیھم اٰیاتہ ویزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ۔[2]

ترجمہ۔ آپ ان پر اس کی آیتیں پڑھیں انہیں پاک کریں اور انہیں کتاب و حکمت سکھا دیں۔

یہ حضورؐ کی تین اہم ذمہ داریوں کا بیان ہے۔

۱۔ یتلوعلیھم اٰیاتہ سے مراد حضورؐ کا امت تک قرآن پہنچانا ہے۔

۲۔ و یزکیھم سے مراد تزکیہ و تربیت سے ایک مثالی جماعت تیار کرنا ہے

---

[1] پ۲ البقرہ ع۲۱ [2] پ۴ آل عمران ع۱۷

۲۔ یعلمھم الکتاب والحکمۃ سے مراد قرآن کریم کی روشنی میں حدیث اور سنت کی تعلیم دینا ہے یہ آپ کا علم الآثار ہے۔ آپ کی تعلیمات قدسیہ افراد میں اگر کہیں نظر آئیں تو وہ صحابہ کرام ہیں اور اعمال میں ملیں تو وہ احادیث و آثار ہیں۔

روایت الفاظ سے بھی اور اعمال سے بھی۔

حضورؐ کی تعلیمات الفاظ میں بھی روایت ہوتی رہیں اور اعمال میں بھی پھیلتی رہیں آپ کے اعمال طیبہ آپ کے صحابہ پر کمال تابانی سایہ فگن تھے۔ صحابہ نے آپ سے تزکیہ کی دولت پاکر آپ کی تعلیمات کو اس طرح اپنے اندر سمو لیا کہ پوری دنیا کے لیے آسمان ہدایت کے ستارے بن چکے تھے۔ طیبہ کا چاند پوری آسمانی شان اور قوت و برہان سے چمک رہا تھا۔ نور و عرفان کی تجلیات ہر طرف جلوہ ریز تھیں اور صحابہ اسی چاند کے گرد ہالہ بنے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ تابعین کی ایک جماعت اس قدم کو لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ تابعین صحابہ کے نقش قدم پر چلے تھے اور یہ حضرات تابعین تبھی تھے کہ صحابہ متبوعین تھے۔ پہلوں کا مقتدی بنے بغیر اگلوں کا مقتدا بننا یا مقتدا بننے کی کوشش کرنا اسلام کے دین مسلسل ہونے کے خلاف ایک نئی راہ ہے۔

مبتدی کوئی ہو یا کہ ہو منتہی کہتے ہیں دوستو! ما عرفنا بھی
اس حقیقت سے واقف ہیں اہل نظر مقتدا وہ نہیں جو نہیں مقتدی

قرآن کریم نے بھی ہمیں یہ دعا سکھلائی ہے کہ ہم پہلوں کے نقش قدم پر چلیں اور بعد والوں کے لیے نقش قدم بنیں۔ قرآن کریم کا تقاضا ہے کہ پوری امت آپس میں جڑی رہے اور اس کی تمام کڑیوں میں ایک مضبوط رابطہ ہو۔ عباد الرحمٰن کی یہ دعا قرآن کریم میں اس طرح مذکور ہے۔

واجعلنا للمتقین اماما[1] اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔

اس دعا میں اس آرزو کا اظہار ہے کہ بعد میں آنے والے ہمارے نقش پا پر چلتے

---

[1] پ ۱۹ الفرقان ع ۶

آئیں اور یہ تبھی درست رہ سکتا ہے کہ ہم بھی اپنے سے پہلوں کے نقش پر رہیں۔ اس عقیدت سے وہ بصیرت پائیں کہ اگلوں کے لیئے واقعی ایک مثالی راہ بن جائیں اور مابعد کی امت اپنے ماقبل سے مسلسل رہے۔ حضرت امام بخاری نے اس آیت کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں:۔

ائمۃ نقتدی بمن قبلنا و یقتدی بنا من بعدنا۔[1]

ترجمہ۔ اے اللہ ہمیں ایسا پیشوا بنا کہ ہم تو اپنے سے پہلوں کے نقش قدم پر رہیں اور ہمارے بعد میں آنے والے ہمارے نقش پا پر چلیں۔

اس دعا میں یہ بتلایا گیا ہے کہ امت ایک مسلسل کارواں ہے۔ جس میں پچھلے آنے والوں کا پہلوں سے متصل رہنا ضروری ہے۔ اس دعا کا پہلا مصداق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے۔ ان کا دین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلسل تھا اور آئندہ آنے والوں کے لیئے سند تھا اور انہی سے اسلام کی شاہراہ مسلسل قائم ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بتلا دیا تھا:۔

ان الناس تبع لکم۔[2] ترجمہ۔ بیشک لوگ تمہارے پیچھے چلیں گے۔

آپ اپنے صحابہ کرام کو یہ بتلا رہے تھے۔ کہ تمہارے اعمال کے ذریعہ میری بات آگے چلے گی۔ قرآن کریم نے یعلمھم الکتاب والحکمۃ کہہ کر صحابہ کو علم کی سند دی تو واجعلنا للمتقین اماما کہکر اسے عملاً آستار بنا دیا۔ امت مسلمہ کی یہ دعا اقتداء اسی علم الآستار کا محور ہے۔ ان الناس تبع لکم اسی کی نبوی تفسیر ہے۔ الفاظ سے سند لینا چنداں مشکل نہیں۔ مگر تعامل میں اس کی تلاش بے شک ایک بڑی کاوش ہے۔

جب تک دین کے لیئے ہمتیں بیدار رہیں دین اعمال سے پھیلتا رہا اور امت میں تسلسل رہا۔ ہر طرف خیر رہی۔ طولاً عرضاً اتحاد رہا۔ امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمرؓ نے صحابہ کو ان کی اس حیثیت سے پوری طرح خبردار کر دیا تھا۔ آپ نے انہیں ان الفاظ میں اس طرف متوجہ فرمایا:۔

انکم ایھا الرھط ائمۃ یقتدی بکم الناس۔[3]

---

[1] صحیح البخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۱ [2] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۸۹ [3] موطا امام مالک صفحہ ۱۳۲ کتاب الحج۔

ترجمہ۔ اے لوگو! تم ائمہ کرام ہو۔ لوگ تمہاری اقتدار کو آئیں گے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۵۵ ھ) نے ایک سوال کے جواب میں اپنی (جماعت صحابہ کی) اس قائدانہ حیثیت کا علی الاعلان اظہار فرمایا۔

انا ائمۃ یقتدی بنا[۱] ہم صحابہ پیشوا ہیں ہماری اقتدا آگے چلے گی۔

تاریخ گواہ ہے کہ جو لوگ اس مقدس قافلے کے پیچھے چلتے آئے، تابعین کہلائے والذین اتبعوھم باحسان[۲] کے باعث انہیں بھی رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ کا تمغہ ملا۔

حضرت امام مالکؒ سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز (۱۰۱ ھ) سے روایت کرتے ہیں :۔

سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ولاۃ الامر من بعدہ سننا الاخذ بھا اعتصام بکتاب اللہ و قوۃ علی دین اللہ لیس لاحد تبدیلھا و لا تغییرھا و لا النظر فی امر خالفھا۔ من اھتدی بھا فھو المھتدی و من استنصر بھا فھو المنصور و من ترکھا و اتبع غیر سبیل المؤمنین ولاہ اللہ ما تولی واصلاہ جھنم وساءت مصیرا[۳]

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد کے ولاۃ الامر نے ان سنتوں کو قائم فرمایا جنہیں لینا اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامنا ہے اور یہ اللہ کے دین کی قوت ہے کسی کو اس کے بدلنے اور اس میں ترمیم کرنے کا حق نہیں اور نہ اس کے برعکس کسی اور طرف دھیان کرنے کا حق ہے۔ جس نے ان سنتوں سے ہدایت ڈھونڈی اس نے ہدایت پالی اور جس نے ان سے نصرت چاہی وہ نصرت پا گیا اور جس نے انہیں نظر انداز کر دیا اور ان مومنین کے سوا کسی اور راہ پر چلا۔ اللہ تعالیٰ اسے اسی طرف پھیر دیتے ہیں جدھر وہ پھرا اور اسے جہنم میں پہنچا دیتے ہیں اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔

---

[۱] المصنف لعبدالرزاق جلد ۲ صفحہ ۲۶۷ [۲] پ التوبہ [۳] جامع العلوم والحکم لابن رجب الحنبلی صفحہ ۲۳۲

حضرت عباد بن عباد الخواص الشامی (ھ) دین مسلسل کی ترتیب یوں ذکر فرماتے ہیں۔

كان القرآن امام رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم اماماً لاصحابه وكان اصحابه ائمة لمن بعدهم۔[1]

ترجمہ۔ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امام تھا اور حضورؐ صحابہ کے امام تھے اور آپ کے صحابہ بعد میں آنے والے لوگوں کے امام ہیں۔

یہ امامت مسلسل تبھی رہ سکتی ہے کہ اگلے پچھلوں کے پیچھے چلیں اور ان کے بعد آنے والے پھر ان کے پیچھے چلیں۔ صحابہ کے بعد ائمہ دین بھی اگلے آنے والوں کے پیشوا اور مقتدا ہیں اور امت مجتہدین کی اقتدار اور پیروی سے ہی اپنے تسلسل میں آگے چلتی رہی ہے۔

حضرت امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) ایک موقع پر ذکر فرماتے ہیں:

كنا قبل اليوم نضحك ونلعب اما اذا صرنا ائمة يقتدى بنا فلا نرى ان يسعنا ذلك وينبغي ان نتحفظ۔[2]

ترجمہ۔ پہلے تو ہمارا وقت کھیل کود میں گزرا لیکن جب ہم امام بن گئے اور ہماری پیروی کی جانے لگی تو ہمارے لیے اب یہ زیبا نہیں اور ہمیں چاہیئے کہ ہم بچ کر رہیں۔

اس بیان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس وقت امت میں ائمہ دین کی پیروی جاری ہو چکی تھی۔ اس کا ائمہ کو بھی علم تھا اور اس سے وہ اپنے علم وعمل میں اور محتاط ہو کر چلتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیروی صرف صحابہ کی ہی نہیں ان کے بعد آنے والے علماء وقت بھی لوگوں کا مرجع اور ان کے پیشوا ہیں۔ حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کا مسلک اس باب میں کیا تھا اسے اس جزئیہ میں دیکھئے۔

الاجتماع بكرة بعد صلوٰة الصبح لقراءة القرآن بدعة ما كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا العلماء بعدهم على هذا۔[3]

---

[1] سنن دارمی جلد ۱ ص ۱۶۰ [2] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۱۱۹ [3] جامع العلوم والحکم ص ۳۰۲

ترجمہ صبح کی نماز کے بعد مخصوص اجتماعی شکل میں قرآن پڑھنا ایک نئی راہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور بعد کے علماء کا یہ طریقہ نہ تھا۔

اس وقت یہاں ہمیں اس مسئلے سے بحث نہیں ہے صرف یہ بتلانا پیش نظر ہے کہ صحابہ کے بعد اس وقت کے اعیان علم کا عمل بھی اگلے آنے والوں کے لیے توجہ کے لائق ہے اور جو بات اس دین مسلسل میں نہیں ملتی وہ دین نہیں ہے۔

علم الآثار اور علم الکتاب

قرآن کریم نے دینی علم کا مآخذ (۱) علم الکتاب اور (۲) علم الآثار ٹھہرائے ہیں۔ ان دو کا آپس میں ربط کیا ہے؟ علم الآثار کی علم الکتاب سے کیا نسبت ہے؟ اور علم الآثار کی اپنی کیا حیثیت ہے۔ اس سلسلہ میں پیش نظر ہے کہ ان میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

مادی ظلمتوں سے کتاب اللہ کا نور نکھرتا ہے تو علم الآثار علم الکتاب کی اس طرح حفاظت کرتا ہے کہ اس کا کوئی پہلو اپنے معنی مراد سے دور نہیں کیا جاسکتا۔ جونہی کسی نے کتاب اللہ کے معنی و مراد کو بدلنے کی کوشش کی علم الآثار نے ہزنادیل باطل کو تارتار کر دیا۔ جس طرح فضائی فوج Air Force بری فوج Military پر حفاظت کا سایہ رکھتی ہے مجال ہے کہ دشمن کی فضائیہ اس پر اوپر سے حملہ آور ہو۔ اس طرح علم الآثار علم الکتاب کی حفاظت کرتا ہے۔ مجال ہے کہ علم الآثار کے ہوتے ہوئے علم الکتاب سے اس کی مرادات چھینی جاسکیں۔ علم الآثار سے علم الکتاب کے نہ صرف معنی ومفہوم کی وضاحت ہوتی ہے۔ بلکہ قرآن کے عمومات کی تخصیص اور مجملات کی تفصیل بھی اس سے ملتی ہے اور علم الآثار کے بغیر علم الکتاب کے عملی خاکے میں رنگ نہیں آتا۔

اثر عربی میں نقش قدم foot-print کو کہتے ہیں۔ آثار اس کی جمع ہے پیغمبروں کے نقش قدم پر ان کے صحابہ چلے اور اپنے نقش پا تابعین کے لیے چھوڑے۔ انہوں نے ان سے زندگی کی عملی راہ پائی۔ ان رابطوں سے جو علم مرتب ہوا وہی علم الآثار ہے۔ پیغمبرانہ تاریخ میں علم کے یہی دو مآخذ تھے۔ جن کی پیروی ہدایت الٰہی سمجھی جاتی تھی اور انہی مآخذوں

کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفین سے مطالبہ کیا تھا۔

ایتونی بکتٰب من قبل ھٰذا او اثٰرۃ من علم ان کنتم صٰدقین۔[1]

ان تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ تاریخ حدیث تاریخ نبوت کے ساتھ ساتھ چلتی رہی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور رسالت کی بھی ایک ہی وقت سے ابتدار ہوئی۔ گو علم الٰہی اور تربیّت الٰہی میں آپ بہت پہلے سے نبی تھے۔ امام بخاری نے الجامع الصحیح المسند کے آغاز میں جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ وحی کی ابتدار اور حدیث کا آغاز ایک وقت سے ہے۔ حدیث کے معنی زبانی بات کے ہیں حیوان ناطق کی تاریخ میں اظہار خیال کا اوّلین ذریعہ یہی نطق و بیان تھا اور اسی سے انسان اپنے ابنائے جنس میں ممتاز ہوا اور حیوان ناطق نام پایا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور بولنا سکھایا۔

خلق الانسان علمہ البیان۔[2] پیدا کیا انسان کو اور سکھایا اُسے بولنا۔

انسانی تاریخ میں علم کا فطری ذریعہ حدیث (زبانی بات) تھی تو دین فطرت میں بھی علم کا ذریعہ حدیث (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات) ہی قرار پائی۔ اسی سے قرآن کریم کا تعارف ہوا اور اسی سے دور اوّل کے معیاری انسانوں نے تزکیہ و ترتیب کی دولت پائی۔ حدیث نہ ہوتی تو نہ قرآن سمجھ میں آتا نہ جماعت صحابہ تیار ہوتی۔

حدیث کی زبانی روایت

علم حدیث زندہ انسانوں سے زندہ انسانوں تک منتقل ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر تاریخی خطبہ دیا اور بہت سے احکام ارشاد فرمائے۔ امت کو ایک دستور زندگی دیا۔

فلیبلغ الشاھد الغائب۔[3] ترجمہ۔ جو حاضر ہے وہ اسے غائب تک پہنچا دے۔

اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا کہ آپ کی یہ حدیث آج صرف

---

[1] پ ۲۶ الاحقاف ع ۱ [2] پ ۲۷ الرحمٰن ع ۱ [3] صحیح مسلم جلد ۲ صنہ ۶

اسی اجتماع کے لیئے نہیں۔ یہ کل انسانوں کے لیئے راہِ ہدایت ہے جو آج موجود ہیں۔ اور سُن رہے ہیں وہ ان باتوں کو دوسروں تک پہنچا دیں۔ سو ان احکام کی تبلیغ صرف میدان عرفات کے حاضرین اور غائبین تک محدُود نہ رہی۔ بلکہ ہر مجلس علم کا شاہد اسے اس مجلس کے غائب تک پہنچانے کا ذمہ دار ٹھہرا۔ حجۃ الوداع کا یہ خطبہ آخری الہٰی رہنما کا آخری دینی چارٹر تھا اور اس کا آخری پیغام روایت حدیث کی ہی تاکید تھی۔ سلسلہ روایت کو آگے جاری رکھنا یہ اسلامی زندگی کا منشور ٹھہرا۔ چنانچہ یہ سلسلہ پُوری محنت و خلوص اور شوق و محبت سے جاری رہا اور حدیث اپنی تاریخ میں ہمیشہ زندہ انسانوں میں روایت ہوتی رہی۔ اور زندہ انسانوں سے زندہ انسانوں تک منتقل ہوتی رہی۔ یہ صحیح ہے کہ محدثین اپنی یادداشت کے لیئے تحریرات سے بھی مدد لیتے تھے۔ لیکن حدیث پھر بھی صیغۂ تحدیث سے ہی آگے روایت ہوتی تھی۔ تحریرات بھی ہوں تو اُن کے آخر تصدیقات ثبت ہوتیں۔ علم حدیث کے یہ اسناد آج تک مسلسل چلے آرہے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی سند زندہ اساتذہ کے واسطوں سے مؤلفین کتب حدیث تک اور پھر ان محدثین کے واسطہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام تک پہنچائی ہے۔ اور اب تک روایت حدیث کی یہ اجازت برابر چلی آتی ہے۔

علم الآثار کے درس و مذاکرات

اس زمانے میں جب کہ علم کتابوں اور تحریروں میں مدون ہوگیا ہے۔ زبانی بات چیت کی سند و نقل transmission بہت کم رہ گئی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ زبانی بات چیت کی اصُولی حیثیت باقی نہیں رہی۔ یہ حقیقت ہے کہ بیان واقعات میں اوّلین درجہ زبانی بات کا ہی ہے۔ پھر ضرورت اور تقاضے کے مطابق اسے تحریر کا لباس پہنا دیا جاتا ہے۔ تحریر بمقابلہ تقریر ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ کوئی صاحب علم انسان کی تعریف حیوان ناطق کے بجائے حیوان ادیب ہرگز پسند نہ کریں گے۔ علم میں جو پختگی آمنے سامنے

کے درس و تدریس اور زبانی مذاکرات سے آتی ہے وہ تحریر کی راہ سے نہیں آتی تحریر کی غلطی پر صاحب تحریر کو بعض اوقات برسوں تک پتہ نہیں چلتا۔

یہی وجہ ہے کہ اس امت میں علم ہمیشہ انہی علماء کا پختہ سمجھا گیا جو زندہ علماء کے سامنے بیٹھ کر اور علماء کی مسندوں میں شریک ہو کر اکتساب علم کرتے رہے ہیں۔ حیوان ادیب کتنا ہی بڑھ جائے حیوان ناطق کے برابر نہیں ہو سکتا۔ تحریر ہمیشہ دوسرے درجے کا علمی فائدہ بخشتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ تحریری نقوش میں تغیر و تبدل اور مغالطہ اس سرعت سے نہیں آتا جتنا زبانی بات چیت میں آسکتا ہے۔ لیکن اس مشکل کا حل تحقیق واقعات میں صدق و دیانت اور نقل و روایت کے ضابطوں کی پابندی ہے نہ کہ زبانی بات کے اصولی وزن کو ہی گرا دیا جائے اور حیوان ادیب کے گرد ڈیرے ڈال دیئے جائیں لٹریچر زبانی تعلیم و تعلم کے ساتھ ساتھ رہے اور معاون کے درجے میں رہے تو اس سے بیشک ہزاروں فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

یاد رکھیئے کہ نقل واقعات میں سب سے اونچا درجہ شہادت کا ہے۔ جس سے عدالتیں فصل خصومات اور مقدموں کے فیصلے کرتی ہیں اور انسانی حقوق کے فیصلے کیئے جاتے ہیں۔ وہاں اصولی حیثیت زبانی بیان کی ہوتی ہے۔ کوئی تحریر پیش ہو تو اس پر بھی زبانی شہادت گزاری جاتی ہے۔ کسی عدالتی فیصلے میں صدر مملکت کا بیان بھی مطلوب ہو تو اسے بھی اصالۃً خود حاضر ہونا پڑتا ہے اور اس کی کوئی تحریر یا خط اس سلسلے میں کافی نہیں سمجھے جاتے۔ تحریر کا درجہ تاریخ انسانی میں تقریر سے ہمیشہ سے دوسرا رہا ہے۔

علم کتاب سے پہلے زبانی پیمانوں میں

آج جب علم مدون ہو چکا ہے اور تحقیقی مسائل میں ہماری نظریں ہمیشہ کتابوں کے گرد گھومتی ہیں تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ تدوین علم سے پہلے کے ادوار علم سے خالی تھے تدوین علم کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ علم پہلے سے چلا آ رہا تھا۔ جس کی کتابی صورت اس

تدوینِ علم سے شروع ہوئی۔ پس یہ بات کہ حدیث کے معنی زبانی بات کے ہیں، اس کی تاریخی حیثیت اور اعتماد میں حارج نہیں۔ حدیث کی زبانی نقل و روایت حدیث کی تاریخ میں سنگِ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ قرآن کریم کا پیرایہ اوّل بھی زبانی تھا۔ اس نے تحریر کی صورت بعد میں اختیار کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے لکھواتے رہتے اور اس کے مختلف اجزاء حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں یکجا کتابی صورت میں جمع ہوئے۔ اسی طرح حدیث کا پیرایہ اوّل بھی زبانی تھا۔ صحابہ کی تحریرات محض اجزاء کی شکل میں تھیں۔ پھر اس کی باقاعدہ تدوین ہوئی اور یہ علم کتابوں میں منتقل ہوا اور پھر یہ وقت آیا کہ ان تحریرات documents of hadith کو حدیث کہا جانے لگا۔ یہ دورِ آخر کی اصطلاح ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر علم کی ابتداء پہلے زبانی نقل و بیان کی ہوتی ہے۔ پھر کہیں اسے تحریر میں لایا جاتا ہے۔

نقل و روایت میں عربوں کا قومی مزاج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بہت پہلے اللہ تعالیٰ نے نقل روایت اور پچھلی باتوں کو آگے نقل کرنا عربوں کے قومی مزاج میں داخل کر رکھا تھا۔ قومی برتری کے احساس تفوق، شعر و سخن کی دلدادگی اور انساب و قبائل کے تذکروں کی وجہ سے اس زبانی بیانِ علم اور ضبط روایت کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ جب عرب اسلام میں داخل ہوئے تو نقل روایت کا وہ قدیم تاریخی اہتمام اپنے آقا کی تعلیمات قدسیہ کی نقل و روایت میں جذب ہوگیا اور روایات کے حفظ و ضبط میں یہ فطری محنت اس وقت تک بڑی آب و تاب سے قائم رہی۔ جب تک تحریرات حدیث باقاعدہ تدوین کے دور میں داخل نہ ہوگئیں۔ پہلے پیغمبروں کا علم الآثار ان پیغمبروں سے کچھ آگے چلا۔ لیکن حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار رسالت اپنی کامل ترین صورت میں دنیا میں پھیلے اور آگے بڑھے اور تاریخ کے ہر دور میں انسانی زندگی کو روشنی بخشتے رہے۔ پہلے پیغمبروں سے اُن کی شریعت کی ابدی حفاظت کا وعدہ نہ تھا۔ کیوں کہ نیا پیغمبر

انہیں نئے سرے سے الٰہی قانون بتلا سکتا تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی نے نہ آنا تھا۔ اس لیئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کی ابدی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔

دربارِ رسالت میں حدیث کا فیضان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی حدیث کا موضوع تھی اور آپ کی ہر مجلس سے حدیث کا فیضان جاری تھا۔ اُٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے سوتے جاگتے آپ کی ہر ادا امت کے لیئے اُسوہ اور نمونہ تھی اور آپ کے ہر ارشاد و ہدایت سے صحابہ کو زندگی کا درس ملتا تھا۔ مرد بھی اس فیضانِ حدیث سے جھولیاں بھرتے اور عورتیں بھی دربارِ رسالت سے حدیث کا درس لیتی تھیں۔

عورتوں میں حدیث کی روایت

حضرت ابو سعید خدری (۷۴ھ) کہتے ہیں کہ ایک خاتون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا۔

ذهب الرجال بحديثك فاجعل لنا من نفسك يوماً نأتيك فيه تعلمنا مما علمك الله۔ صحیح بخاری جلد نہم۔ صـ۲۴۹ مصر جلد ۲ صـ ۱۰۸۷ دہلی

ترجمہ۔ مرد تو آپ کی حدیثیں لے جاتے ہیں آپ ہمارے لیئے بھی کوئی دن مقرر کر دیں ہم آپ کے پاس آئیں اور آپ ہمیں پڑھا دیں۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح صحابہ کرام دربارِ رسالت سے فیض پاتے رہے، صحابیات بھی اسی ذوقِ ایمانی سے حدیث کی طلب گار ہوتی تھیں۔ (۲) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں مردوں اور عورتوں کی تعلیم مخلوط نہیں۔ ورنہ ان کے لیئے علیحدہ دن مقرر کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ (۳) اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عہدِ اول میں ہی عورتوں میں نقلِ روایت کا سلسلہ قائم ہو چکا تھا۔ ان دنوں عورتوں تک کو یہ بات معلوم تھی کہ حدیث کا سرچشمہ بھی تعلیم الٰہی ہے۔

بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح علم دین رجال امت میں سند سے جاری ہوا، عورتوں میں بھی حدیث کی روایت اسی قوتِ علم اور اہتمام عمل سے جاری ہوئی اور آج تک خواتین امت میں دین کی یہ محنت کسی نہ کسی صورت میں چلی آرہی ہے۔

حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مرکزی کردار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح بیرونی زندگی Public life، امت کے لیۓ اسوۂ حسنہ تھی، اسی طرح آپ کے گھر کی زندگی private life بھی امت کے لیۓ لازمی مشعلِ ہدایت تھی۔ سو حکمتِ الٰہی میں تقاضا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں حفظِ روایت اور ثقاہت علم کے ایسے حالات پیدا کیۓ جائیں کہ آپ کے گھر کی زندگی بھی پوری امت کے سامنے روشن ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عظیم خدمت کے لیۓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا انتخاب ہوا اور وہ نہایت کم عمری میں ام المومنین کی منزلتِ رفیعہ پر مسند نشین ہوئیں۔ اس عمر میں ان کا حرم نبوی میں آنا اسی خدمتِ حدیث اور حفظِ روایت کے لیۓ تھا۔ آپ سے جہاں صحابہ کرام کے جمِ غفیر نے علم کی دولت لی۔ حضرت عمرہ (۱۰۳ھ) روایتِ حدیث میں آپ کی جانشین ٹھہریں۔

حدیث کے تین علمی مراکز

(۱) حجاز (۲) عراق (۳) شام

حجاز ـــــ مرکز اسلام مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اسی سرزمین میں ہیں۔ آیاتِ الٰہی اور فرامینِ نبوی سب سے پہلے اسی سرزمین میں اُترے۔ مدینہ منورہ کی سب سے بڑی درسگاہ حضرت امام مالکؒ کا حلقۂ درس تھا۔ مکہ مکرمہ میں بھی بڑے علمی حلقے تھے۔

عراق ـــــ حضرت عمرؓ کے وقت میں کوفہ اسلامی چھاؤنی بنا۔ بڑے بڑے فضلاء صحابہؓ وہاں آباد ہوئے۔ امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) اور امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) کی درسگاہیں اسی سرزمین میں، امام نوویؒ کوفہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ دار الفضل ومحل الفضلاء۔ (شرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۸۵)

شام ــــــ یہ سرزمین جلیل القدر صحابی حضرت ابو الدرداء (۳۲ھ) کا مرکز درس بھی، بلند پایہ فقیہ حضرت امیر معاویہؓ کا مرکز حکومت بھی یہی علاقہ تھا۔ امام اوزاعی (۱۵۷ھ) اس علاقے کے بڑے مجتہد تھے۔ برسوں ان دیار میں ان کی تقلید جاری رہی۔

پہلی قوموں کو پہلے انبیاء سے علم کتاب اور علم آثار۔ ذرا ماخذ نہ ملے ہوتے تو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ان قوموں کی گمراہی ان لفظوں میں بیان نہ کرتے:۔

انهم کذبوا علی انبیاءهم کما حرفوا کتابهم۔ (رواہ احمد عن معاذ بن جبلؓ)

ترجمہ۔ انہوں نے جیسا کہ اپنی الہامی کتابوں کو بدلا۔ اپنے انبیاء پر بھی وہ باتیں لگائیں جو انہوں نے نہ کہی تھیں۔

اس حدیث میں پہلے انہیں اللہ کی کتاب بدلنے کا مجرم بتلایا ہے پھر انہیں احادیث بدلنے اور موضوع روایات کو پیغمبروں کے نام سے بیان کرنے کا قصور وار ٹھہرایا ہے ــــ یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ پہلے پیغمبروں کی صحیح احادیث ان قوموں کے لیئے حجت ہوں۔ اور ان نفوس قدسیہ کے نام سے غلط باتیں وضع کرنا حرام ہو۔ محدثین اسی لیئے احادیث کی چھان بین کرتے ہیں۔ تاکہ پیغمبروں کے نام سے کوئی غلط بات راہ نہ پائے۔

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی صراط مستقیم کی تشخیص یہی رہی کہ اس کی اساس اللہ کی آیات اور پیغمبروں کی ذات پر ہو ــــ پیغمبر کی ذات کو نکال دینے سے وہ صراط مستقیم ہی کیا رہے گا۔

وکیف تکفرون وانتم تتلی علیکم ایات اللہ وفیکم رسولہٗ ومن یعتصم باللہ فقد هدی الی صراط مستقیم (پ۴ آل عمران آیت ۱۰۱)

ترجمہ۔ اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو جب کہ تم میں (۱) اللہ کی آیات بھی تلاوت کی جارہی ہیں اور (۲) تم میں اللہ کے رسول بھی موجود ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کا سہارا لے گا وہ صراط مستقیم پا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی تعلیمات کا بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لیئے موجود ہونا حضورؐ کے وجود باجود کا ہی فیض ہے۔

جب تک اللہ کی کتاب سے تمسک رہے اور حضورؐ کی تعلیمات پر عمل ہو انسان کبھی کفر کی سرحد پر نہیں آتا۔ وہ کتاب و سنت سے صراطِ مستقیم کی دولت پا چکا ہوتا ہے۔

آیات و رُسل میں سے کسی کا انکار نہ ہو

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کافروں کے کفر کی ایک یہ وجہ بیان فرمائی ہے:۔

ذٰلِکَ جزاءھم جھنم بما کفروا واتخذوا اٰیاتی ورسلی ھزوا۔ (پ ۱۶ الکھف ع ۱۲)

ترجمہ۔ یہ بدلہ ان کا ہے جہنم، اس پر کہ وہ منکر ہوئے اور ٹھہرایا ① میری آیتوں کو اور ② میرے رسولوں کو ٹھٹھا۔

ان کا جرم صرف انکارِ رسالت ہو تو اتنی بات کافی تھی کہ وہ وحیِ خداوندی سے استہزاء کرتے تھے۔ یہ جو فرمایا کہ انہوں نے رسولوں سے بھی استہزاء کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی وحی اور رسولوں کی باتیں شروع سے مدارِ ایمان رہی ہیں اور کافران دونوں سے استہزاء کرتے رہے ہیں۔ بنی نوعِ انسان سے شروع سے یہ مطالبہ رہا ہے کہ وہ وحیِ خداوندی کے ساتھ رسولوں کی باتیں بھی اپنائیں کسی کا انکار نہ کریں۔ رسولوں کو وحیِ خداوندی سے کسی طرح جدا نہیں کیا جا سکتا۔ حدیثِ رسول اسی وقت سے حجت چلی آرہی ہے جب سے انسان وحیِ خداوندی سے متعارف ہوا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ تصدیقِ رسول تصدیقِ آیات پر بھی مقدم ہے۔ جب تک رسول کی تصدیق نہ ہو، اس کے بیان پر آیاتِ الٰہی کو آیاتِ الٰہی نہیں مانا جا سکتا امتیں پیغمبر کو پہلے مانتی رہی ہیں اور پھر اس کے کہنے پر ہر اس بات کو تسلیم کرتی رہی ہیں جو وہ خدا کی طرف سے لاتے رہے۔ وکفیٰ بہ تدوۃ فی ھذا الباب۔

ہاں درجے میں کتابِ الٰہی اول ہے اور حدیث اسلام کا دوسرا علمی ماخذ ہے لیکن تاریخ کے پہلو سے حدیث پہلے اور کتابِ الٰہی بعد میں ہے۔ سورۂ کہف کی اس آیت میں درجے کا لحاظ رکھا گیا ہے اور آیات کو رسل پر مقدم کیا گیا ہے۔

انبیاء سابقین کا اللہ تعالیٰ سے شرفِ ہمکلامی

قرآن کریم میں متعدد ایسے شواہد ملتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے کتب وصحائف کے علاوہ

بھی انبیاء سابقین سے کلام فرمایا ہے۔ یہ ہمکلامی ان کے صحیفوں یا کتابوں تک محدود نہ تھی بمبدٔ فیض سے ان کی اپنی رہنمائی کے لیے بھی انوار آتے تھے۔ کتب حدیث میں بھی ایسے وقائع موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ پچھلے نبیوں سے ہمکلام ہوتے ——ہمیں اس باب کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ حضورؐ کو ان خبروں کا کیسے پتہ چلا یہ آپ خود سوچیں —— یہ حضورؐ کی بھی وحی غیر متلو ہے۔

① حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی

عن انس بن مالکؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اوحی اللہ تعالیٰ الیٰ آدم علیہ السلام ان یا آدم حج ھذا البیت قبل ان یحدث بک حدث الموت ..... الحدیث۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کی طرف وحی کی اور حج بیت اللہ شریف کا حکم دیا فرمایا اس گھر کا قصد کریں بیشتر اس کے کہ تمہارا آخری وقت ہو۔

② حضرت ابراہیمؑ کی طرف وحی

اوحی اللہ تعالیٰ الیٰ ابراھیم خلیلی حسن خلقک ولو مع الکفار تدخل مداخل الابرار فان کلمتی سبقت لمن حسن خلقہ ان اظلہ فی عرشی وان اسکنہ حظیرۃ قدسی وان ادنیہ من جواری۔[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی طرف وحی کی کہ اخلاق اچھے رکھنا خواہ کفار سے ہی معاملہ کیوں نہ ہو تم اس طرح نیک لوگوں میں شمار پاؤ گے میری بات طے ہو چکی کہ جس کا اخلاق اچھا ہو گا اسے میں اپنے عرش تلے سایہ دوں گا اپنے حظیرۂ قدس میں اسے رہنے کی جگہ دوں گا اور اپنے قرب میں اسے قریب کروں گا۔

---

[1] الترغیب جلد ۲ صفحہ ۱۶۵ [2] جامع صغیر جلد ۱ صفحہ ۹۱ عن ابی ہریرۃؓ

③ حضرت داؤدؑ کی طرف وحی

اوحی اللہ تعالیٰ الیٰ داؤد ما من عبد یعتصم بی دون خلقی اعرف ذلک من نیتہ فتکیدہ السموات بمن فیھا الا جعلت لہ من بین ذلک مخرجاً وما من عبد یعتصم بمخلوق دونی اعرف ذلک من نیتہ الا قطعت اسباب السماء بین یدیہ۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد کی طرف وحی کی جو شخص میری مخلوق کا نہیں میرا سہارا لے یہ بات مجھے اسکی نیت سے معلوم ہو اسے تمام آسمان کیوں نہ اپنے چکر میں لے آئیں پھر بھی میں اس کے نکلنے کی راہ بنا دونگا اور جو شخص مجھے چھوڑ کر میری مخلوق کا سہارا لے یہ بات مجھے اس کی نیت سے معلوم ہو میں آسمان کے تمام ذرائع اس کے آگے سے قطع کر دیتا ہوں۔

④ حضرت یحییٰؑ کی طرف وحی

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ اوحیٰ الیٰ یحییٰ بن زکریا علیھما السلام بخمس کلمات ان یعمل بھن ویامر بنی اسرائیل ان یعملوا بھن ۔۔۔۔ الحدیث رواہ الترمذی۔[2]

ترجمہ۔ حضورؐ نے بتایا اللہ تعالیٰ نے یحییٰ کی طرف وحی کی۔ پانچ باتیں ہیں جن پر وہ عمل کریں اور بنو اسرائیل کو بھی ان پانچ باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیں۔۔۔۔

⑤ حضرت عیسیٰؑ کی طرف وحی

عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال سمعت ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ عزوجل قال یا عیسیٰ انی باعث من بعدک امۃ ان اصابھم ما یحبون حمدوا اللہ وان اصابھم ما یکرھون احتسبوا وصبروا ولا حلم ولا علم فقال یا رب کیف یکون ھذا قال اعطیھم حلمی وعلمی ۔۔۔ رواہ الحاکم۔[3]

---

[1] جامع صغیر جلد ا صفحہ ۹۱ [2] الترغیب جلد ۲ صفحہ ۱۲، صفحہ ۳۹۵ [3] الترغیب جلد ۴ صفحہ ۲۷۸

ترجمہ۔ حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ میں نے حضور سے سنا آپ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہا میں تمہارے بعد ایک امت اٹھاؤں گا جسے وہ کچھ ملے جو وہ چاہتے ہیں تو وہ اللہ کی حمد کریں گے اور اگر انہیں ناپسندیدہ حالات پیش آئیں تو وہ اسے اپنے اعمال پر شمار کریں گے اور صبر کریں گے۔ نہ ان کی برداشت ہوگی اور نہ ان کا کوئی علم ہے۔ آپ نے کہا۔ اے اللہ! ایسا کس طرح ہو گا۔ فرمایا میں ان پر اپنا حلم اور اپنا علم اتار دوں گا۔

(۶) ایک اور پیغمبر کی طرف وحی

عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال نزل نبی من الانبیاء تحت شجرۃ فلدغتہ نملۃ فامر بجھازۃ فاخرج من تحتھا ثم امربھا فاحرقت فاوحی اللہ الیہ فھلا نملۃ واحدۃ۔[1]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک دفعہ ایک پیغمبر ایک درخت تلے اترا۔ وہاں اسے ایک چیونٹی نے کاٹا۔ اس نے درخت سے سامان لینے کا حکم دیا۔ وہ اس کے تلے سے نکالی گئی۔ پھر اسے جلا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نبی کی طرف وحی کی ایک چیونٹی کو تم برداشت نہ کر پائے۔

(۷) اوحی اللہ تعالیٰ الیٰ نبی من الانبیاء ان قل لفلان العابد اما زھدک فی الدنیا فتعجلت راحۃ نفسک و اما انقطاعک الی فتعززت بی فماذا عملت فیمالی علیک قال یارب وماذا لک علی و قال ھل عادیت فی عدوا او ھل والیت فی ولیا۔[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر کو وحی کی۔ فرمایا۔ فلاں عابد سے کہو تیرا دنیا سے کنارہ کش رہنا سو اس میں تو تجھے جلدی آرام مل گیا۔ تیرے میری طرف یکسو رہنے سے تجھے وقار ملا۔ میرا جو تجھ پر حق تھا اس کے لیے تو نے کیا کیا؟ اس نے کہا اے اللہ! اور کیا بات میرے ذمہ تھی؟ خدا نے کہا میری خاطر تو نے کسی سے عداوت رکھی اور میری

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۳۲، الترغیب جلد ۳ صفحہ ۶۲۵ [2] جامع صغیر جلد ۱ صفحہ ۱۹۱ عن عبد اللہ بن مسعودؓ

خاطر تو نے کسی سے پیار کیا ؟ یعنی تیرا میرے کسی بندے سے اس لئے رابطہ رہا کہ اس کے سبب تو میرے قرب میں آئے ؟ تجھے میری پہچان نصیب ہو ؟ اور کیا تو کسی سے محض اس لئے دور ہوا کہ تیری اس سے دُوری مجھے پسند تھی ؟ تیری محبت میں اللہ والوں کے لئے بھی ایک حصہ ہوتا اور تیری ناراضگی بھی محض اللہ کے لئے بھی ہوتی ۔

یہ سب احکام دینی نوع کے ہیں جو مختلف انبیاؑ کو وحی کئے گئے یہ کتاب نہیں جس پر شریعت قائم ہوتی ہے یہ کتاب کے علاوہ آنے والی وحی ہے اس میں نئے احکام ہوں یا پہلے احکام کی ہی تائید و تشہید یہ وحی تشریعی ہے اس سے حاصل ہوا علم مذہبی نوع کا ہوتا ہے۔ اس کے مقابل وحی تکوین ہے جس کے لئے انسان ہونا بھی شرط نہیں جانوروں تک کو ہو سکتی ہے

وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ

(ترجمہ) اور وحی کی تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنائے پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں بھی اور جہاں لوگ (بیلیں چڑھانے کو) ٹٹیاں باندھتے ہیں ۔ (پ۱۴ النحل ع ۹)

یہ وحی تکوین جو اس مکھی کو ہوئی اس میں دین و شریعت کا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا تکوین کی ایک بات کہی گئی تھی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو جو وحی کی گئی وہ بھی انتظامی امور کی تھی مذہبی نوع کی نہ تھی نبی وہ ہے جس کی طرف احکام کی وحی آئے وہ نئے ہوں یا پرانے وہ ان کی تبلیغ کا مامور ہو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ہونے والی وحی مذہبی نوع کی نہ تھی صرف یہ حکم تھا کہ بچے کو صندوق میں ڈال دے ۔ (پ۱۶ سورہ طٰہٰ میں ہے)

اذ اوحینا الی امك ما یوحیٰ ان اقذفیه فی التابوت فاقذفیه فی الیم

(ترجمہ) جب وحی کی ہم نے تیری ماں کو جواب اس وحی دینی میں نقل کی جا رہی ہے کہ اس بچے کو صندوق میں ڈال اور پھر اس صندوق کو دریا میں ڈال دے پھر دریا اسکو کنارے پر لے آئے۔

اس سے پتہ چلا کہ وحی کا آنا پیغمبروں سے خاص نہیں پیغمبروں کو جو وحی آتی ہے۔ اسکی قانونی حیثیت ہے وہ دینی نوعیت کی ہوتی ہے اس کا ماننا دوسروں پر بھی فرض ہوتا ہے اور جو وحی تکوین ہو وہ غیر پیغمبروں کو بھی ہو سکتی ہے پھر وحی تشریعی کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو نئی شریعت کی حامل ہو اور دوسری وہ جو اسی شریعت کو اپنائے جو پہلے سے چلی آ رہی ہے وحی تشریعی کے مقابل وحی غیر تشریعی نہیں وحی تکوینی ہے ۔

موضوع حدیث

حدیث کا موضوع

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد:

آج کے عنوان میں حدیث موضوع fabricated report پر کلام نہیں بموضوع حدیث subject of the hadith زیر بحث ہے۔ حدیثِ موضوع گھڑی ہوئی حدیث کو کہتے ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ سے کسی صحیح یا ضعیف سند سے منقول نہ ہو اور موضوع حدیث سے مراد وہ عالی ذات ہے جس کے گرد یہ علم گھومتا ہے۔ اس عنوان میں حدیث کے اس مرکزی نقطہ کا بیان ہے جس کے گرد جملہ مباحث حدیث گردش کرتے ہیں۔

معلوم رہے کہ حدیث کا موضوع اور مرکز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے آپ عبداللہ کے بیٹے یا عبدالمطلب کے پوتے ہونے کی حیثیت سے اس کا موضوع نہیں بلکہ اللہ کے رسول ہونے کی حیثیت سے حدیث کا موضوع ہیں۔ آپ کے صحابہ اس کے موضوع بنے تو وہ بھی اس لئے کہ وہ آپ کے صحابی تھے۔ پس حدیث وہ نعمتِ خداوندی ہے۔ جو اللہ رب العزت نے آپ کے سینہ میں اُتاری اور آپ نے اُسے بحکم خداوندی آگے دوسروں تک پہنچایا۔ قرآن کریم میں ہے:۔

امابنعمة ربك فحدث (پ والضحیٰ) آپ اپنے پروردگار کی نعمت کی تحدیث کیجئے یعنی آپ اسے آگے بیان کرتے رہیں)۔ حضور کو حکم ہوا کہ آپ اس نعمتِ الٰہی کو آگے بیان کرتے رہیں۔ جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی۔ یہ نعمت ہے ہی اس لئے کہ آگے جا کر حدیث بنے۔ حدّث کے معنی حدیث بیان کرنے کے ہیں۔ یہ بیان کرنا گو لغةً زبانی بیان کرنے کا نام ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اور طریقے بھی اس نعمت کا عملی بیان ہیں۔ آپ

زبان سے بیان کریں یا عمل سے آپ کی ہر بات اور آپ کی ہر ادا امت کے لیئے اللہ تعالےٰ کی نعمت اور کل کائنات کے لیئے اللہ کی رحمت ہے۔ حضور رحمۃ للعالمین کا وجود مسعود تمام جہانوں کے لیئے رحمت ہے۔ اور آپ کی حدیث ہر ظلمت میں ایک اُجالا ہے۔

تعلیم رسالت کے تین عنوان

حدیث کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور اس نسبت سے صحابہ کرام کی ذوات قدسیہ ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات sayings اعمال Actions اور آپ کے سامنے کیئے گئے اعمال approvals (جن پر آپ نے کوئی اعتراض نہ کیا ہو اور انہیں اپنے سکوت سے منظوری بخشی ہو) سب حدیث کا موضوع ہیں۔ یہ تینوں ارشادات، اعمال اور منظور کردہ امور حدیث کا سرمایہ ہیں۔ علم حدیث میں انہی امور سے بحث ہوتی ہے۔ کہ آپ نے کیا فرمایا؟ ـــــ کیا کیا؟ ـــــ اور آپ نے اپنے مشاہدہ اور سکوت سے کس کس بات کو منظوری بخشی۔ اللہ کے پیغمبر کی آنکھ جس کام کو ہوتا دیکھ لے وہ آپ کے سکوت سے بھی دوسروں کے لیئے سند بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ حضورؐ کے دور میں کیئے گئے اعمال کو آگے اس طرح روایت کرتے تھے۔ گویا یہ سب تعلیم رسالت ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حضورؐ کی اس منظوری سے وہ حضور کی ہی تعلیمات سمجھے جاتے ہیں۔ امام نوویؒ (۶۷۶ھ) مقدمہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں:۔

وان اضافه فقال كنا نفعل في حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم او في زمنه او وهو فينا او بين اظهرنا او نحو ذلك فهو مرفوع وهذا هو المذهب الصحيح۔ مقدمہ شرح مسلم ص۱۶

ترجمہ۔ اور صحابی نے اگر وہ بات آگے نسبت کر دی کہ ہم حضور کی زندگی یا آپ کے وقت میں اس طرح کرتے تھے یا ہم نے ایسا کیا اور آپ ہم میں تھے یا ہمارے سامنے تھے یا اسی طرح کی کوئی اور تعبیر اختیار کریں تو یہ بات مرفوع حدیث کے حکم میں ہوگی اور یہی مذہب صحیح ہے۔

تقریری حدیث کی ایک مثال

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں تین رات تراویح کی نماز پڑھائی۔ اور پھر تراویح کے لیے مسجد میں تشریف نہ لائے۔ آپ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ آپ کے دائمی عمل سے کہیں یہ نماز امت پر فرض نہ ہو جائے۔ ان تینوں راتوں کے بعد صحابہ کرامؓ مسجد میں مختلف اور متفرق جماعتوں میں تراویح کی نماز پڑھتے رہے اور اس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بھی ہوئی۔ آپ نے اس پر کوئی اعتراض نہ فرمایا۔ بلکہ اس کی تصویب فرمائی۔ مسجد میں حضرت ابی بن کعبؓ (۱۹ ھ) تراویح پڑھا رہے تھے۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا:۔

اصابوا ونعم ما صنعوا۔[1] صحیح بات کو پہنچے اور بہت اچھا ہے جو انہوں نے کیا۔

آپ کی اس تقریر و توثیق confirmation سے مسجدوں کی تراویح با جماعت اب تک بطور سنت ادا ہو رہی ہے۔ تراویح کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف بس اتنی ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو متفرق جماعتوں سے ہٹا کر ایک بڑی جماعت پر جمع کر دیا تھا۔[2] اور یہ بھی اس وقت کیا جب اس نماز کے فرض ہونے کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہا تھا۔ مسلمانوں میں تراویح کی جماعت اس تقریر نبوی سے اب تک شائع و رائج ہے۔ اس قسم کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور فعلی احادیث کے ساتھ ساتھ آپ کی تقریری احادیث بھی علم حدیث کا ایک بڑا سرمایہ سمجھی گئیں۔ آپ زبان مبارک سے تائید فرما دیں یہ تو ایک طرف رہا۔ آپ کی نظر مبارک پڑ جائے اور آپ خاموش رہیں تو اسے بھی آپ کی منظوری سمجھا جائے گا۔ جس کی نظر اعمال میں یہ تاثیر بخشتی اس کے قلب کا فیض کس قدر عام ہوگا۔ پھر یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کے ہوتے ہوئے امت پر کوئی عذاب آئے۔

وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم۔[3]

ترجمہ۔ اور اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا درحالیکہ آپ ان میں ہیں۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ا صفحہ ۱۹۵ عن ابی ہریرۃؓ [2] صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۲۶۹ [3] پ ۱۰ التوبہ ع

صحابہؓ کے اعمال حضورؐ کے ترجمان

آپ کی تعلیمات قدسیہ قولی ہوں یا فعلی یا تقریری (جن کی آپ نے اپنے سکوت سے منظوری دی ہو) صحابہ کرامؓ کی زبان سے آگے بیان ہوں یا ان کے عمل سے یہ دونوں طریقے نعمت حدیث کو آگے پہنچانے میں برابر کے کارفرما رہے ہیں. وہ کبھی نام لے کر کہتے تھے کہ ہم حضورؐ کا سا عمل تمہیں کر کے دکھائیں ؟ اور پھر صحابہ کا عمل سامنے آتا ——— کبھی وہ یوں کہتے کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسا کیا کرتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ صحابہ کے اپنے دینی اعمال ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نشان سمجھے جاتے تھے اور یہ وہ کام تھے جن میں کسی اجتہاد کی گنجائش نہ ہوتی تھی اور یہ سمجھا جاتا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی تعلیم ہے جو صحابہ کے اعمال میں جلوہ گر ہے. پہلی صورت کی مثال لیجئے. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) نے اپنے اصحاب سے فرمایا :۔

الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1] (فصلی)

ترجمہ. کیا تمہیں اس طرح کی نماز نہ پڑھاؤں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھایا کرتے تھے ؟

یاد رہے کہ یہ نماز کی شکل وصورت میں مشابہت بتلانی مقصود تھی. بمقام نماز اور اس کی روحانی کیفیت میں غیر نبی کی نماز نبی کی نماز کو نہیں پہنچ سکتی. مخالفین صحابہ اگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر یہ الزام لگاویں کہ دیکھو وہ اپنی نماز کو حضورؐ کی نماز کے برابر کہہ رہے ہیں. اور یہ بے ادبی اور گستاخی ہے. تو ان کی خدمت میں عرض کیا جائے گا کہ قائل کی مراد سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے. قائل کی مراد سمجھے بغیر اس پر بے ادبی کا فتوے لگا دینا علماء سوء کا طریق ہے. اہل حق اس سے احتراز کرتے آئے ہیں. یونہی کسی کو بے ادب اور گستاخ کہہ دینا شرارت کے سوا کچھ نہیں. حضرت ابوہریرہؓ نے بھی اسی طرح ایک دفعہ اپنی نماز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا نمونہ بتلایا. حضرت امام شافعیؒ روایت کرتے ہیں :۔

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ صد ۱۲۰ جامع ترمذی جلد ۱ صد ۳۵

ان اباھریرۃؓ کان یصلی بھم فیکبر کلما خفض و رفع فاذا انصرف قال واللہ انی لاشبھکم صلوٰۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہؓ انہیں نمازیں پڑھا رہے تھے جب بھی آپ جھکتے اور اُٹھتے اللہ اکبر کہتے۔ جب نماز پوری کر چکے تو فرمایا میں تمہیں حضورؐ کی سی نماز بتلا رہا ہوں۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی نماز اپنے مقام اور کیفیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سی نماز تھی اور کیا کسی نے اس روایت کی بنا پر حضرت ابوہریرہؓ پر کوئی حضورؐ کی بے ادبی کا فتوےٰ لگایا؟

میمون المکیؒ ایک دفعہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے پاس گئے اور آپ سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی نماز کا ذکر کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔

ان احببت ان تنظر الی صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقتد بصلوٰۃ عبداللہ بن زبیر[2]

ترجمہ۔ اگر تم چاہتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو عملاً دیکھو تو عبداللہ بن زبیرؓ کی نماز کی اقتدا کرو۔

یہاں یہ نقطہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع صحابہ کی اقتدا سے ہی امت میں جاری ہوئی ہے صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا قدیم الصحبت ہو اور جتنا کثیر الصحبت ہو اتنا ہی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا زیادہ نمونہ سمجھا جائے گا۔ اس کے علاوہ کوئی حضورؐ کے بارے میں کسی علم کا دعوےٰ کرے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت لائے گا۔ حضرت ابوحمید الساعدیؓ (۶۲ ھ) ایک دفعہ دس صحابہ میں بیٹھے تھے۔ اُن میں ابوقتادہ ابن ربعیؓ بھی تھے۔ اُنہوں نے کہا۔ انا اعلمکم بصلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (میں حضورؐ کی نماز کو تم سب سے زیادہ جانتا ہوں) آپ نے جو کہا اُسے امام ترمذی کی روایت سے سنیئے:۔

---

[1] مسند امام شافعی ص۲۸ [2] سنن ابی داؤد جلد ۱ ص۱۳۱

قالوا ما کنت اقدمنا له صحبة ولا اکثرنا له اتیاناً، قال بلی، قالوا فاعرض فقال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام الی الصلوٰۃ اعتدل قائماً۔[1]

ترجمہ: صحابہ نے کہا آپ حضور کی صحبت میں ہم سے پہلے کے تو نہیں نہ آپ کا حضور کے پاس حاضر ہونا ہم سے زیادہ تھا، انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ اس پر دوسرے صحابہ نے فرمایا اچھا بیان کیجئے۔ پھر آپ نے کہا کہ حضورؐ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو سیدھے کھڑے ہوتے تھے۔

صحابہؓ کے عمل سے حدیث نبوی کی تخصیص

جہاں تک تیسری صورت حال کا تعلق ہے محدثین صحابہ کرام کے ارشادات سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں تخصیص تک روا رکھتے رہے ہیں۔ صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہؓ (۷۴ھ) نے فرمایا:۔

من صلی رکعۃ لم یقرأ فیہا بام القراٰن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام۔[2]

ترجمہ: جس نے ایک رکعت بغیر سورت فاتحہ کے پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی۔ مگر جب کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب میں یہ استثناء "مگر جب کہ وہ امام کے پیچھے ہو" عام روایات میں موجود نہ تھا۔ مگر حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) نے جو امام بخاریؒ و امام مسلم دونوں کے جلیل القدر اُستاد اور شیخ ہیں اور حدیث اور فقہ کے جامع امام ہیں۔ انہوں نے صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس فیصلے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد کا محل تلاش کرلیا اور مراد حدیث کو پا گئے۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا معنی بتلاتے ہوئے صحابی کے قول سے حدیث نبوی کی تخصیص کی۔ امام ترمذی لکھتے ہیں:۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۴۰ [2] موطا امام مالک صفحہ ۴۲، موطا امام محمد صفحہ ۹۵

اما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ واحتج بحدیث جابر بن عبداللہ۔ ۔ ۔ ۔ قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تاول قول النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ۔[1]

ترجمہ۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ جس نے سورت فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی کا معنی یہ ہے کہ جب وہ اکیلا ہو یعنی جماعت سے نہیں اکیلے نماز پڑھ رہا ہو اور امام احمد نے اس پر حضرت جابر بن عبداللہؓ کی مذکورہ روایت سے استدلال پکڑا۔ امام احمد کہتے ہیں کہ یہ شخص (جابر بن عبداللہ رض) حضور کے صحابہ میں سے ہے اور اس نے حضور کے ارشاد لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ جب کوئی اکیلے نماز پڑھے (یعنی امام کے پیچھے نماز پڑھنا اس میں مراد نہیں ہے) تو بدوں فاتحہ اسکی نماز نہیں ہوتی۔

حضرت امام سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) نے بھی اس ارشاد نبوت کو اکیلے نماز پڑھنے والے پر محمول کیا ہے۔ پس حدیث لا صلوٰۃ لمن یقرأ بفاتحۃ الکتاب سے استدلال کرکے یہ نہیں کیا جا سکتا کہ جو شخص امام کے پیچھے سورت فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ امام ابوداودؒ کہتے ہیں۔ قال سفیان لمن یصلی وحدہ۔[1] یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے۔ جو کہ اکیلے نماز پڑھے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت سفیان کو حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا یہ مطلب حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ہی سمجھایا ہو۔ کیونکہ آپ نے ہی انہیں علم حدیث کی طرف متوجہ کیا تھا۔ حضرت سفیان خود کہتے ہیں:۔

اول من اقعدنی للحدیث ابوحنیفۃ۔[2]

ترجمہ۔ پہلا شخص جس نے مجھے حدیث کے سبق میں بٹھایا امام ابوحنیفہ تھے۔

ابن خلکان بھی حضرت سفیان سے نقل کرتے ہیں۔ اول من صیرنی محدثاً ابوحنیفۃ۔[3]

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۴۲ وقال ہذا حدیث حسن صحیح۔ [2] الجواہر المضیہ جلد ۱ صفحہ ۳۰ [3] ایضاً صفحہ ۱۰۳

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ امام ابو یوسفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے تفسیر حدیث میں امام ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا[1]

اس وقت اس مسئلے سے بحث پیش نظر نہیں نہ یہاں ائمہ مجتہدین کے اختلاف مسالک پر گفتگو ہو رہی ہے۔ اس وقت صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ اکابر محدثین نے صحابہ کے اقوال و اعمال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی شرح کرنے میں کتنی اہمیت دی ہے اور حق یہ ہے کہ صحابہ کرام اپنے قول و عمل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی ترجمان سمجھے جاتے تھے ان کے تمام دینی ارشادات اور اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی تعلیمات قدسیہ کا نشان تھے جو علمی اختلاف صحابہ میں راہ پا گیا آگے امت کے لیے سند بن گیا۔ جس طریقہ پر بھی کسی صحابی کا عمل مل گیا اُسے اب کسی طرح گمراہی قرار نہ دیا جائے گا۔ اسے باطل کہنا صرف اہل باطل کا ہی نصیب ہو گا۔ ان حضرات کے جملہ دینی اعمال کسی نہ کسی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی استناد رکھتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے ائمہ کے مختلف فیہ مسائل کو صحابہ کے اعمال سے مُسند بتلایا ہے اور سلف کے اختلاف کو امت کے لیے وسعت عمل کی راہیں فرمایا ہے۔ آپؒ اپنے رسالہ "سنّتُ الجمعہ" میں لکھتے ہیں:-

فان السلف فعلوا هذا وهذا وكان كلا الفعلين مشهوراً بينهم كانوا يصلون على الجنازة بقرأة وبغير قرأة كما كانوا يصلون تارة بالجهر بالبسملة وتارة بغير جهر وتارة باستفتاح وتارة بغير استفتاح وتارة برفع اليدين فى المواطن الثلثة وتارة بغير رفع وتارة يسلمون تسليمتين وتارة تسليمة واحدة وتارة يقرأون خلف الامام بالسر وتارة لا يقرأون وتارة يكبرون على الجنازة سبعاً وتارة خمساً وتارة اربعاً كان فيهم من يفعل هذا ومنهم من يفعل هذا كل هذا ثابت عن الصحابة[2]

ترجمہ۔ سلف صالحین نے دونوں طرح کیا ہے اور دونوں فعل ان میں مشہور رہ

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صـ [2] ماخوذ از الانصاف لرفع الاختلاف صـ مصنفہ مولانا عبدالحق سیالکوٹی بن مولانا حسن شاہ مطبوعہ ۱۹۱۰ء رفاہ عام سٹیم پریس لاہور۔

معروف رہے ہیں۔ بعض سلف نماز جنازہ میں قرأت کرتے تھے اور بعض نہیں
کرتے تھے جیسے کبھی بسم اللہ نماز میں اُونچی پڑھ لیتے تھے اور کبھی بسم اللہ بغیر
جہر کے پڑھتے تھے ـــــ کبھی افتتاح والی دعا پڑھ لیتے اور کبھی نہ پڑھتے۔
ـــــ کبھی رکوع کو جاتے۔ رکوع سے اُٹھتے اور تیسری رکعت شروع کرتے
رفع یدین کرلیا ـــــ اور کبھی ان تینوں موقعوں پر رفع یدین نہ کرتے۔ نماز
پُوری ہونے پر کبھی دونوں طرف سلام پھیرتے کبھی ایک طرف۔ کبھی امام کے
پیچھے قرأت (فاتحہ اور سُورت) کرلیتے اور کبھی نہ کرتے۔ نماز جنازہ پر کبھی
سات تکبیریں کہتے کبھی پانچ اور کبھی چار ـــــ سلف میں ان میں سے ہر
طریقے پر عمل کرنے والے تھے اور یہ سب اقسام عمل صحابہؓ سے ثابت ہیں۔

صحابہ کے اعمال سے علم حدیث میں وسعت

یہ وہ اعمال ہیں جو صحابہ کی روزمرّہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب ان میں صحابہ کرام
مختلف العمل رہے اور ہر طریق عمل اپنی اپنی جگہ قائم رہا۔ تو یہ بدوں اس کے متصوّر نہیں۔ کہ ان
حضرات نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مختلف مواقع میں مختلف طریقوں پر عمل کرتے
دیکھا ہو۔ پھر جُوں جُوں آپ کی آخری زندگی کے طریقے ان کی نگاہوں میں ممتاز اور راجح ہوتے
چلے گئے۔ اپنی اپنی تحقیق اور ترجیح کے وجوہ ان کے سامنے روشن ہوتے چلے گئے یہاں تک
کہ ان اختلاف نے ائمہ اربعہ کی تحقیقات میں راجح اور مرجوح کی صورتیں اختیار کرلیں ـــــ
تاہم اس اقرار سے چارہ نہیں کہ علم حدیث میں اعمال صحابہ سے بھی تفصیلی بحث ہوتی ہے۔ حدیث
کی کتابوں میں حضورؐ کی مرویات کے ساتھ ساتھ اُن کی مرویات بھی ہوتی ہیں یہ حضرات
تزکیہ صفات میں بھی حضورؐ کی محنت کا مظہر ہیں۔ ضروری ہے کہ یہ بھی حدیث کا موضوع سمجھے جائیں۔
صحابہ کے عمل کو علم حدیث میں اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ اگر صحابی خود آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے ایک روایت نقل کرے اور اس کا اپنا عمل اس کے خلاف ہو تو اس عمل سے اس
حدیث کے نسخ پر یا اس کے عمومی حجت نہ ہونے پر استدلال کیا جا سکے گا۔ اس میں محدثین کی راہیں

گو مختلف رہی ہیں۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا سکتا۔ کہ صحابہ کے اپنے اعمال و فتاوے کو علم حدیث میں بہت اہمیت حاصل ہے اور یہ حضرات بھی حدیث کا ایک اہم موضوع رہے ہیں۔

صحابی کے فتوے سے اس کی روایت کی تحقیق

حضرت ابوہریرہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ جب کتا تم میں سے کسی کے برتن کو منہ لگا دے تو اُسے سات دفعہ دھونا چاہیئے[1] مگر جب حضرت ابوہریرہؓ نے خود تین دفعہ دھونے کا فتوے دیا تو اس سے یہی سمجھا گیا کہ سات دفعہ دھونے سے محض تاکید مراد تھی اور پاک ہونے کا تقاضا تین دفعہ دھونے سے پورا ہو جاتا ہے (عربی اسلوب میں بے شک اس طرز تاکید کی گنجائش موجود ہے[2]۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ اپنی تقریر ترمذی میں فرماتے ہیں:

ان اباھریرۃ روی الحدیث و افتی بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالثلث وعمل علیہ وفعل الراوی یکون بیاناً لحدیثہ[3]

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہؓ نے یہ حدیث (کہ برتن کو سات دفعہ دھودیں) روایت بھی کی اور حضورؐ کے بعد فتوے تین دفعہ دھونے پر دیا اور اس پر عمل کیا اور راوی کا فعل اس کی روایت کا بیان ہوتا ہے۔

مشہور محدث علامہ ابن ہمام اسکندری (۸۶۱ھ) کہتے ہیں کہ صحابی کا فتوے جب اس کی روایت کے خلاف ہو تو فیصلہ اس کے فتویٰ پر ہونا چاہیئے۔ نہ اس روایت پر جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر رہا ہو۔ کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ صحابی جان بوجھ کر حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف چلے۔ اس خلاف روایت فتوے سے یہ سمجھا جائے گا کہ اس صحابی کے پاس اس روایت کے منسوخ یا ماؤل ہونے کی کوئی سند ضرور موجود تھی۔ کیونکہ ہم صحابہ کے بارے میں نیک گمان کے پابند ہیں۔ ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ حضرات تزکیہ صفات پا کر بھی جان بوجھ کر آقا کے خلاف چلیں۔ حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:

اذا لم یعرف من الحال سوی انہ خالف مرویہ حکمنا بانہ اطلع علی

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۳۷ [2] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ [3] تقریر ترمذی شیخ الہند صفحہ

ناسخة فی نفس الامر ظاهراً لان الظاهرانه لا یخطئ فی ظن غیرالناسخ ناسخاً۔

ترجمہ: جب اس کے سوا کوئی اور بات سامنے نہ آئے کہ اس نے اپنی روایت کا خلاف کیا ہے ہم فیصلہ کریں گے کہ وہ اس کے نسخ پر مطلع ہو چکا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ واضح ہے کہ صحابی غیر ناسخ کو ناسخ سمجھنے کی غلطی نہیں کر سکتا۔

ہاں اگر یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ موضوع مسئلہ اجتہادی تھا اور اجتہاد کی خطا کسی طرح معلوم ہو گئی تو پھر فتوے اس روایت پر ہونا چاہیئے صحابی کے اپنے عمل پر نہیں۔

فلو اتفق فی خصوص محل بان عمله بخلاف مرویه کان لخصوص دلیل علمناه وظهر للمجتهد غلطه فی استدلاله بذلک الدلیل لا شک انه لا یکون مما یحکم فیه بنسخ مرویه لان ذلک ما کان الا لاحسان الظن بنظره فاما اذا تحققنا فی خصوص مادة خلاف ذلک وجب اعتبار مرویه بالضرورة دون رایه[1]

ترجمہ: اور اگر کسی خاص موقع پر یہ معلوم ہو گیا کہ اس کا عمل اپنی روایت کے خلاف کسی خاص وجہ سے تھا جسے ہم نے جان لیا اور مجتہد کے سامنے اس کا اس دلیل سے استدلال کرنا غلط ثابت ہو گیا تو ایسے موقع پر بلاشبہ اس روایت کے منسوخ ہونے پر حکم نہ کیا جا سکے گا۔ کیونکہ وہ اصول تو صحابی کے بارے میں محض حسن ظن پر مبنی تھا۔ سو جب کسی خاص موقعہ پر تحقیق اس کے خلاف رہی تو اب اعتبار روایت کا ہو گا۔ اس کے اپنے فیصلے کا نہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:۔

ان عمل الراوی بخلاف ما رواه دال علی نسخ ما رواه۔[2]

ترجمہ: راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس روایت کے منسوخ ہونے کا پتہ دیتا ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے بھی ملاحظہ ہو:۔

---

[1] فتح القدیر جلد ۳ صفحہ ۲۴۵ [2] فتح الملہم بشرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۴۵

راوی الحدیث اعرف بالمراد بہ من غیرہ ولا سیما الصحابی المجتہد[1]

ترجمہ۔ راوی حدیث اس حدیث کی مراد کو بہتر جانتا ہے۔ خصوصًا جب کہ وہ صحابی اور مجتہد ہو۔

صحابہ اور عام راویوں میں فرق

ایک صحابی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہا ہو تو یہ درست نہیں کہ انسان اس کی تائید میں اور صحابہ سے پوچھتا پھرے عمل کے لیے بس یہی کافی ہے۔ صحابہ عام ثقہ راویوں کی طرح نہیں کہ کثرت رواۃ سے روایت میں اور قوت آجائے۔ ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت سعدؓ سے مروی روایت کے بعد اس کی مزید تحقیق سے نہ رکتے۔ علم جس قدر پختہ ہو اس میں کوئی حرج نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ صحابی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بات کا نقل کر دینا علم کا وہ نقطۂ عروج ہے کہ اب اس کے بعد کوئی غلجان باقی نہیں رہتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

اذا حدثك شيئا سعد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا تسئل عنه غیرہ[2]

ترجمہ۔ جب سعد تمہارے سامنے حضورؐ کی کوئی حدیث نقل کرے تو اس کے بارے میں کسی اور سے نہ پوچھو۔

پھر یہ بھی ہے کہ عام راوی کی وہی روایت معتبر ہے جو مروی عنہ (جس سے روایت لی جا رہی ہے) سے متصل ہو۔ لیکن صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس واقعہ کی خبر دے جس میں وہ خود موجود نہ تھا۔ تو بھی یہ روایت محدثین کے نزدیک معتبر اور لائق قبول ہوگی۔ صحابی کی مرسل روایت کو قبول کیا جائے گا۔ صحابہ کی مرویات میں یہ سوال نہیں کیا جاتا۔ کہ انہوں نے اس دور کی روایت جسے انہوں نے نہیں پایا کس سے لی ہے۔ صحیح بخاری کے شروع میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ (۵۷ھ) سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز کیسے ہوا۔ حالانکہ آغاز وحی کے وقت وہ پیدا بھی نہ ہوئی تھیں۔ بایں ہمہ یہ حدیث مقبول و معتمد سمجھی گئی۔ اور بے شک یہ صحیح ہے۔ کسی صحابی یا صحابیہ سے نہیں ہو سکتا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۴۴۵ [2] صحیح البخاری جلد ۱ صفحہ ۶۲

بارے میں کوئی بات خلاف واقع کہیں۔ سو ان کے لیئے ضروری نہیں کہ ان کی روایت متصل ہو۔ اُن کا مقام اسلام میں عام راویوں سے بہت اُونچا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تقوٰے ان کی ذوات کے کے لیئے لازم کر دیا تھا اور وہ بے شک اس کے اہل تھے۔ محدثین کے ہاں وہ سارے کے سارے عدول ہیں۔ تحقیق روایت میں جہاں اور راویوں کے بارے میں جرح و تعدیل کی بحث چلتی ہے۔ صحابہ کے بارے میں یہ بحث نہیں چلتی۔ یہاں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہاں تعدیل ہی تعدیل ہے جرح کو اس میں راہ نہیں۔

صحابہ کی مرسل روایات بھی مقبول ہیں اور قانونی طور پر حجت ہیں اور یہ ان ائمہ حدیث کے ہاں بھی معتبر ہیں جو دوسرے راویوں کی مرسل روایات سے حجت نہیں پکڑتے۔ صحابہ کرام سے نہ اتصال روایت کا مطالبہ ہے نہ ان کی تعدیل کی کہیں تلاش ہے۔ ساتویں صدی کے جلیل القدر محدث امام نووی الشافعیؒ (۶۷۶ھ) مرسل کی بحث میں لکھتے ہیں:-

واما مرسل الصحابی وھو روایة مالم یدرکه او یحضرہ کقول عائشة رضی اللہ عنہا اوّل ما بدی به رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من الوحی الرؤیا الصالحة فمذھب الشافعی والجماھیر انه یحتج به وقال الاستاذ ابو اسحٰق الاسفرائینی الشافعی انه لا یحتج به الا ان یقول انه لا یروی الا عن صحابی والصواب الاول[1]

ترجمہ۔ مرسل سے مراد وہ روایت ہے جس کا وقت راوی نے نہ پایا ہو یا وہ خود اس وقت حاضر نہ ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ کہنا کہ حضورؐ پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی تھی۔ اس دور کی بات ہے جسے آپ نے نہیں پایا۔ امام شافعی اور جمہور محدثین کا بھی یہ مذہب ہے کہ صحابی کی مرسل روایت لائق حجت ہے۔ ہاں ابو اسحٰق اسفرائینی کہتے ہیں کہ جب تک وہ روایت کرنے والا صحابی یہ نہ کہے کہ وہ صحابی کے بغیر کسی دوسرے سے روایت نہیں لیتا۔ اسے لائق احتجاج نہ سمجھا جائے اور صحیح بات وہی ہے۔ جو

---

[1] مقدمہ شرح مسلم صکا وکذلک فی صہ من المجلد الاوّل

پہلی ہے کہ صحابی کی مرسل روایت ہر حال میں حجت ہے۔

صحابہ اور دوسرے راویوں میں فرق کیوں ؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دوسرے راویوں کے لیئے جرح و تعدیل کی میزان ہے ۔ تو صحابہ اس قاعدہ سے کیوں نکل گئے ؟ نہ ان سے اتصال روایت کا مطالبہ ہے ۔ نہ ان پر جرح کی اجازت ہے نہ ان کی روایت کسی اور تائید کی محتاج ہے ۔ کیا یہ حضرات عام بشری کمزوریوں سے بالا تھے ۔ کہ ان میں اور عام راویوں میں اتنا بڑا فاصلہ پیدا ہوگیا ۔ اتنا بڑا فرق آخر کیسے قائم ہوگیا ؟

الجواب

صحابہ کی بشریت سے انکار نہیں ۔ ان میں بشری احساسات بھی تھے بشری رجحانات بھی تھے ۔ اور بشری نفوس بھی تھے ۔ لیکن ان کے دلوں کی پاکیزگی پر کتاب اللہ کی کھلی شہادت موجود ہے ۔ ان کی طہارت قلبی پر قسم کھائی جا سکتی ہے ۔ سو وہ ان بشری کمزوریوں سے یقیناً بالا تھے ۔ جو سچ اور جھوٹ ، حق اور باطل ، امانت اور خیانت میں فرق نہ کرسکیں ۔ ان کے نفوس بشریہ کا اقرار اسی صورت میں لائق ذکر ہے ۔ کہ ساتھ ہی ان کی طہارت قلبی کا اعتراف ہو ۔ ایک ایسے ہی مبحث سے حضرت مُلّا علی قاری کو گزرنا پڑا تو فرمایا :

اعلم ان الصحابة مع نزاهة بواطنهم وطهارة قلوبهم كانوا بشراً كانت لهم نفوس والنفوس صفات تظهر فقد كانت نفوسهم تظهر بصفة وقلوبهم منكرة لذلك يرجعون الى حكم قلوبهم وينكرون ما كان عن نفوسهم[1]

اسلام میں اصل الاصول قرآن پاک کی ہدایات INSTRUCTIONS ہیں ۔ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ذمہ داری ٹھہرائی تھی اور ان کے باطن کو پاک کرنا آپ کے فرائض رسالت میں شمار کیا تھا ۔ تو اب ان کی طہارت قلبی کا اقرار نہ کرنا دوسرے لفظوں میں یہ کفری بات کہنا ہے ۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرائض رسالت کو ادا نہ کرسکے اور آپ نے صحابہ کو عمومی پاکیزگی نہ بخشی تھی سراسر الحاد ہے

---

[1] شرح فقہ اکبر صـ۸۲ مطبع قرآن محل کراچی (نقلاً عن العارف السهروردیؒ)

اس میں اخص صحابہ ہی DISTINCT COMPANIONS ہی مراد نہ تھے۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ ان حضرات پر تو کفر کا ایک لمحہ بھی نہ گزرا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان لوگوں کا تزکیہ (دلوں کا پاک کرنا) آپ کے ذمہ لگایا تھا جو پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ قرآن کریم میں آپ کے فرائض رسالت زیادہ تر انہی لوگوں سے متعلق ہیں جو پہلے کفر میں مبتلا تھے۔

وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین[۱]

ترجمہ۔ اور بے شک اس سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرائض رسالت اس خوبی سے سرانجام دیئے کہ آپ کا ایک صحابی بھی ایسا نہ تھا جو عمداً جھوٹ بولتا ہو اور غیر ثقہ ہو شیخ الاسلام علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں :-

لیس فی الصحابة من یکذب وغیر ثقة[۲]

ترجمہ۔ صحابہ میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو جھوٹ بولتا ہو اور ثقہ نہ ہو۔

یہ کسی عالم یا مجتہد کی بات نہیں خود اللہ تعالیٰ نے ان (صحابہ) کے باطن کی خبر دے دی تھی اور یہاں تک فرمایا کہ بے شک وہ اس کے اہل تھے۔

والزمهم كلمة التقوىٰ وكانوا احق بها واهلها[۳]

ترجمہ۔ اور قائم رکھا اللہ نے انہیں تقوے کی بات پر اور حق یہ ہے کہ وہ اس کے لائق تھے اور اس کے اہل تھے۔

یہ قرآن پاک کی شہادت ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں کیا جا سکتا۔ جو شخص عام صحابہ کے بارے میں کلمہ تقوے لازم ہونے کا قائل نہ ہو اور ان کی اہلیت میں اس لیئے شک کرے کہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے وہ صریح طور پر منکر قرآن ہے۔ حدیث میں کلمۃ التقوےٰ کی تفسیر لا الہ الا اللہ سے کی گئی ہے۔ سو تقوے وطہارت کی بنیاد یہی کلمہ ہے۔ جس کے اٹھانے اور اس کا حق ادا کرنے کے لیئے اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول کو چن لیا تھا اور بلاشبہ اللہ کے علم میں وہی اس کے مستحق اور اہل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی شخصیات کریمہ کو اس طرح اخلاق

---

[۱] پ۴ آل عمران ع۱۷ [۲] عمدۃ القاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۵ [۳] پ۲۶ الفتح ع۲

فاضلہ سے جلا بخشی تھی۔ کہ کفر گناہ اور نافرمانی سے انہیں طبعًا متنفر کر دیا تھا اور ایمان کو اُن کے دلوں کی طلب اور زینت بنا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینه فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان۔[1]

ترجمہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے دلوں کا محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں زینت بخشی ——— اور کفر، گناہ اور نافرمانی کو تمہارے ہاں لائق نفرت بنا دیا (یعنی تم طبعًا اُن سے دور ہوگئے۔ تمہارے لیئے شریعت طبیعت بنا دی گئی)۔

صحابہؓ سب کے سب عادل ہیں کسی پر جرح نہیں

قرآن کریم نے جب صحابہ کے باطن کی خبر دی کہ وہ سب دولتِ ایمان پا چکے تھے۔ تو وہ سب تزکیہ و تعدیل پر فائز سمجھے جائیں گے۔ ان شخصیاتِ کریمہ میں جرح کو قطعًا راہ نہ ہوگی۔ وہ سب کے سب عادل قرار پائیں گے۔ جب دوسرے راویوں کے لیئے جرح و تعدیل کی میزان قائم کی جائے گی تو اس مقدس گروہ کو اس سے مستثنیٰ رکھا جائے گا اور وہ ہر لحاظ سے قابلِ اعتماد سمجھے جائیں گے۔ ان کے دلوں میں ایمان لکھا جا چکا۔ قرآن کریم میں ہے:۔

اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان۔[2] یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ ایمان لکھ چکا۔

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

ان عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعدیل اللہ لھم واخبارہ عن طھارتھم واختیارہ لھم فی نص القرآن۔[3]

ترجمہ۔ صحابہ کا عادل ہونا یقینی طور پر ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعدیل کی اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کی خبر دی ہے اور انہیں نص قرآن کے مطابق اس نے (اپنے نبی کی صحبت کے لیئے) چُن لیا ہوا تھا۔

---

[1] پ ۲۶ الحجرات ع ۱ [2] پ ۲۸ المجادلہ ع ۳ [3] الکفایہ صد ۴۶

اور آگے جا کر پھر لکھتے ہیں :۔

فلا یحتاج احد منھم مع تعدیل اللہ لھم المطلع علی بواطنھم الی تعدیل احد من الخلق لہ۔[1]

ترجمہ۔ صحابہ میں سے کوئی بھی مخلوقات میں سے کسی کی تعدیل کا محتاج نہیں۔ یہ اس لیئے کہ اللہ تعالیٰ جو ان کے باطن پر پوری طرح مطلع ہو اُن کی تعدیل کر چکا ہے۔

اور علامہ ابن اثیر الجزری (۶۳۰ھ) اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ صحابہ جرح سے بالا کیوں ہیں " لکھتے ہیں :۔

والصحابۃ یشارکون سائر الرواۃ فی جمیع ذلک الا فی الجرح والتعدیل فانھم کلھم عدول لا یتطرق الیھم الجرح لان اللہ عزوجل ورسولہ زکاھم وعدلاھم وذلک مشہور لا نحتاج لذکرہ۔[2]

ترجمہ۔ صحابہ دوسرے راویوں کے ساتھ ان تمام باتوں میں شریک ہیں۔ مگر جرح و تعدیل میں وہ باقی راویوں سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ یہ سب کے سب عادل ہیں جرح ان کی طرف راہ نہیں پا سکتی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کا تزکیہ کیا ہے اور انہیں عادل ٹھہرایا ہے اور یہ بات اتنی واضح ہے کہ ہمیں اس کے ذکر کی حاجت نہیں۔

حافظ ابن عبد البر مالکی (۴۶۳ھ) حضرت عمرؓ کی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عراق، شام، فارس اور روم کے لوگ جب مسلمان ہوتے تو ان میں وہ لوگ بھی تھے جن سے جھوٹ کا اندیشہ ہو۔ اس لیئے حضرت عمرؓ نے نقل روایت میں سختی کی۔ آپ ان کی کہی بات میں زیادہ احتیاط کے داعی تھے۔ اس پر حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ صحابہ کے بارے میں یہ بات کسی طرح نہیں ہو سکتی اور آگے اس پر قرآن کریم سے استدلال کرتے ہیں :۔

ان اللہ فتح علیہ فارس والروم ودخل فی الاسلام کثیر ممن یجوز علیھم الکذب لان الایمان لم یستحکم فی قلوب جماعۃ منھم ولیس ھذہ

---

[1] الکفایہ صـ۴۶ [2] اسد الغابہ جلد ۱ صـ۲

صفة اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان اللہ تعالیٰ قد اخبر انهم خیر امة اخرجت للناس وانهم اشداء علی الکفار رحماء بینهم واثنیٰ علیهم فی غیر موضع من کتابه۔[1]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ پر فارس اور روم کے علاقے مفتوح فرمائے اور اسلام میں بے شک بہت سے وہ لوگ داخل ہوئے جن کے دلوں میں ایمان نے جماؤ نہ پایا تھا اور بہت ممکن رہا کہ وہ جھوٹ بول جائیں لیکن یہ بات حضور کے صحابہ میں نہ تھی اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں خبر دے چکے ہیں کہ وہ بہترین امت تھے جو لوگوں کے لیے دینِ حق کے گواہ بنائے گئے وہ کافروں پر سخت رہے آپس میں نرم اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انکی کئی جگہ تعریف کی ہے

پھر صاع کی بحث میں ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

وکان الصحابة فی زمن معاویة متوافرین لا یجوز علیهم الغلط فی مثل هذا۔[2]

ترجمہ۔ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں صحابہ کثیر تعداد تھے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اس قسم کے دینی فیصلہ میں غلطی کر جائیں۔

ان جمیعهم ثقات مامون عدل رضی فواجب قبول ما نقل کل واحد منهم وشهد به علی نبیه صلی اللہ علیہ وسلم[3]

ترجمہ۔ سب صحابہ ثقہ (قابلِ اعتماد) اور امانت دار ہیں، عادل ہیں، اللہ ان سے راضی ہوا۔ ان میں سے ہر ایک نے جو بات حضورؐ سے نقل کی وہ واجب القبول ہے اس بات کی اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گواہی دی ہے۔

امام اوزاعیؒ (۱۵۱ھ) نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت جو حضرت امام حسنؓ کی صلح کے بعد منعقد ہوئی تھی، کے برحق ہونے پر صحابہ کی موجودگی سے جو استدلال کیا ہے اس میں صحابہ کی اسی اصولی حیثیت کا اقرار کیا گیا ہے۔ حافظ ابو زرعہ الدمشقی (۲۸۱ھ) لکھتے ہیں:۔

عن الاوزاعی قال ادرکت خلافة معاویة عدة من اصحاب رسول اللہ

---

[1] کتاب التمهید جلد ۳ صـ ۲ [2] ایضاً جلد ۴ صـ ۱۳۶ [3] ایضاً جلد ۴ صـ ۲۶۳

صلی اللہ علیہ وسلم منهم سعد واسامة وجابر بن عبد الله وابن عمرو
زيد بن ثابت ومسلمة بن خالد وابو سعيد ورافع بن خديج وابوامامہ
وانس بن مالك ورجال اكثر من سميت باضعاف مضاعفة كانوا
مصابيح الهدى واوعية العلم حضروا من الكتاب تنزيله واخذوا
عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم تاویلہ[1]۔

ترجمہ۔ امام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کی خلافت بہت سے اصحاب رسول نے پائی ہے ان صحابہ میں حضرت سعدؓ، حضرت اسامہؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت مسلمہ بن خالدؓ، حضرت ابو سعید الخدریؓ، حضرت رافع بن خدیجؓ حضرت ابو امامہؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور جتنے نام لیئے گئے ان سے کئی گنا زیادہ صحابہ موجود تھے۔ یہ سب ہدایت کے روشن چراغ اور علم کے بڑے بڑے ظروف تھے جو قرآن کے نازل ہونے وقت کے حاضرین تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے مطالب پانے والے تھے۔

شریعت اور طبیعت میں مطابقت

اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو گناہ سے طبعاً متنفر کر دیتے ہیں تو پھر شریعت ان کی طبیعت ہو جاتی ہے۔ ان کے لیئے پھر ممکن نہیں رہتا کہ وہ اپنے ارادہ سے اپنے آقا و مولیٰ کے ذمہ روایۃً یا عملاً کوئی ایسی بات لگائیں جو آپ نے نہ کہی ہو نہ کی ہو اور اسلام میں اسلام کے نام سے کوئی ایسی بات داخل کریں جو اسلام نے نہ بتائی ہو۔ گناہ کے لیئے بدنیتی ضروری ہے۔ جب تک نیت بُری نہ ہو گناہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت اور تزکیہ باطن سے ان حضراتِ قدسیہ کے دلوں سے بدنیتی کا پہلو یکسر مٹا دیا تھا۔ ان سے کوئی خطا سرزد ہو بھی تو بدنیتی کے بغیر ہو گی اور اسے خطاء اجتہادی سمجھا جائے گا اور اس پر بھی یہ حضرات ایک اجر پائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے کسی عمل پر بدعت کا اطلاق نہیں ہوتا نہ بدعت دُنیت

---

[1] تاریخ ابی زرعہ جلد ۱ صفحہ ۲۰۹، صفحہ ۱۸۹

کے نام پر ان میں کبھی کوئی فرقہ بندی ہوئی اور نہ اس نام سے ان میں کوئی اختلاف قرار پایا تھا اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

جہاں تک صحابہ کے اخلاص وعمل کا تعلق ہے اُسے حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کے الفاظ میں مطالعہ کیجئے:۔

ہر شخص جو اُن کی زندگی کا مطالعہ کرے گا بے اختیار تصدیق کرے گا کہ انہوں نے راہِ حق کی مصیبتیں صرف جھیلی ہی نہیں بلکہ دل کی پُوری خوشحالی اور رُوح کے کامل سُرور کے ساتھ اپنی زندگیاں ان میں بسر کرڈالیں۔ ان میں جو لوگ اوّل دعوت میں ایمان لائے تھے ان پر شب و روز کی جانکاہیوں اور قربانیوں کے پُورے تئیس برس گزر گئے۔ لیکن اس تمام مدت میں کہیں سے بھی یہ بات دکھائی نہیں دیتی کہ مصیبتوں کی کڑواہٹ ان کے چہروں پر کبھی کھلی ہو۔ انہوں نے مال وعلائق کی ہر قربانی اس جوش ومسرت کے ساتھ کی گویا دُنیا وجہاں کی خوشیاں اور راحتیں ان کے لیئے فراہم ہوگئی ہیں ——— اور جان کی قربانیوں کا وقت آیا تو اس طرح خوشی خوشی گردنیں کٹوادیں۔ گویا زندگی کی سب سے بڑی خوشی زندگی میں نہیں موت میں تھی [۱]

اس تفصیل سے یہ بات از خود واضح ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کی زندگیوں میں کس طرح تعلیم نبوت اُتری تھی۔ ان کے سینے علم نبوی سے خوشحال اور ان کے قلوب تزکیہ کی دولت سے مالامال تھے۔ ان کی کوئی بات منشائے رسالت پر نہ بھی ڈھلی ہو تو بھی اس پر اجتہاد کا ایک اجر مرتب ہے۔ اس پر حکم معصیت نہیں آتا یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے کسی عمل پر بدعت کا اطلاق نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ بدعت اور سنت کے نام پر کبھی ان میں کوئی باہمی فرقہ بندی قائم نہ ہوئی تھی۔

صحابہ کے اعمال پر بدعت کا اطلاق نہیں

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ خلفائے راشدینؓ کوئی بات اپنے

---

[۱] ترجمان القرآن سورہ توبہ جلد ۲ ص۱۴۳

اجتہاد اور قیاس سے بتائیں اور اس پر کوئی صریح نص ان کے پاس نہ ہو تو بھی اس پر بدعت کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا اور ان کی اس بات کو موافق سنت ہی سمجھا جائے گا۔

پس ہر چہ خلفائے راشدین بداں حکم کردہ باشند . . . . . اطلاق بدعت برآں نتواں کرد۔[1]

حضرت شیخ کا یہ فیصلہ اہل السنت والجماعت کے اس بنیادی اصول کے تحت ہے کہ بدعت کی حدیں صحابہ کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:۔

اما اهل السنة والجماعة فيقولون فى كل فعل و قول لم يثبت عن الصحابة رضى الله عنهم هو بدعة لانه لوكان خيراً لسبقونا اليه انهم لم يتركوا خصلة من خصال الخير الا وقد بادروا اليها۔[2]

ترجمہ۔ اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ ہر وہ قول اور فعل جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے۔ کیونکہ اس (دینی کام) میں کوئی خیر ہوتی تو صحابہ کرام ہم سے پہلے اس کام کی طرف رُخ کرتے۔ انہوں نے نیکی کی کسی بات کو نہ چھوڑا۔ مگر یہ کہ وہ اس کی طرف دوڑتے تھے۔

صحابہ کرام خود بھی اس بات کو جانتے تھے کہ ان کا نیکی کا ہر عمل شرعی سند رکھتا ہے۔ وہ نصاً ہو یا اجتہاداً سب کے سب قولاً اور عملاً ترجمان شریعت تھے۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضہ (۳۶ھ) فرماتے ہیں:۔

كل عبادة لم يتعبدها اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تعبدوها۔[3]

ترجمہ۔ دین کا ہر وہ عمل جسے صحابہ نے دین نہیں سمجھا اسے تم بھی دین نہ سمجھنا

بدعت کا مبدأ ہوی اور نفسانی خواہشات ہوتی ہیں۔ سو جن حضرات کے دل تزکیہ وطہارت کی دولت پا چکے تھے اُن سے بدعت کا صدور قریب قریب ناممکن ہو گیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ وہ انسان تھے اور نفوس انسانی رکھتے تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کامل سے تزکیہ قلب کا فیض اس قدر لے چکے تھے کہ دوسرے رواۃ حدیث کی طرح ان پر جرح کی اجازت نہ ہوگی جرح

---

[1] اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۱۳۰ [2] تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۵۶ [3] الاعتصام جلد ۱ صفحہ ۵۴

کا منشا، عدم رضا ہے۔ سو جن سے خدا راضی ہو چکا اور وہ خدا سے راضی ہو چکے ان پر جرح کیسے ہو سکے۔ ان پر جرح تو خدا سے عدم رضا کا اظہار ہوا (معاذ اللہ) سو ان حضرات قدسی صفات پر نہ جرح کی اجازت ہے نہ ان سے اتصال سند کا مطالبہ ہے اور دوں کی روایت کثرت رواۃ سے قوت پائے گی۔ یہاں ایک صحابی بھی کوئی بات کہہ دے تو اب اور کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں تک کہ اپنے ہر مسئلہ میں کسی ایک صحابی کو مرکز علم بنا لیا جائے اور ہر مسئلے میں اس کی طرف رجوع کیا جائے تو یہ بالکل درست ہوگا۔

ہر مسئلے میں ایک ہی صحابی کی طرف رجوع کرنا

نقل روایت میں تو ایک صحابی کے بعد کسی دوسرے صحابی سے مزید تحقیق کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لئے کہ صحابہ سب کے سب عادل اور ثقہ ہیں۔ لیکن اخذ مسائل میں مجتہدین صحابہ کو عام صحابہ پر تفوق اور امتیاز ضرور حاصل تھا۔ ایک کے بعد دوسرے سے مسئلہ پوچھا جا سکتا تھا۔ لیکن اکابر اہل علم میں سے کسی ایک بزرگ کو مرکز علم بنانا اور ہر مسئلہ میں ان کی طرف رجوع لانا بھی بالکل درست سمجھا جاتا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ (۵۲ھ) سے وراثت کا ایک مسئلہ پوچھا گیا اور پھر وہی مسئلہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا جواب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے جواب سے مختلف تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس اس باب میں صریح حدیث نبویؐ موجود تھی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا جواب ان کے اجتہاد پر مبنی تھا۔ مجتہد کبھی مخطی ہوتا کبھی مصیب۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ نص کے مقابلے میں اجتہاد کی اجازت نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا جواب بتلایا گیا۔ تو آپ نے یہ تو نہیں کہا کہ وہ گمراہ ہوئے۔ اپنے بارے میں فرمایا۔ کہ اگر میں بھی یہی جواب دوں تو بے شک میں گمراہ ہوں گا۔ (کیونکہ میرے پاس تو اس باب میں نص حدیث موجود ہے۔ نص کے ہوتے ہوئے اجتہاد کو کیا راہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ جواب جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بتلایا گیا تو آپ نے فرمایا۔

لا تسئلونی ما دام ھذا الحبر فیکم۔ صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۱۸۸

ترجمہ۔ جب تک یہ بڑے عالم تم میں موجود ہیں تم مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھا کرو۔

سبحان اللہ کیا شان عقیدت تھی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے یہاں ھذا الحبر کہا ہے۔ ھذا الصحابی نہیں کہا۔ معلوم ہوا کہ ہر مسئلہ میں کسی ایک مرکز کی طرف رجوع کرنا ان کی منزلت علمی کی وجہ سے تھا۔ منزلت صحابیت کی وجہ سے نہیں، صحابی کے علاوہ بھی اگر کوئی بزرگ اپنے علم و تفقہ میں ممتاز ہوں تو ہر مسئلے میں ان کی طرف رجوع ہو سکتا ہے اور علمی امتیاز میں تو صحابہ بھی بے شک ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امت میں اس درجے کی پیروی کہ ہر مسئلے میں کسی ایک مرکز علم کی طرف ہی رجوع ہو صحابہ سے ہی جاری ہو چکی تھی اور کسی نے اس پر اصولی پہلو سے اعتراض نہیں کیا نہ کسی نے یہ کہا کہ ہر مسئلے میں کسی ایک بزرگ کی طرف رجوع کرنا کہیں شرک فی الرسالۃ کا مظنہ نہ پیدا کر دے۔

ہاں یہ بات صحیح ہے کہ ہر صحابی اپنی ذات میں علم کی اتنی روشنی اور دل میں اتنی پاکیزگی پا چکا تھا کہ ان کا کوئی دینی مسئلہ اور کوئی علمی موقف ہوائے نفسانی پر مبنی نہ ہو سکتا تھا۔ اور عام افراد امت ان میں سے کسی کی پیروی بھی کر لیں تو یہ اتباع منیبین ہی تھی کہ سب انابت الی اللہ، حسن نیت اور تزکیہ قلب کی دولت سے مالا مال تھے۔ حضورؐ سے ان کی نسبت اتنی گہری تھی کہ اور سب نسبتیں اس پر قربان ہو چکی تھیں۔

مقام صحابہ تاریخ کے آئینہ میں

محبت ایمان کی اس آزمائش میں صحابہ کرامؓ جس طرح پورے اترے اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کر لی ہے اور وہ محتاج بیان نہیں۔ بلا شائبہ و مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا۔ جیسا کہ صحابہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے راہ حق میں کیا۔ انہوں نے اس محبت کی راہ میں وہ سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کر سکتا ہے اور پھر اس کی راہ سے سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پا سکتی ہے۔ (ترجمان القرآن جلد ۲ صـ)

ان صحرانشینوں کے ایمانی کردار کا نقشہ کتنی ہی احتیاط اور فکری گہرائی سے کیوں نہ کھینچا جائے عام انسانی سطح اس ایمان افروز نظارے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اقبال مرحوم نے بجا کہا تھا۔

غرض میں کیا کہوں تم سے کہ وہ صحرا نشین کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرار
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا

یہ اتنی بڑی سچائی ہے کہ اس کے اوپر اور کوئی نقطۂ یقین نہیں صحابہ کرام کو اسلام میں وہ مقام حاصل ہے جو عام افرادِ امت کو نہیں اور اس حیثیت سے ان حضرات کے اقوال و اعمال بھی حدیث کا موضوع بن جاتے ہیں اور سمجھا جاتا ہے کہ ان میں بھی حضورؐ کے اقوال و اعمال کی ہی جھلک ہے اور یہ حضرات اسی شمع رسالت سے مستنیر ہیں۔ ان حضرات کی تنقیص کسی پہلو سے بھی جائز نہیں۔ حافظ ابو زرعہ (۲۶۴ھ) کہتے ہیں:۔

اذا رأیت الرجل ینتقص احداً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انہ زندیق وذلک ان الرسول عندنا حق والقرآن حق وانما ادی الینا ھذا القرآن والسنن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب والسنۃ والجرح لھم اولی وھم زنادقۃ۔[1]

اور جب تو کسی کو حضورؐ کے صحابہ میں سے کسی کی برائی کرتے دیکھے تو جان لے کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس لیے کہ حضور پاکؐ برحق ہیں اور قرآن کریم بھی برحق ہے اور ہمیں قرآن اور سنن صحابہ کرام ہی نے پہنچائے ہیں صحابہ کی عیب جوئی کرنے والے چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں (صحابہ) کو مجروح کر دیں تاکہ کتاب و سنت کو باطل کیا جا سکے۔ جرح کے لائق وہ خود ہیں اور یہ لوگ زندیق ہیں۔

---

[1] تاریخ ابی زرعہ الدمشقی جلد ۱ صفحہ ۲۱۲

صحابہ کے بھی اعمال حدیث کا موضوع ہیں

صحابہ کرامؓ کے اقوال و اعمال بھی بایں جہت کہ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے اور آپ کے فیض صحبت سے تزکیہ کی دولت پائے ہوئے تھے۔ ان کے افعال و اقوال میں حضور کی تعلیم قدسی کی ہی جھلک تھی اور ان سے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا تسلسل قائم ہوا ہے حدیث کا موضوع ہیں۔

سو علم حدیث وہ علم ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و اعمال کے ساتھ ساتھ آپ کے اصحاب کرام کے اقوال و اعمال سے بھی بحث کی جاتی ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ اس میں سنت قائمہ کیا ہے؛ حدیث کی تقریباً سب کتابوں میں ان نفوس قدسیہ کے فضائل و مناقب کے مستقل ابواب ہیں اور انہیں چھوڑ کر دین میں چلنے کی کوئی راہ نہیں۔

محدثین کرام کتب حدیث میں صرف مرفوع حدیثیں (وہ حدیثیں جو حضور تک پہنچتی ہوں) ہی نہیں لکھتے۔ بلکہ ان میں ایک بڑا ذخیرہ ان روایات کا بھی ہوتا ہے جن میں صحابہ کے اقوال و اعمال مروی ہوں اور یہ سلسلہ روایات مرفوع احادیث کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور انہی کی شرح ساتھ ساتھ کرتا ہے۔ امام زہری (۱۲۴ھ) اور صالح بن کیسان (۱۴۰ھ) حدیث کی طالبعلمی میں اکٹھے رہے اور دونوں نے جمع احادیث پر کمر باندھی۔ جب دونوں مرفوع روایات لکھ چکے تو آپس میں مشورہ کیا صحابہ کے اقوال و اعمال بھی ساتھ لکھے جائیں یا نہ؛ صالح بن کیسانؒ نے کہا کہ وہ سنت نہیں ہیں۔ مگر بعد میں انہیں احساس ہوا کہ اُن کی بات درست نہ تھی۔ پھر انہوں نے برملا کہا کہ:-

اجتمعت انا و ابن شہاب و نحن نطلب العلم فاجتمعنا علی ان نکتب السنن فکتبنا کل شیء سمعناہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال نکتب ایضاً ما جاء عن اصحابہ فقلت لا لیس بسنۃ و قال ھو بلی ھو سنۃ فکتب ولم اکتب فانجح وضیعت[۱]

---

[۱] المصنف لعبد الرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۸ بریکٹ کے الفاظ ہم نے شرح السنۃ للبغوی جلد ۱ صفحہ ۲۹۲ سے لیکر المصنف کے متن کی تصحیح کی ہے۔ متن میں یہاں ثم کتبنا ایضاً کے الفاظ کسی طرح صحیح نہیں فلیتنبہ۔

ترجمہ: میں اور ابن شہاب زہری اکٹھے پڑھتے تھے ہم نے باہمی اتفاق کیا کہ حدیثیں لکھیں۔ ہم نے ہر چیز جو حضورؐ کے بارے میں سُنی تھی لکھ ڈالی پھر ہم نے چاہا کہ وہ کچھ بھی لکھیں جو آپ کے صحابہ کے بارے میں روایت ہوا ہے میں نے کہا نہیں (ہم انہیں نہ لکھیں) یہ سنّت نہیں ہیں اور انہوں نے (امام زہری) کہا کیوں نہیں وہ بھی سنّت ہیں۔ سو انہوں نے لکھا اور میں نے نہ لکھا۔ وہ کامیاب رہے اور میں ضائع ہو گیا۔

معلوم ہوا کہ ہر وہ عالم جو صحابہ سے منہ موڑے گا، انہیں دین کا سرمایہ علم نہ سمجھے گا اور ان کے عمل کو سنّتِ اسلام تسلیم نہ کرے گا وہ ضائع ہو گا اور دینِ مسلسل میں اس کے لیئے جگہ نہ ہوگی۔ امام زہری (۱۲۴ھ) ہی نہیں علامہ شعبی (۱۰۳ھ) بھی کہتے ہیں کہ صحابہ حدیث کا موضوع ہیں۔ انہیں عام لوگوں کی طرح نہ سمجھنا چاہیئے۔ دوسروں کی بات آپ مانیں یا نہ لیکن صحابہ کی بات ہمیشہ لینی چاہیئے یہ سرمایہ علم ہیں اور ان کی ہر بات لائق اخذ ہے۔[۱]

بہرحال یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ صحابہ کرام کے اقوال و اعمال بھی حدیث کا موضوع ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو ہی دیکھ لیجیئے۔ ان میں صحابہ کی روایات کس قدر پائی جاتی ہیں۔ مؤطا امام مالک سے لے کر مستدرک حاکم اور سنن بیہقی سے تک کو دیکھیئے ہر کتاب میں صحابہ و تابعین کے ارشادات اور فتادے بکثرت ملیں گے۔ انہیں دیکھ کر یقین ہوتا ہے کہ امام زہری رح واقعی کامیاب رہے اور جنہوں نے صحابہ کی روایات کو حدیث کا موضوع نہ سمجھا ان کی محنتیں ضائع گئیں اور حق یہ ہے کہ علم حدیث کا موضوع صحابہ کی زندگیوں کو بھی شامل ہے اور اُن کے تعامل کو معلوم کیئے بغیر حدیث کی معرفت واقعی بہت مشکل ہے۔ یہی اکابر امت ہیں کہ جب تک علم ان سے ملے گا، اس میں خیر ہے اور جب لوگ اپنے جیسوں سے علم لینے لگیں تو اس میں ہلاکت ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) فرماتے ہیں:۔

لا یزال الناس صالحین متماسکین ما اتاھم العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن اکابرھم فاذا اتاھم من اصاغرھم ھلکوا۔[۲]

---

[۱] دیکھئے الکفایہ للخطیب البغدادی ص۴۹ [۲] المصنف لعبدالرزاق جلد ۱۱ ص۲۴۶

ترجمہ: جب تک علم اصحاب رسول سے اور اپنے بڑوں سے آتا رہے لوگ نیک اور مضبوط رہیں گے اور جب لوگوں کو علم ان کے اصاغر سے ملنے لگے (جو اُوپر سے علم لینے والے نہیں اپنے طور پر سوچنے والے اہل اہواء ہیں) وہ ہلاک ہو گئے

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ یہاں اصاغر سے مراد اہل بدعت ہیں سو اصاغرہم میں اضافت عام لوگوں کی طرف ہے اصحاب محمد کی طرف نہیں۔ حضرت امام اوزاعی (۱۵۷ھ) نے بقیہ بن ولید کو نہایت واضح الفاظ میں کہا تھا کہ جو چیز صحابہ سے منقول نہ ہو وہ علم ہی نہیں ہے۔

یا بقیۃ: العلم ما جاء عن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وما لم یجیٔ عن اصحاب محمد فلیس بعلم۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی منزلت وعظمت صحابہ میں محتاج بیان نہیں۔ آپ اکابر اہل علم سے ہیں جن کا قول و عمل اسلام میں سند سمجھا جاتا ہے۔ آپ کھل کر کہتے ہیں کہ حضورؐ کے بعد اگر کوئی قابل اقتداء ہے تو وہ اصحاب رسول ہیں۔ ان کا علم گہرا تھا۔ وہ تکلیف سے کوسوں دُور تھے اور اُن کے دل نیک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی پاک کی صحبت کے لیئے چُن لیا تھا۔

من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ھٰذہ الامۃ ابرھا قلوبا و اعمقھا علما واقلھا تکلفا۔ اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ فاعرفوا لھم فضلھم واتبعوا علی اٰثارھم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقھم وسیرھم فانھم کانوا علی الھدی المستقیم[1]

ترجمہ: جو شخص کسی کی پیروی کرنا چاہے اسے فوت شدگان کی پیروی کرنا چاہیئے۔ کیونکہ زندہ کو فتنے سے محفوظ نہیں سمجھا جا سکتا۔ وہ فوت شدگان اصحاب رسول ہیں جو اس امت کا بہترین طبقہ تھے۔ ان کے دل نیک تھے ان کا علم گہرا تھا۔ تکلف سے بہت دُور تھے۔ اللہ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت کے لیئے اور اس کے دین کی اقامت کے لیے چُن لیا تھا ان کے فضل کو پہچانو

---

[1] مشکوٰۃ ص۳۲ دہلی

ان کے نقشِ پا کی پیروی کرو جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق اور ان کی عادات سے سند پکڑو۔ بے شک وہ سیدھی راہ پر تھے۔

امام بغوی نے شرح السنہ میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں:۔

اختارهم الله لصحبة نبيه ونقل دينه فتشبهوا بأخلاقهم وطرائقهم فهم كانوا على الهدى المستقيم[1]

ترجمہ۔ چن لیا اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی مصاحبت کے لیے اور آپکے دین کو آگے پہنچانے کے لیے۔ سو ان کے اخلاق اور طریقوں کو اپناؤ۔ وہ سب راہ مستقیم پر تھے۔

حضرت حسن بصری (۱۱۰ھ) نے تو اسے قسم کھا کر بیان کیا ہے اور انہی کے عمل کو صراطِ مستقیم ٹھہرایا ہے۔[2]

فتشبهوا بأخلاقهم وطرائقهم فإنهم ورب الكعبة على الصراط المستقيم۔

ترجمہ ان کے اخلاق اور عادتوں کو اپناؤ۔ ربِ کعبہ کی قسم صحابہ سب صراطِ مستقیم پر تھے۔

پھر فرماتے ہیں:۔

ما حدثوك عن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فخذ به وما قالوا برأيهم فبل عليه[3]

ترجمہ۔ علماء جو باتیں تمہارے پاس اصحاب رسول سے روایت کریں انہیں تو لے لو اور جو بات وہ اپنی رائے سے کہیں سو اس کو جانے دو۔

اپنی رائے سے مراد یہ ہے کہ ان کی وہ بات جو قرآن و حدیث یا آثارِ صحابہ سے مستنبط نہ ہو، وہ ان کی اپنی رائے ہوگی۔ ان کا قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک اجتہاد ہوگا۔ اس سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے بارے میں فبل علیہ کے سے سخت الفاظ نہیں کہے جا سکتے۔ سو رائے سے یہاں مراد محض رائے ہے اس سے کسی طرح اجتہاد مجتہد مراد نہیں۔

یہ صحابہ کے کسی معتقد یا کسی عام امتی کی رائے نہیں ایک جلیل القدر صحابی کی ہے جو خود علم کی دولت سے مالا مال تھے۔ وہ یہاں صحابہ کرام کے صرف اخلاص و ایثار کی تعریف نہیں کر رہے بلکہ ان کے گہرے علم کی شہادت دے رہے ہیں۔ ایک اتنے بڑے عالم سے ان کے علم کی

---

[1] شرح السنہ جلد ا صفحہ ۲۱۴ [2] فتح الملہم جلد ا صفحہ ۴۸ [3] المصنف لعبد الرزاق جلد ۲ صفحہ ۲۵۶

شہادت جمیع صحابہ کی علمی گہرائی اور فکری گیرائی کا پتہ دیتی ہے اور یہ تعریف بھی صرف خلفائے راشدین یا چند اکابر صحابہ کی ہی نہیں. بلکہ علی الاطلاق عام اصحاب رسول کی بیان ہو رہی ہے. اور اس میں انہیں مقتدار ٹھہرایا جا رہا ہے. یہ صورتِ عمل اور اندازِ فکر خود پتہ دے رہا ہے. کہ صحابہ کرام کو اسلام میں اس وقت بھی وہ درجہ حاصل تھا جو عام افرادِ امت میں کسی بڑے سے بڑے عالم اور کسی بڑے سے بڑے ولی کو حاصل نہیں اور یہ صحیح ہے کہ وہ سب صراطِ مستقیم کے عملی نمونے تھے.

حضرت حسن بصری (۱۱۰ھ) نے تو اسے قسم کھا کر بیان کیا ہے اور صحابہ کے عمل کو ہی صراطِ مستقیم قرار دیا ہے. یہ قریب قریب وہی مضمون ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے. صحابہ میں اپنی مقتدار حیثیت کچھ اس طرح واضح تھی. کہ وہ برملا لوگوں کو اپنے نقشِ پا پر آنے کی دعوت دیتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک اور موقع پر فرمایا:-

اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم[1]

ترجمہ. تم ہم صحابہ کے نقشِ قدم پر چلتے رہو نئی نئی باتیں نہ نکالو. ہماری پیروی تمہارے لیئے کافی ہے.

آپ نے اس میں صحابہ کے آثار کو پوری امت کے لیئے نمونہ کہا ہے. اور اس پر بھی متنبہ فرمایا کہ بدعت کی حد صحابہ کے بعد سے شروع ہوتی ہے. حضورؐ کے بعد پیدا ہونے والی ہر دینی ضرورت صحابہ کے علمِ کفایت کے سائے میں تمہارے لیئے کافی نمونہ ہے.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی صحابہ کرام کو فرما دیا تھا کہ لوگ تمہارے مقتدی ہوں گے. دنیا کے مختلف کناروں سے تم سے دین لینے آئیں گے. حضرت ابو سعید الخدریؓ (۷۴ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ان الناس لکم تبع وان رجالا یأتونکم من اقطار الارض یتفقھون فی الدین[2]

ترجمہ. بے شک (بعد میں آنے والے) لوگ تمہارے پیرو ہوں گے وہ دنیا کے کناروں سے تمہارے پاس پہنچیں گے تاکہ دین میں (اپنے لیئے) کچھ سمجھ پیدا کریں.

---

[1] الاعتصام للشاطبی جلد ۱ صفحہ ۵۴ [2] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۷

اس میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ میری روایات لینے کے لیئے تمہارے پاس پہنچیں گے۔ بلکہ یتفقھون فی الدین فرمایا کہ وہ دین کی سمجھ لینے کے لیئے تمہارے پاس پہنچیں گے ــــــــ اس سے معلوم ہوا کہ امت کے لیئے فہم صحابہ حجت اور سند ہے اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لیئے ان کی پیروی اور ان کے پاس دین سیکھنے کے لیئے آنا اور ان سے دین سمجھنا لازم وضروری ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

فیہ ان الصحابۃ متبوعون یجب علی الناس متابعتھم والاتیان علیھم لطلب العلم[1]

ترجمہ۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ مقتدا اور پیشوا ہیں لوگوں پر ان کی پیروی کرنا اور طلب علم کے لیئے ان کے پاس آنا واجب ہے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ صحابہ صرف اپنے تابعین کے لیئے ہی متبوعون ہیں اور ان کی پیروی صرف ان کے دورِ حیات میں ہی ہوگی ــــــــ نہیں ہرگز نہیں بلکہ ان کی پیروی ان کے بعد بھی جاری رہے گی اور امت ان کے عہد میں بھی اور ان کے بعد بھی ہمیشہ ان کو اپنا مقتدا اور پیشوا سمجھے گی۔ حضرت امام نوویؒ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

انھم ائمۃ الاعلام وقادۃ الاسلام ویقتدی بھم فی عصرھم وبعدھم[2]

ترجمہ بے شک یہ حضرات (صحابہ کرام) مرکزی پیشوا ہیں اور یہی حضرات قافلہ اسلام کے قائد ہیں ان کی پیروی ان کے اپنے وقتوں میں بھی تھی اور ان کے بعد بھی جاری رہے گی۔

امام نوویؒ نے یقتدی بھم کی یہ تعبیر اپنی طرف سے نہیں کی اکابر صحابہ سے لی ہے۔ صحابہ میں صرف ایک بزرگ تھے جن کا علمی مرتبہ اور مقام عرفان حضرت فاروق اعظم سے بھی اونچا تھا۔ وہ کون تھے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ اب دیکھئے حضرت عمرؓ اپنی نسبت ان سے کس طرح قائم کرتے ہیں۔ آپ انہیں یقتدی بھم کے تحت ہمیشہ اپنا پیشوا سمجھتے تھے[3] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ آپ کی پیروی کو بھی لازمی سمجھتے رہے۔ حضرت ابو وائل (ھ) کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

---

[1] لمعات التنقیح جلد ۱ ص ۲۷ [2] شرح صحیح مسلم للنووی جلد ۱ ص ۲۸۶ [3] مسند امام احمد جلد ۳ ص ۴۱۰

کے بارے میں فرمایا :۔

هما المرأن يقتدى بهما۔[1] یہ وہ دو مرد ہیں جن کی پیروی کی جائے گی۔

یہ آپ اپنے لیے کہہ رہے تھے۔ باقی احاد امت کے لیے آپ نے کل صحابہ کرام کو پیشوا ٹھہرایا ہے۔ ایک دفعہ آپ نے طلحہ بن عبید اللہ پر حالت احرام میں رنگ دار چادر دیکھی، طلحہ نے کہا جناب اس رنگ میں خوشبو نہیں ——— عام لوگوں کے لیے اس میں مغالطے کا اندیشہ تھا۔

اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہؓ کو مخاطب کر کے کہا۔

انكم ايها الرهط ائمة يقتدى بكم الناس[2]

ترجمہ۔ اے اس گروہ کے لوگو! تم امام ہو لوگ تمہاری پیروی کریں گے۔

ایک اور موقعہ پر فرمایا :۔

انكم معشر اصحاب محمد متى تختلفون تختلف الناس بعدكم والناس حديث عهد بالجاهلية فاجمعوا على شئ يجمع عليه من بعدكم[3]

ترجمہ۔ بیشک تم حضورؐ کے صحابہ ہو جب تم اختلاف میں پڑو گے تو تمہارے بعد اور اختلاف کرنے لگیں گے۔ لوگ ابھی ابھی جاہلیت سے نکلے ہیں تم ایک بات پر جمع ہو کر رہو بعد والے بھی اس پر جمع رہیں گے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان نے مدائن میں ایک یہودی عورت سے نکاح کر لیا تو باوجودیکہ اہل کتاب سے نکاح حلال تھا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں حکم دیا کہ وہ فوراً اسے طلاق دے دیں۔ اس کی وجہ آپ نے یہ فرمائی کہ صحابی کی حیثیت چونکہ مقتدا کی ہے۔ اس لیے اندیشہ ہے کہ اور مسلمان بھی اس راہ پر نہ چل پڑیں۔ آپ نے انہیں لکھا :۔

اعزم عليك ان لا تضع كتابي حتى تخلي سبيلها فاني اخاف ان يقتديك المسلمون فيختاروا نساء اهل الذمه لجمالهن[4]

ترجمہ۔ میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط رکھنے سے پہلے پہلے اس عورت کو فارغ کر دو۔ مجھے ڈر ہے کہ مسلمان تمہاری پیروی کریں اور اہل ذمہ کی عورتوں کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے پسند کرنے لگیں۔

---

[1] صحیح البخاری جلد ۹ صفحہ ۱۱۴ [2] موطا امام مالک صفحہ ۱۴۳ کتاب الحج [3] فتح القدیر لابن الہمام جلد ۲ صفحہ ۱۳۳ [4] کتاب الآثار امام محمد صفحہ ۱۵۶

اسلام میں صحابہ کی مقتدا حیثیت ہمیشہ سے مسلم رہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو ایک خاص قسم کے موزے پہنے دیکھا ــــــــ آپؓ نے فرمایا:

عزمت عليك ان لا نزعتهما فانی اخاف ان ینظر الناس الیك فیقتدون بك[1]

میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ انہیں ابھی اتار دو مجھے ڈر ہے کہ لوگ تمہیں اس طرح دیکھیں اور تمہاری پیروی کرنے لگیں۔

صحابہ کی مقتدا حیثیت مسلم نہ ہوتی تو بار پیروی کرنے والے پر آ تا صحابہ کو اتنا محتاط چلنے کا حکم نہ ہوتا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو جب کوفہ بھیجا تو ان کے ساتھ حضرت عمار بن یاسرؓ بھی تھے دونوں کی عبقری شخصیت صحابہ میں خوب معروف تھی حضرت فاروق اعظمؓ نے سب اہل کوفہ کو انکی اقتدا کا حکم دیا۔

فاقتدوا بهما واسمعوا من قولهما قد اثرتكم بعبد الله بن مسعودؓ علی نفسی[2]

ترجمہ: تم ان دونوں کی اتباع کرو اور ان کی بات مانو اور بے شک میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو تمہارے ہاں بھیج کر تمہیں اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔

صحابہ کی یہ اتباع تابعین میں جاری رہی اور ہر ہر روایت پر کوئی نہ کوئی صحابی ضرور عامل رہا اور اس طرح جملہ احادیث تابعین میں پھیلتی چلی گئیں۔ صحابہ کی مقتدا پوزیشن تابعین اور تبع تابعین میں مسلم رہی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ تعلیم شریعت رہتی دنیا تک اسی تسلسل سے رہنی چاہیے۔

تعلموا منی احكام الشريعة وليتعلم منكم التابعون بعدكم وكذلك اتباعهم الی انقراض الدنيا[3]

ترجمہ: تم مجھ (حضور) سے احکام شریعت سیکھو تم سے تابعین سیکھیں اور اسی طرح تبع تابعین ان سے سیکھیں یہاں تک کہ دنیا اپنے آخر کو جا پہنچے۔

حضرت سالم بن عبداللہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے حضرت قاسم بن محمد سے قرأۃ خلف الامام (امام کے پیچھے قرآن پڑھے یا نہ) کا مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا:

ان تركت فقد تركه ناس يقتدى بهم وان قرأت فقد قرأه ناس يقتدى بهم[4]

ترجمہ: اگر قرأۃ خلف الامام کو چھوڑ دو تو بیشک اسے ان لوگوں نے ترک کیا جو امت کے مقتدا تھے (یعنی صحابہ کرامؓ)، اور تم پڑھ لو بیشک اسے ان لوگوں نے پڑھا ہے جن کی امت میں پیروی کی جا رہی ہے۔

---

[1] الاستیعاب جلد ۱ صفحہ ۳۱۶، الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۴۱۶ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۴ [3] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۱۷۱ [4] موطا امام محمد صفحہ ۹۶

تابعین میں اس پیرایہ میں صحابہ کا ذکر انکی مقتدا حیثیت کو واضح کرتا ہے انہی سے سنت اسلام جاری ہوئی اور وہ اس کے اہل تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۵۵ھ) جب گھر میں نماز پڑھتے تو نماز لمبی کرتے، رکوع وسجود طویل کرتے اور جب مسجد میں نماز پڑھتے تو جلدی کرتے۔ آپ کے بیٹے حضرت مصعب نے اس کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا :۔ یابنیّ انا ائمة یقتدی بنا[1]
ترجمہ: اے میرے بیٹے بے شک ہم صحابہ ائمہ ہیں ہماری پیروی (امت میں) کی جاتی رہے گی۔

صحابہ کے عمل کے لئے لفظ سنّت کا اطلاق

حصین بن المنذر ابو ساسان (ھ) کہتے ہیں کہ میں حضرت عثمانؓ کے پاس موجود تھا۔ جب ولید کو حد مارنے کے لئے لایا گیا۔ آپ نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو حکم دیا کہ وہ ولید کو کوڑے لگائیں۔ آپؓ نے اپنے بیٹے حضرت حسنؓ سے کہا کہ وہ لگائیں۔ انہوں نے عذر کیا تو آپؓ نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ (۸۰ھ) سے کہا کہ ولید پر سزا جاری کریں۔ وہ کوڑے لگاتے جاتے تھے اور حضرت علیؓ گنتے جاتے تھے۔ جب چالیس ہو گئے تو آپؓ نے فرمایا بس یہیں تک۔ اس کے بعد آپؓ نے (حضرت علیؓ نے) کہا :۔

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین وابوبکر اربعین وعمر ثمانین وکل سنة[2]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑوں کی سزا دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی چالیس کوڑے ہی لگوائے۔ حضرت عمرؓ نے اسّی کوڑے لگوائے اور ان میں سے ہر عمل اپنی جگہ سنت ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خود اپنے دور میں بھی اکابر صحابہ کے عمل کے لئے سنت کا لفظ استعمال ہوتا تھا اور یہ بات ان حضرات ترکیہ صفات میں عام تھی کہ صحابہ کا عمل بھی سنت میں شامل ہے اور یہ کہ امت میں ان کی پیروی کی جاتی رہے گی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سنت کا لفظ اس وسیع معنی میں استعمال کیا ہے۔ اپنی

---

[1] المصنف لعبد الرزاق جلد ۲ صفحہ ۳۶۷، مجمع الزوائد للہیثمی جلد ۱ صفحہ ۱۸۲
[2] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۱، سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۶۰، سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۸۸

سنت کے ساتھ راشدین کے عمل کو بھی سنت ٹھہرایا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

فمن ادرك ذلك منكم فعليه بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين۔[1]

ترجمہ: سو تم میں سے جو شخص اس وقت کو پائے سو اسے چاہیئے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ ان حضرات قدسی صفات کی یہ پیروی ازجہت خلافت تھی کہ اولوالامر کی پیروی مسلمانوں پر لازم ہے ——— نہیں آپ کا ان حضرات کے عمل کو سنت قرار دینا ازجہت صحابیت اور فیض رسالت سے براہ راست تزکیہ پائے ہوئے ہونے کی حیثیت سے تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو خلیفہ نہ تھے۔ آپ نے تو ان کے بارے میں بھی پیروی کا حکم فرمایا۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:۔

كان الناس لا يأتمون بإمام اذا كان له وتر ولهم شفع وهو جالس يجلسون وهو قائم حتى صلى ابن مسعود وراء النبي صلى الله عليه وسلم قائما فقال النبي صلى الله عليه وسلم ان ابن مسعود سن لكم سنة فاستنوا بها۔[2]

ترجمہ: جب لوگوں کی دو رکعت رہتی ہوں اور امام کی ایک اور وہ بیٹھا ہو تو یہ برابر بیٹھے رہتے اور امام کھڑے ہو کر اپنی رکعت پوری کرلیتا اور یہ پھر بھی بیٹھے رہتے یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضورؐ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پوری کی حضورؐ نے اس پر فرمایا بیشک ابن مسعودؓ نے تمہارے لیئے ایک طریقہ واضح کیا ہے اسکی پیروی کرتے رہنا۔

علامہ ابن ہمام حضرت معاذ بن جبلؓ (۱۸ھ) کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قد سن لكم معاذ فاقتدوا به۔[3]

معاذ نے تمہارے لیئے اسے سنت قائم کیا ہے سو تم اس کی پیروی کرو۔

حافظ ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:۔

والسنة هي الطريق المسلوكة فيشمل ذلك التمسك بما كان عليه هو والخلفاء الراشدون من الاعتقادات والاعمال والاقوال وهذه السنة الكاملة۔[4]

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۲، سنن دارمی صفحہ ۲۶ [2] المصنف جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ [3] فتح القدیر لابن الہمام جلد ۲ صفحہ ۱۲۵ [4] ایضاً جامع العلوم صفحہ ۱۹۱

ترجمہ۔ اور سنت وہ رستہ ہے جس پر چلا جائے اور اس طریقے کو جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ چلتے رہے پکڑنے کا نام ہے عقائد میں بھی اعمال میں بھی اور اقوال میں بھی یہی سنّت کاملہ ہے۔

جو لوگ دُنیا میں دین قائم کرنے کے لیے چُنے جا چکے ہوں اور انہیں خدا تعالیٰ نے آخری نبی کی صُحبت قدسیہ کے لیے پیدا کیا ہو جو دین کو آگے پہنچانے کے امین نبوی ہوں تو ہدایت اگر اُن کے نقش پا سے نہ ملے گی تو اور کہاں سے ملے گی ـــــــ سو ان کے نقش پا کی پیروی آئندہ ہر فرد اُمّت پر لازم ٹھہری اور یہی لوگ حضورؐ کے بعد صراط مستقیم کے عملی سالار تھے۔ حضرت عباد بن عباد الخواص الشامی (ھ) لکھتے ہیں :۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اماماً لاصحابہ وکان اصحابہ ائمۃ لمن بعدہم۔[1]

ترجمہ۔ حضور اپنے صحابہ کے امام تھے اور آپ کے صحابہ اپنے بعد میں آنے والے لوگوں کے امام تھے۔

امام ابن شہاب الزہری (۱۲۴ھ) نے صالح بن کیسان کو صاف کہہ دیا تھا۔

نکتب ما جاء عن اصحابہ فانہ سنۃ۔[2]

ترجمہ۔ ہم صحابہ سے کی گئی مرویات بھی لکھیں گے کیونکہ وہ بھی سنّت ہیں۔

صحابہ کرام کی فیصلہ کُن حیثیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آپ کے کسی عمل کی مرویات میں کسی قسم کا اختلاف ہو تو صحابہ کرام کے عمل کو فیصلہ کُن حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ صحابہ موضوع حدیث سے خارج کر دیئے جائیں تو علم حدیث کا سمجھنا سمجھانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ صحابہ وہ روشنی کے مینار ہیں۔ جن کے سایہ میں حدیث کا مطالعہ نتیجہ خیزی پیدا کرتا ہے اور واقعی انہیں اس باب میں فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔ امام السنن حضرت امام ابو داؤد السجستانی (۲۷۵ھ) لکھتے ہیں :۔

قال ابو داؤد اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی ما عمل بہ اصحابہ من بعدہ۔[3]

---

[1] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۶ [2] تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی جلد ۱ صفحہ ۴۱۲ [3] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۳۶ مع البذل

ترجمہ۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی موضوع پر دو مختلف روایتیں ملیں تو (انہیں حل کرنے کے لیے) یہ دیکھا جائے گا کہ آپ کے صحابہ نے آپ کے بعد کیا عمل کیا ہے۔

اس سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ حدیث کے موضوع میں صحابہ بھی داخل ہیں اور ان کے اقوال و اعمال کے بغیر مشکلات حدیث کو حل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ انہی کے اعمال ہیں جن کی روشنی میں تعلیم نبوت کی تفہیم ہوتی ہے۔ حافظ ابوبکر جصاص رازی (۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:۔

اذا کان متی روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبران متضادان وظهر عمل السلف باحدهما کان الذی عمل السلف به اولیٰ بالاثبات۔[1]

ترجمہ۔ جب حضورؐ سے دو حدیثیں اس طرح کی مروی ہوں جو آپس میں ٹکراتی ہوں اور سلف کا عمل ان میں سے کسی ایک پر ہو تو سنت قائمہ وہ ہوگی جس پر سلف کا عمل ہو۔

حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) حضرت امام محمدؒ (۱۸۹ھ) سے روایت کرتے ہیں:۔

روی محمد بن الحسن عن مالک بن انسؓ انه قال اذا جاء عن النبی صلی اللہ علیه وسلم حدیثان مختلفان وبلغنا ان ابابکر وعمر عملا باحد الحدیثین و ترکا الاٰخر کان فی ذلک دلالة ان الحق فیما عملا به۔[2]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ سے جب دو مختلف حدیثیں مروی ہوں اور ہمیں یہ بات پہنچے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے ایک پر عمل کیا ہے اور دوسری کو چھوڑ دیا ہے۔ تو اس سے پتہ چلے گا کہ حق وہ ہے جس پر ان کا عمل ہوا۔

امام طحاوی (۳۲۱ھ) لکھتے ہیں۔ اختلاف آثار میں عمل امصار کا اعتبار کیا جائے گا جس بات پر پچھلوں کا عمل پایا جائے۔ اسے پہلی بات کا ناسخ سمجھا جائے گا۔ آپ لکھتے ہیں:۔

فلما تضادت الاٰثار فی ذلک وجب ان ننظر الی ما علیه عمل المسلمین الذین قد جرت علیه عادتهم فنعمل علیٰ ذلک ویکون ناسخا لما خالفه۔[3]

امام زہری نے ایک دفعہ دو متعارض حدیثیں روایت کر کے ایک حدیث کو ناسخ قرار دے دیا لیکن خلفائے راشدین کا عمل دوسری روایت پر تھا۔ اس پر محدثین بلکہ امام زہری کے شاگردان

---

[1] احکام القرآن جلد ۱ صفحہ ۱۵ طبع ۱۳۴۷ھ [2] التمہید جلد ۳ صفحہ ۲۵۳ [3] طحاوی شریف جلد ۱ صفحہ ۳۴۱

پر جن الفاظ میں برسے وہ بھی دیکھ لیجئے۔ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں۔

وھذا مما غلط فیہ الزھری مع سعۃ علمہ وقد ناظرہ اصحابہ فی ذلک فقالوا کیف یذھب الناسخ علی ابی بکر وعمر وعثمان وعلی وھم الخلفاء الراشدون۔[1]

ترجمہ۔ امام زہری نے اس وسعت علمی کے باوجود یہاں غلطی ہے آپ کے اصحاب نے ان سے اس باب میں مناظرہ کیا ہے وہ کہتے ہیں یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ان حضرات کو ناسخ کا پتہ نہ چلے وہ خلفائے راشدین ہوں۔

صحابہ کرام کی پیشوا حیثیت authoritative status اہل حق میں ہمیشہ مسلم رہی ہے۔ امام اعظم اور امام احمد تو ان کی پیروی کو واجب قرار دیتے ہیں۔ یہی حضرات قافلہ اسلام کا ہراول دستہ تھے۔ ان کے بعد آنے والے اسی لیئے تو تابعین تھے۔ کہ یہ حضرات متبوعین تھے۔ اگر ان کی پیروی جاری نہ ہوئی ہوتی تو اس امت کی دوسری صف کبھی تابعین کا اعزاز نہ پاتی۔ جلیل القدر تابعی خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز (۱۰۰ھ) صحابہ کی دینی بصیرت کا ان پرشکوہ الفاظ میں ذکر کرتے ہیں :۔

فارض لنفسك ما رضی بہ القوم لانفسھم فانھم علی علم وقفوا وببصر نافذ کفوا وانھم علی کشف الامور کانوا اقوی وبفضل ما کانوا فیہ اولی فان کان الھدی ما انتم علیہ لقد سبقتموھم الیہ۔[2]

ترجمہ۔ تم اپنے لیئے وہی (عقیدہ اور عمل) پسند کرو جو صحابہ نے اپنے لیئے پسند کیا تھا وہ علم پر پوری طرح جمے تھے اور دین پر گہری نظر رکھتے تھے۔ دینی حقیقتوں کے کھلنے کی تم سب سے زیادہ اہلیت رکھتے تھے اور علم و فضل میں وہ تم سے بہت آگے تھے۔ اگر تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ تم (ان سے ہٹ کر) راہ راست پر ہو تو تم اس کے مدعی ہو کہ دین میں تم ان سے آگے نکل گئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی پوری کوشش تھی کہ ناقہ امت کسی مرحلے پر بے مہار نہ رہے شاہراہ اسلام کے ان پیشواؤں کو پیشوا ہی سمجھنا چاہیئے۔ اقبال نے قوم کو قطار میں دیکھنا چاہا۔

---

[1] التمہید جلد ۳ صـ۳۳۴ [2] سنن ابی داؤد جلد ۲ صـ۶۳۳

تو اس نے بھی کہا۔

من کجا نغمہ کجا ساز سخن بہانہ ایست ؎ سوئے قطار مے کشم ناقہ بے زمام را

حضرت عمر بن عبد العزیز کی یہ نصیحت کہ اپنے لیئے وہی عقیدہ اور عمل پسند کرو جو صحابہ نے اپنے لیئے کیا تھا کہاں ہے؟ سنن ابی داؤد جیسی حدیث کی مرکزی کتابوں میں اس قسم کی نصیحتوں کا ہونا پتہ دیتا ہے کہ صحابہ کی شخصیات کریمہ بے شک علم حدیث کا موضوع ہیں۔ اور ان کے اعمال و اقوال کو جانے بغیر تعلیمات رسالت کو ان کے صحیح پیمانے میں آتارنا کسی طرح ممکن نہیں یہی وجہ ہے کہ حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں صحابہ کے اعمال و اقوال کو قرار واقعی جگہ دی گئی ہے اور حق یہ ہے کہ ان کا اتفاق و اجماع ہی علم صحیح اور حجت ثابتہ ہے۔ حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں:۔

اجماع الصحابة حجة ثابتة وعلم صحيح، اذا كان طريق ذلك الاجماع — التوقيف فهو اقوى ما يكون من السنن وان كان اجتهاداً ولم يكن فى شئ من ذلك مخالفاً فهو ايضاً علم وحجة لازمة قال الله عزوجل ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولىٰ ونصله جهنم وساءت مصيرا وهكذا اجماع الامة اذا اجتمعت على شئ فهو الحق الذى لا شك فيه[1]

ترجمہ۔ صحابہ کا اجماع ایک حجۃ قائمہ اور علم ثابت ہے یہ اجماع توقیف سے ہو تو یہ سنن میں سب سے زیادہ قوی ہے اور اگر یہ اجتہاد سے ہو اور کوئی بات اس کے خلاف نہ ٹھہرے تو یہ بھی علم ثابت اور حجۃ لازمہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ جو مومنین کے طریقے کے خلاف چلے ہم اسے ادھر ہی لوٹا دیتے ہیں جدھر وہ خود پھرا۔ اور اسے جہنم پہنچا دیتے ہیں اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ اسی طرح (اس اجماع کی طرح) امت کا اجماع ہے جب وہ کسی بات پر جمع ہوگئی تو وہ ایسی سچائی ہے جس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔

ہم پہلے بحث کر آئے ہیں کہ صحابہ کرام کی شخصیات کریمہ جرح سے بالا ہیں۔ حافظ ابن اثیر جزری

---

[1] التمہید جلد ۴ ص ۲۶۷

کے الفاظ کو پھر سامنے لائیے۔

لا یتطرق الیہم الجرح لان اللہ عزوجل ورسولہ زکاہم وعدلاھم[1]

ترجمہ۔ جرح اُن کی طرف راہ نہیں پاتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کا تزکیہ کیا اور تعدیل کی ہے۔

جب یہ حضرات جرح و تنقید سے بالا ہیں اور سب کے سب عدول ہیں تو ان کے تعلیم رسالت سے تعلیم یافتہ ہونے اور تزکیہ رسالت سے تزکیہ یافتہ ہونے کا تقاضا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو سند سمجھا جائے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا۔ کہ جب صحابہ کسی مسئلہ میں خود مختلف ہوں تو ان میں غور کرنا کہ کس کی بات درست ہے کیا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا "نہیں"، تم جس کی چاہو پیروی کرلو۔ لیکن ان میں سے کسی کے موقف پر رائے زنی نہ کرو۔

اذا اختلف اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسئلۃ ھل یجوز فیہ ان ننظر فی اقوالہم لنعلم مع من الصواب منہم فنتبعہ؟ فقال لایجوز النظر بین اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت کیف الوجہ فی ذلک؟ تقلد ایہم احببت۔[2]

ترجمہ۔ صحابہ کرامؓ میں جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو کیا جائز ہے کہ ہم ان کے اقوال کا جائزہ لیں کہ راستی کس کے پاس ہے تاکہ ہم اس کی پیروی کریں؟ آپ نے مجھے فرمایا کہ نہیں جائز کہ اصحاب رسول کا جائزہ لیا جائے۔ میں نے کہا پھر کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا ان میں سے جس کی چاہو پیروی کرلو۔

امام ابن صلاح لکھتے ہیں۔ صحابہ کی خصوصیت ہے کہ ان میں سے کسی کی عدالت پر سوال نہیں ہو سکتا کہ یہ سب بہترین امت تھے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

لکونہم علی الاطلاق معدلین بنصوص الکتاب والسنۃ واجماع من یعتد[3] فی الاجماع من الامۃ قال اللہ تعالیٰ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس[3]

ترجمہ۔ وہ سب کتاب و سنت اور امت میں جن کا اعتبار ہے ان کے اجماع کی رو سے مطلقاً عادل تھے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کہا ہے "تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیئے لائے گئے۔

---

[1] اسد الغابہ مقدمہ صـ۱ [2] جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبدالبر جلد ۲ صـ۱۳ [3] علوم الحدیث للامام ابن صلاح صـ۲۶۴

موضوعِ حدیث کا تیسرا اہم پہلو

یہ بات ہمارے سامنے پوری طرح مبرہن ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات و اعمال اور آپ کی نظر کردہ تمام جزئیات جن پر آپ نے کوئی اعتراض نہ فرمایا انہیں اپنے سکوت سے منظوری دی اور آپ کے صحابہ کرام کے تمام اقوال و اعمال جو تعلیمات رسالت مآب کے ترجمان ٹھہرے سب حدیث کا موضوع ہیں اور صحاح ستہ اور دیگر معتمد کتب حدیث صحابہ کی ہزاروں مرویات و جزئیات کو اپنے دامن میں لئے کھلی شہادت دے رہی ہیں کہ صحابہ کرامؓ بھی علم حدیث کا ایک بڑا اہم موضوع ہیں اور انہیں جانے اور سمجھے بغیر علم حدیث سے صحیح استفادہ کسی طرح ممکن نہیں۔ لیکن اب ہم اس سے ذرا آگے بڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ محدثین کرام نے فن حدیث میں صحابہ کرام کے بعد بھی کسی اہم موضوع پر بحث کی ہے؟ اس موضوع کو عبور کر کے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات کے بعد محدثین کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ تعامل امت کا رہا ہے۔ انہوں نے یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ ان مرویات حدیث کو امت نے کس طرح اپنے پیمانہ عمل میں اتارا اور کس طرح ان سے امت میں سنن جاری ہوئیں۔

موضوعِ حدیث میں تعاملِ امت پر نظر

جامع ترمذی کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ امام ترمذی حدیث کی روایت کے ساتھ ساتھ امت کے تعامل پر بھی پوری نظر رکھتے ہیں اور اہل علم کے مختلف مسالک سے بحث کرتے ہیں اور ان کے حوالے بھی دیتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ سنت صرف روایت سے ثابت نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ امت کا تعامل بھی ضروری ہے کوئی حدیث سند کے لحاظ سے کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو۔ اگر اس پر امت کا عمل نہیں تو اس کی حجیت قطعی نہ رہے گی۔ زیادہ گمان یہی ہو گا کہ وہ عمل منسوخ ہو چکا۔ محدثین حدیث کی حفاظت پر اس کے معمول بہ ہونے سے بھی استدلال کرتے رہے ہیں۔ امام وکیع نے اسمٰعیل بن ابراہیم مہاجر سے نقل کیا ہے:۔

کان یستعان علی حفظ الحدیث بالعمل بہ۔[1]

ترجمہ۔ حفظ حدیث میں اس کے عمل سے بھی مدد لی جاتی تھی (یعنی یہ کہ اس پر عمل بھی ہو)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث کے معمول بہ ہونے کا اس کی صحت اور مقبولیت پر بہت اثر رہا ہے اور محدثین کو ایسی روایات بہت کھٹکتی رہی ہیں جو معمول بہ نہ رہی ہوں۔ امام ترمذی ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

جمیع مافی ھذا الکتاب من الحدیث ھو معمول بہ وبہ اخذ بعض اھل العلم ماخلا حدیثین حدیث ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمع بین الظہر والعصر بالمدینۃ والمغرب والعشاء من غیر خوف ولا سفر ولا مطر وحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال اذا شرب الخمر فاجلدوہ فان عاد فی الرابعۃ فاقتلوہ۔[2]

ترجمہ۔ جو کچھ اس کتاب میں ہے اس پر (کسی نہ کسی حلقے میں) عمل ضرور رہا ہے اور اس کے مطابق اہل علم کی ایک جماعت نے فیصلہ کیا ہے سوائے ان دو حدیثوں کے ایک حدیث حضرت ابن عباسؓ کی یہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خوف سفر اور بارش کے کسی عذر کے بغیر مدینہ منورہ میں ظہر اور عصر یکجا اور مغرب اور عشاء اکٹھی پڑھی ہیں۔ اور دوسری حضورؐ کی یہ حدیث کہ جب کوئی شراب پیئے تو اسے کوڑے لگاؤ اور چوتھی دفعہ پیئے تو اسے قتل کردو۔

یہ دونوں حدیثیں سند کے اعتبار سے لائق استدلال ہیں۔ لیکن یہ بات بھی صحیح ہے کہ ائمہ دین میں کسی نے ان کے ظاہر پر عمل نہیں کیا۔ بلکہ اس کے ترک پر اہل علم کا اجماع رہا ہے ائمہ مجتہدین اور ان کے مشکلات کو علم حدیث کے موضوع میں شامل نہ کیا جائے تو بڑی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ صحت حدیث کا مدار صرف سند پر نہیں۔ اہل علم کے عمل سے بھی حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اکثر اوقات عمل صحت پر متفرع ہوتا ہے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کبھی صحت عمل پر بھی متفرع ہوتی ہے۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالحق سیالکوٹی لکھتے ہیں:۔

---

[1] تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی صـ۳۱۱ جلد ۱ [2] جامع ترمذی کتاب العلل صـ۶۲۶ ج ۲

اکثر اوقات عمل صحت پر متفرع ہوتا ہے اور صحت روایت اصول کی رُو سے شروط معتبرہ مجوزہ ائمہ جرح و تعدیل کے ساتھ ہوتی ہے اور بعض دفعہ صحت عمل پر متفرع ہوتی ہے صورت اوّل عام ہے۔۔۔۔ صورت دوم خاص ہے اور اس کی تصریح محققین نے کردی ہے۔ امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب التعقبات علی الموضوعات میں لکھتے ہیں:۔

ان الحدیث اعتضد بقول اھل العلم وقد صرح غیر واحد بأن من دلیل صحۃ الحدیث قول اھل العلم بہ وان لم یکن لہ اسناد یعتمد علی مثلہ۔

ترجمہ: اہل علم کے قول اور تعامل کے ساتھ حدیث ضعیف ضعف سے نکل کر صحیح اور قابل عمل ہو جاتی ہے اگرچہ اس کی اسناد لائق اعتماد نہ ہو اور بہت سے اہل علم کا یہ قول ہے۔

بعض فضلائے امت و امنار ملت میں اس صورت دوم کے اپنے موضع میں پائے جانے کی وجہ سے بعض کوتہ اندیش جاہل اپنی کج فہمی کی وجہ سے ان پر اعتراض کرتے ہیں کہ فلاں مولوی حدیث کا تارک ہے[1]

حافظ ابن صلاح مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ جب ہم کسی حدیث کو صحیح قرار دیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حدیث یقیناً صحیح ہے اور اس کی صحت درجہ علم تک پہنچی ہے بلکہ اس حکم صحت سے مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ اس میں صحیح کی وہ فنی شرائط موجود ہیں۔ جو محدثین کے ہاں صحت حدیث کے لیئے درکار ہیں۔ لہذا گمان یہی ہے کہ وہ حدیث صحیح ہوگی۔ اسی طرح ضعیف کا مطلب بھی یہ نہیں کہ یقینی طور پر وہ خلاف واقع ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نفس الامر میں صحیح ہو یہی وجہ ہے کہ اہل علم کا تعامل اس کی فنی کمزوریوں کو ڈھانپ لیتا ہے۔

اس کی پوری بحث انشاء اللہ العزیز قواعد حدیث میں آئے گی۔ یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ علم حدیث میں بعض دفعہ اہل علم کا تعامل اور ان کے مختلف مسالک بھی موضوع بن جاتے ہیں۔ اس لیئے موضوع حدیث میں ان تمام مباحث کو شامل ہونا چاہیئے۔ حدیث سنداً کمزور بھی ہو تو تلقی بالقبول سے لائق قبول ہو جاتی ہے[2] اور اسے صحیح بھی کہہ سکتے ہیں۔

---

[1] الانصاف لرفع الاختلاف ص۲، مطبوعہ ۱۳۲۸ھ مطبع رفاہ عام سٹیم پریس لاہور [2] تدریب الراوی ص۱۵

ائمہ صحاح میں سے امام ترمذی نے اس پر بنیادی کام کیا ہے۔ احادیث روایت کرنے کے بعد ان پر صحت و تحسین کا حکم بھی لگاتے ہیں اور ان پر امت کے مختلف حلقوں کا عمل بھی نقل کرتے ہیں۔ آپ کی نظر میں امت کا تعامل ایک بڑی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت امام طحاوی کا یہ ضابطہ بھی اس سلسلہ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے :۔

فلما تضادت الآثار فی ذلک وجب ان ننظر ما علیہ عمل المسلمین۔[1]

پھر رواۃ حدیث میں بھی صرف ان کی روایت نہیں دیکھی جاتی۔ ان راویوں کی امامت پر بھی نظر کی جاتی ہے۔ امام طحاوی (۳۲۱ھ) نے نکاح المحرم کی بحث میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مشہور شاگردوں کی ایک فہرست دی ہے اور ان کی روایات کے ساتھ ساتھ ان کی آراء کو بھی اہمیت دی ہے۔ آپ لکھتے ہیں :۔

وھؤلاء کلھم ائمۃ فقہاء یحتج بروایاتھم وآرائھم والذین نقلوا عنھم فکذلک ایضا...... فھؤلاء ایضا ائمۃ یقتدی بروایاتھم ...... فکل ھؤلاء ائمۃ یحتج بروایاتھم فما رووا من ذلک اولی مما روی من لیس کمثلھم فی الضبط والتثبت والفقہ والامانۃ۔[2]

محدثین کی ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا موضوع سخن صرف احادیث و آثار نہ تھے۔ ائمہ تابعین اور مجتہدین کی روایات و آراء پر بھی ان کی پوری نظر ہوتی تھی۔ امام ترمذی اور امام طحاوی نے اس موضوع پر اپنے اپنے رنگ میں بہت مفید کام کیا ہے۔ اور امت کے لیے فہم حدیث کی راہیں بہت دور تک کھول دی ہیں۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

محدثین کرام کی تاریخ پر گہری نظر

محدثین کرام حدیث کے ناسخ و منسوخ کو جاننے، صحابہ کے اختلافات کو پہچاننے اور راویوں کے اتصال و انقطاع کو سمجھنے کے لیے تاریخ میں پوری دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ امام بخاری کی التاریخ الکبیر ان کے ذوق تاریخ کی ایک کھلی شہادت ہے۔ حافظ ابن جریر

---

[1] طحاوی شریف جلد ۱ صفحہ ۲۴۷ [2] طحاوی جلد ۱ صفحہ ۵۱۳

(۳۱۰ھ) بڑے مفسر اور محدث تھے۔ ان کی تاریخ طبری سے کون واقف نہیں۔ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) بڑے محدث اور مفسر تھے۔ ان کی عظیم وضخیم کتاب البدایہ والنہایہ کس حلقۂ علم سے مخفی ہے؟ اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ محدثین نے ہی مسلمانوں میں ذوق تاریخ پیدا کیا اور وہی اس فن کے اولین سالار تھے۔ یہ انہیں کی کاوشیں ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو علم تاریخ میں دوسری قوموں کا امام بنا دیا اور اقوام عالم نے مسلمانوں سے ہی تاریخ لکھنی سیکھی۔ تاریخ نویسی پر سب سے پہلے حضرت امیر معاویہؓ نے توجہ فرمائی تھی اور انہی سے اس فن کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

محدثین کے پیش نظر صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی شخصیات ہی نہ تھی۔ ان کے اعمال و وقائع کے مختلف ادوار بھی سب ان کے سامنے ہوتے تھے۔ حضرت امام بخاریؒ نے اس بحث میں کہ اگر امام بوجہ بیماری بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ یہ اصول بیان کیا ہے کہ اس میں آپ کے آخری عمل کو دیکھا جائے گا۔ امام بخاری اس مسئلہ کے پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے پہلے وہ روایات لائے ہیں۔ جن میں مقتدیوں کو بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر لکھتے ہیں:-

ثم صلى بعد ذلك النبي صلى الله عليه وسلم جالساً والناس خلفه قيام لم يأمرهم بالقعود وانما يؤخذ بالآخر فالآخر من فعل النبي صلى الله عليه وسلم[1]

ترجمہ: حضورؐ نے اس کے بعد بیٹھ کر نماز پڑھی۔ لوگ آپ کے پیچھے کھڑے رہے آپ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور بات یہ ہے کہ حضورؐ کے آخری عمل اور پھر جو آخری عمل ہو اس کو لیا جائے گا۔

اس روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ امام بخاریؒ حضورؐ کی اس تقریری حدیث سے آپ کی پہلی قولی حدیث کو منسوخ سمجھ رہے ہیں۔ قولی حدیث کا تقریری حدیث سے منسوخ ہونا یہاں ثابت ہے۔ حضرت امام مسلمؒ لکھتے ہیں:-

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۹۶

كان صحابة رسول الله صلى الله عليه وسلم يتبعون الاحدث فالاحدث من امره صلى الله عليه وسلم[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ کے احکام میں سے تازہ ترین حکم کو ماخذ دین سمجھتے تھے اور اسے ہی لائق تمسک قرار دیتے تھے۔

حضرت امام مسلمؒ نے امام زہریؒ (۱۲۴ھ) کا بھی یہ قول نقل کیا ہے:۔

انما يوخذ من امر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالآخر فالآخر[2]

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ (۱۵۰ھ) کا موقف یہ تھا کہ حضورؐ کی آخری بات کو حجت سمجھا جائے گا۔[3]

امام ابو داؤد صاحب السنن ترک الوضوء مما غیرتہ النار کی بحث میں لکھتے ہیں:۔

عن جابر قال كان آخر الامرين عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ترك الوضوء مما غيرت النار[4]

امام زہری ایک دوسری بحث میں فرماتے ہیں کہ كان الفطر آخر الامرين[5]۔ اس باب میں روزہ نہ رکھنا ہی حضورؐ کا آخری عمل ہے۔

علامہ خطابی (۳۸۸ھ) کے یہ الفاظ بھی اس ضابطے کی تائید کرتے ہیں:۔

انما يؤخذ بالآخر من آخر فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم[6]

شیعہ محدثین نے بھی اس اصول کو تسلیم کیا ہے کہ حضورؐ کے آخری عمل کو ہی اپنانا چاہیئے[7] اور اسی سے سند لانی چاہیئے۔ مگر افسوس کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری باجماعت نماز کو اپنے لیے سند نہ بنا سکے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ محدثین موضوع حدیث میں تاریخ کے مختلف اطوار اور اعمال کے مختلف ادوار سے پوری طرح واقف ہوتے تھے اور ان کے ہاں ناسخ و منسوخ

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۵۵ (۲) ایضاً صفحہ ۳۵۶ (۳) الانتقار صفحہ ۱۴۲ (۴) سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۱۲ مع البذل (جدید)

(۵) صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۵۶ دراجع لہ الطحاوی صفحہ ۳۳۲ جلد اول (۶) معالم السنن جلد ۱ صفحہ ۱۰۳ (۷) فروع کافی جلد ۴ صفحہ ۱۲۷ طبع ایران و یؤیدہ ما فی اصول الکافی جلد ۱ صفحہ ۶۷ من قولہ اخذ بالاخیر

کی بحثیں تاریخی پس منظر میں چلتی تھیں اور اسی سے نتیجہ خیز ہوتی تھیں۔

حدیث کے مختلف موضوع

یہ بات آپ کے سامنے آچکی ہے کہ حدیث کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور صحابہ کرامؓ کی شخصیاتِ کریمہ ہیں۔ یہ بات بھی آپ پر پوری طرح روشن ہوئی کہ ان حضرات کے مختلف مواقف کو سمجھنے کے لیے ان کی مرویات کے مختلف ادوار کا تاریخی مطالعہ اور مختلف علمی حلقوں میں ان کے زیرِ عمل آنے اور مختلف ائمہ کے تعامل پر نظر کرنا بہت ضروری ہے اور یہ محدثین کا ہمیشہ موضوع رہا ہے —— اب یہ بات بھی جان لیجیے کہ حدیث کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے صرف تعبدی امور اور سنن ہی نہیں۔ علم حدیث ان کی انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ محدثین نے انسانی زندگی کے تمام دوائر، عقائد و افکار، اعمال و عبادات، تقوےٰ و احسان، اخلاق و معاملات اور وقائع و سیر پر بحث کی ہے اور ان تمام ابوابِ زندگی میں امت کو حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کی تعلیماتِ قدسیہ سے جلا بخشی ہے۔ پچھلوں کو پہلوں سے وابستہ رکھنے کے لیے کتب حدیث میں کتاب التفسیر جیسے ابواب بھی قائم کیے ہیں۔ جگہ جگہ قرآن کریم کی آیات سے احادیث پہ باب باندھے ہیں۔ اور عملاً بتایا ہے کہ حدیث کا موضوع قرآن کریم کی عملی تفصیل اور امت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کی ایک معیاری تشکیل ہے۔

اسلامی زندگی کی تشکیل میں صحابہؓ کے عمل کو سنّت کہنا اور پچھلوں کے لیے اُسے لازم کرنا فقہاء محدثین کے ہاں عام رہا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ان ابن مسعود سن لکم سنۃً فاستنوا بھا آپ سن آئے ہیں۔ "معاذ سن لکم معاذ فاقتدوا بہ" بھی آپ سُن چکے۔ اب حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۴ھ) کی تصریح بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ایک مسئلہ جو کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابتؓ سے منقول تھا۔ اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔ انہ السنۃ (یہ سنت ہے) علامہ سرخسی (۴۹۰ھ) لکھتے ہیں۔ انہ السنۃ یعنی سنۃ زید بن ثابت۔[1]

---

[1] المبسوط جلد ۲۲ ص۹

ایک شخص نے آپ سے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے دریافت کیا آیا وہ عراق سے ہے۔ (یعنی کچھ پڑھا لکھا ہے؟) اس نے کہا نہیں۔ میں ایک ناواقف طالب علم ہوں۔ آپ نے بتلایا سنت یوں ہی چلی آرہی ہے۔ آپ نے اسے حضرت زید بن ثابتؓ سے لیا ہے۔

أعراقي انت قال «لا بل جاهل متعلم»، قال هكذا السنة اراد سنة زيد بن ثابت [1]

ایسا ایک واقعہ نہیں۔ تاریخ و حدیث میں ایسے بے شمار وقائع ملتے ہیں۔ جہاں صحابہ کرام کے اعمال اور فیصلوں کو امت میں سنت کی جگہ دی گئی۔ سو اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ حدیث کا موضوع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور صحابہؓ کی شخصیات کریمہ میں اور ان کے ساتھ ان کی زندگیوں کے تمام دوائر اور ان کے تمام ادوار بھی اس فن کا موضوع سمجھے گئے ہیں۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۹۷ھ) کون ہیں؟ تابعی کبیر جنہیں تابعین میں تقریباً وہی درجہ حاصل ہے جو صحابہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرق یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کا تمام صحابہ سے افضل ہونا ایک قطعی اور اجماعی بات ہے جسے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق حاصل تھی اور حضرت سعید بن المسیب کی تابعین پر فضیلت اس وقت کے کچھ اکابر کا نظریہ تھا اس فضل و کمال کے ساتھ آپ کا حضرت زید کے عمل کو سنت کہنا اسلام کے ایک اصول کا پتہ دیتا ہے۔

پھر حضرت سعید بن المسیبؒ نے اپنے اس موقف پر کوئی دلیل پیش نہیں کی اتنا اطمینان فرمایا کہ سائل کوئی عالم تو نہیں ؟ غیر عالم کے لئے یہی ہے کہ جب اسے کسی صحابی کی کوئی بات ملے وہ اس پر اعتماد کرتے ہوئے اسے اپنا لے اور دلائل کی بحث میں نہ پڑے دلیل سے بحث علماء کا کام ہے اسلام میں سنت اسی سے قائم ہوئی ہے کہ جہاں کوئی ستارہ چمکا تابعین اتباع کرتے ہوئے اس کی روشنی میں چلنے لگے یہ تو ہے کہ کوئی ستارہ زیادہ چمکا اور کوئی کم — لیکن ملے گی اس سے ہمیشہ روشنی ہی اندھیرا کبھی نہ ملے گا۔

---

[1] جوہر نیرہ جلد ۲ ص ۲۱۵

نوٹ:۔ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے یہاں عالم کے لئے عالم کا لفظ نہیں عراقی کا لفظ استعمال کیا ہے "أعراقي انت" اور عراقی اور طالب علم کو ایک دوسرے کے مقابل جگہ دی ہے معلوم ہوا ان دنوں عراق علم کا ایک بڑا مرکز تھا اور وہاں پورے عالم عرب کی نادرہ روزگار ہستیاں آباد تھیں جنہیں بجا طور پر علم اسلام کا نمائندہ کہا جاسکتا ہے امام ابو حنیفہ رح امام سفیان ثوری۔ امام ابو یوسف امام سفیان بن عیینہ، امام محمد بن حسن اور عبداللہ بن مبارک جیسے فضلاء اسی جگہ سے اٹھے تھے یہ وہی سرزمین ہے جہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسن بصری جیسے اکابر پہلے سے علم کی شجرکاری کر چکے اس پورے ماحول میں صحابہ کے عمل کو حجت سمجھا جاتا تھا اور جہاں کسی صحابی سے کوئی عمل ثابت ہوا اس سے سنت اسلام قائم ہو جاتی تھی۔

کسے معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہے مگر چونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی دعا پڑھنا جائز سمجھتے تھے آپ نے اُسے سنت قرار دیا اور سنت کا معنی اس ماحول میں یہی سمجھا گیا کہ ایک ایسی راہ ہے جس پر پہلے چلا جا چکا ہے سنت کا لفظ طریقۃ مسلوکۃ فی الدین کے معنی میں عام تھا اور مسلمانوں کے لئے کسی طرح ممکن نہ تھا کہ کسی صحابی سے انہیں کوئی بات پہنچے اور وہ اسے ٹھکرا دیں الا یہ کہ کسی دوسرے بزرگ صحابی کا قول دوسری طرف ہو عمل صحابہ ان کے لئے اس پہلو سے ایک روشن حجت تھی۔

ضرورتِ حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ امابعد۔

کسی چیز کی ضرورت کا احساس اپنے موجود سرمائے کو سامنے رکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ ہمارے پاس کیا کچھ ہے ہم کسی اور چیز کے ضرورت مند نہیں ہو سکتے۔ حدیث کی ضرورت اسی صورت میں محسوس ہو گی کہ علم کا موجود سرمایہ ہمارے سامنے واضح ہو اور وہ ہماری ضروریات پوری نہ کر سکے۔ ضرورتِ حدیث پر بحث کرنے سے پہلے ہمیں اپنے موجود علمی سرمائے کو دیکھنا چاہیئے اور اپنی موجودہ صُورتِ حال کا پُوری طرح جائزہ لینا چاہیئے۔

ہمارا موجُود علمی سرمایہ

ہم اس اعتراف سے اس موضوع پر غور کر رہے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اور ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید موجود ہے۔ یہ پُوری کتاب محفوظ اور زندگی کی ہر ضرورت میں رہنمائی بخشنے والی ہے۔ ہمارا موجود سرمایہ علم یہی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے ہمیں اور کس چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے؟

اس سوال کا جواب دینے کے لیئے ہمیں خود قرآن کریم میں ہی غور کرنا چاہیئے۔ کیا اس کے مطالعہ سے کوئی اور احساس ضرورت اُبھرتا ہے۔ اگر یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے تو پھر یہ اگلا مرحلہ ہے کہ اسے کس طرح پُورا کیا جائے۔ حدیث سے یا رائے سے یا کسی کے مشورے سے ہم ابھی پہلے مرحلے میں ہیں کہ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے کیا

کسی اور چیز کی ضرورت بھی ہے یا نہ ؟

اس کے جواب میں یہ چار عنوان بہت اہم ہیں۔ ۱. قرآن کریم کے مسائل، ۲. زندگی کے مسائل۔ ۳. قرآن کی جامعیت۔ ۴. قرآن کریم کی دعوت۔ اگر ہم ان پر غور کرلیں۔ تو پھر اس کا جواب کہ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت بھی ہے یا نہیں، ہمارے لیئے بہت آسان ہو جائے گا۔

قرآن کریم کے مسائل

قرآن کریم نے کچھ احکام نہایت وضاحت اور صراحت سے بیان کیے ہیں۔ جیسے قانونِ وراثت۔ قانونِ شہادت۔ قانونِ حدود۔ ایمانیات اور اخلاقیات۔ مگر کچھ احکام ایسے بھی ہیں اور یہ بہت سے ہیں جنہیں قرآن کریم نے مجمل طور پر بیان کیا ہے۔ قرآن کریم میں ان کی پوری کیفیتِ ادا نہیں ملتی۔ پھر قرآن پاک میں کچھ ایسے اشارات ہیں جن کی تفصیل اس میں نہیں ہے اور پھر کچھ مشکلات ہیں جن کی وضاحت کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے اور پھر اصولِ قرآنی کی ایسی توسیعات بھی ہیں جن کی پوری جزئیات کا بیان یہاں نہیں ملتا۔ اور نہ یہ عملاً ممکن ہے۔

زندگی کے مسائل

پھر زندگی کے کچھ مسائل ایسے ہیں کہ قرآن کریم میں ان کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ملتی۔ جیسے ۔ ۱. پانی کے پاک اور ناپاک ہونے کے مسائل، ۲. کون سی بیع درست ہے اور کون سی نہیں اور یہ کہ کس کس بیع میں سود کی جھلک پائی جاتی ہے۔ ۳. بیع جنس بالجنس کی کیا صورت ہے۔ ۴. جو جرائم حدود کے تحت نہیں آتے ان کی سزا کیا ہے۔ ۵. زمینوں کے مسائل میں مضاربت کے احکام وغیرہ۔ ۶. مساجد کے تفصیلی شرعی احکام۔ ۷. مختار نامہ کے ذریعہ نکاح کی صورتیں وغیرھا ——

ان جیسے زندگی کے ہزاروں مسائل ہیں جو ہمیں قرآن کریم میں واضح طور پر

نہیں ملتے۔ لیکن انسانی زندگی ان ابواب میں راہنمائی تلاش کرتی ہے اور ان ضرورات میں بھی دینی حل ڈھونڈتی ہے۔

قرآن کریم کی جامعیت کا دعویٰ

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہدایت انسانی کے پورے نقشے پھیلا دیئے ہیں، یہ کتاب خدا کی آخری کتاب ہے اور اس میں ہر انسانی ضرورت کا حل موجود ہے۔

ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیء وھدی ورحمۃ وبشری للمسلمین[1]

ترجمہ۔ اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب اتاری جو ہر چیز کا کھلا بیان ہے ہدایت اور رحمت ہے اور ماننے والوں کے لیئے خوشخبری ہے۔

ہر چیز کے کھلے بیان کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تمام علوم ہدایت۔ اصول دین اور فلاح دارین سے متعلق ضروری امور کا نہایت مکمل اور واضح بیان ہے۔ یہاں کتاب اللہ اُسوۂ رسول اور اطاعت رسول کی راہ سے تمام ہدایات نبویہ کو بھی شامل ہے اور اس عموم سے احادیث میں کتاب اللہ کی مرکزی حیثیت اسی طرح مذکور ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری (۷۸ھ) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

وقد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہ ان اعتصمتم بہ کتاب اللہ[2]

ترجمہ۔ اور میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اُسے تھام لیا تو تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ وہ چیز کتاب اللہ ہے۔

حضرت علیؓ بھی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

کتاب اللہ فیہ نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم ھو الفصل ولیس بالھزل من ترکہ من جبار قصمہ اللہ ومن

---

[1] پ۱۴ النحل ع ۱۲ [2] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۹۷ جلد ۲ ص ۲۷۹ امام احمد جلد ۴ ص ۳۶۷ سنن دارمی ص ۴۲۴

ابتغی الھدی فی غیرہ اضلہ اللہ و ھو حبل اللہ المتین و ھو الذکر الحکیم و ھو الصراط المستقیم ھو الذی لا تزیغ بہ الاھواء ولا تلتبس بہ الالسنۃ ولا یشبع منہ العلماء ولا یخلق عن کثرۃ الرد ولا تنقضی عجائبہ[1]

ترجمہ۔ قرآن کریم میں پہلی داستانیں بھی ہیں اور آئندہ کی خبریں بھی ہیں اور حال کے احکام بھی ہیں۔ یہ فیصلہ کن چیز ہے یونہی نہیں۔ جو متکبر اسے ترک کرے گا اللہ اسے توڑے گا اور جو اس کے سوا کسی اور چیز میں ہدایت ڈھونڈے اللہ اسے راہ سے بھٹکا دیں گے۔ قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے یہی ذکر حکیم اور یہی صراط مستقیم ہے اس کے ساتھ طبائع کجروی میں نہیں جاتیں اور زبانیں ملتبس نہیں ہوتیں۔ علماء کو اس سے سیری نہیں ہوتی اور بار بار مراجعت سے یہ پرانا نہیں ہوتا اور اس کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے۔

حضرت زید بن ارقم (۶۸ھ) بھی روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انی تارک فیکم کتاب اللہ ھو حبل اللہ من اتبعہ کان علی الھدی ومن ترکہ کان علی الضلالۃ[2]

ترجمہ۔ میں تم میں کتاب اللہ چھوڑے جارہا ہوں وہ اللہ کی رسی ہے جو اس کی پیروی کرے گا ہدایت پر ہوگا اور جو اسے چھوڑے گا گمراہی پر رہے گا۔

صحیح مسلم ا صہ ۳۹۷ سنن ابی داؤد ا صہ ۲۷ سنن ابن ماجہ صہ ۲۲۵ اور سنن کبریٰ بیہقی جلد ۵ صہ ۸ میں یہ روایت حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے۔ زید بن ارقمؓ کی روایت المصنف لابن ابی شیبہ، معجم کبیر للطبرانی (کما فی کنز العمال جلد ا صہ ۴۷ صہ ۴۸) میں بھی موجود ہے۔ ابن کثیر نے اسے امام احمد سے بھی نقل کیا ہے۔ البدایہ جلد ۵ صہ ۱۷۰۔ یہاں قرآن کریم کی طرف دعوت بایں طور ہے کہ قرآن اجمالاً تمام سنت کو بھی مشتمل ہے۔ حضرت عمرؓ کے قول حسبنا کتاب اللہ میں بھی سنت کا انکار ہر گز نہیں تھا۔

---

[1] رواہ الترمذی والدارمیؒ فی اسنادہ مقال دراجع لہ المشکوٰۃ صہ ۱۸۶ [2] صحیح ابن حبان جلد صہ ۲۸

قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت اور یہ روایات بتا رہی ہیں کہ قرآن کریم نہایت جامع اور مکمل کتاب ہے اور اس میں ہر انسانی ضرورت کا پورا پورا حل موجود ہے۔ قرآن کریم کی جامعیت کا یہ دعویٰ کہاں تک حالات سے ہم آہنگ ہے؟ اور زندگی کے تمام مسائل کیا اپنی پوری تفصیل کے ساتھ ہمیں اس میں ملتے ہیں یا نہیں؟ اس پر ذرا اور غور کیجئے۔ یہ حقیقت ہے اور اس کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ بہت سے قرآنی احکام ایسے مجمل ہیں کہ جب تک اور کوئی ماخذ علم ان کی تفصیل نہ کرے ان کی عملی تشکیل نہیں ہو سکتی اور زندگی کے لاتعداد مسائل ایسے بھی ہیں جن کے متعلق واضح جزئی ہمیں قرآن کریم میں نہیں ملتی۔ پس قرآن کریم کی جامعیت کی تشریح ایسی ہونی چاہئے، جس سے یہ دعوے واقعات سے ہم آہنگ بھی ہو سکے۔

قرآن کریم کی جامعیت کا مفہوم

کسی نے قرآن کریم کی جامعیت کا یہ مفہوم نہیں لیا کہ اس کی کسی آیت میں کوئی اجمال brevity یا کسی بیان میں کوئی تقیید particularisation نہیں۔ اس نے ہر باب کی غیر متناہی جزئیات کا احاطہ کر لیا ہے اور ہر حکم کی تمام حدود اور تفصیلات details اس نے بیان کر دی ہیں۔ نہ یہ کسی کا دعوے ہے نہ اس کا کوئی قائل ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہم سوائے اس چیز کے جو قرآن میں ملے اور کسی چیز کو قبول نہ کریں گے تو اس کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ حافظ ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں:۔

لو ان امرأ قال لا ناخذ الا بما وجدنا فی القرآن لکان کافرا باجماع الامۃ[1]

ترجمہ۔ اگر کسی شخص نے کہا کہ صرف وہی چیزیں لیں گے جسے ہم قرآن میں پالیں تو وہ شخص بالاتفاق کافر ٹھہرے گا۔

قرآن کریم کی جامعیت کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں تمام انسانی ضرورتوں کا حل ملتا ہے

---

[1] الاحکام فی اصول الاحکام جلد ۲ صـ

اور لاتعداد جزئیات کے احکام اس میں اصول و کلیات اور ضوابط کی شکل میں موجود ہیں۔
علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) لکھتے ہیں:۔

القرآن علی اختصارہ جامع ولا یکون جامعاً الا والمجموع فیہ امور کلیات۔[1]

ترجمہ۔ قرآن مجید مختصر ہونے کے باوجود ایک جامع کتاب ہے اور یہ جامعیت تبھی درست ہو سکتی ہے کہ اس میں کلیات کا بیان ہو۔

محدث جلیل حضرت مولانا بدر عالم مدنیؒ لکھتے ہیں:۔

"اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خداشناسی اور آداب عبدیت کے تمام اصولوں پر حاوی ہے جیسا کہ جہاں باقی کے ایک ایک نکتہ ایک ایک شوشہ کے لئے مکمل آئین ہے ایک چوب خشک اس پر عمل کر کے عارف کامل ہو سکتا ہے اور ایک فقیر بے نوا اس کے اتباع کی بدولت تاج شاہانہ پہن سکتا ہے۔ پھر شاہی اور گدائی کے یہ عمیق اور دقیق اصول اس نے ایسے جامع اور سادے الفاظ میں قائم کیے ہیں کہ دین کے مختلف زمانوں کی مختلف ضروریات میں سے کبھی کوئی ایسی ضرورت پیش نہیں آ سکتی جس کے متعلق قرآن کریم کے ان الفاظ میں پوری روشنی نہ ملے"[2]

پس جب قرآن پاک میں ایسے اصول و کلیات ہیں جن کے تحت لاتعداد جزئیات کا فیصلہ قرآن کریم کی جامعیت کی تصدیق کرے تو یہ جاننے کی اشد ضرورت ہے کہ ان مواقع پر قرآن کریم کی اصلی دعوت کیا ہے؟ اس ضرورت میں وہ ہمیں کدھر لے جاتا ہے؟

قرآن کریم کی دعوت

قرآن کریم نے اپنے احکام و ارشاد کے ساتھ ساتھ ایک عظیم شخصیت کا تعارف بھی کرایا ہے اور اس کو اپنے ساتھ لازم کیا ہے۔ قرآن کریم مسلمانوں کو اس کے عمل سے

---

[1] الموافقات جلد ۳ ص۳۶۷ [2] ترجمان السنہ جلد ۱ ص۱۱۱

اسوۂ حسنہ کی دعوت دیتا ہے۔ یہ ایک ایسی اصل عظیم ہے۔ جس کے تحت ہزاروں مجملات کی تفصیل اور لاکھوں جزئیات کا حل مل جاتا ہے۔ قرآن کریم کی اس دعوت کے تحت اسوۂ حسنہ کی تعمیل عین قرآن پاک کی تعمیل شمار ہوگی۔ یہ کلیدی آیات ہیں جن کے تحت لاتعداد مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

قرآن کریم کی کلیدی آیات

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں چند ایسی کلیدی آیات نازل فرمادیں جن کے تحت حدیث کی ہر جزئی قرآن پاک کا حکم بن جاتی ہے۔ چند آیات ملاحظہ کیجئے۔

(۱) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔[۱]

ترجمہ بے شک تمہارے لیئے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ موجود ہے۔

پس چاہیئے کہ ہر معاملہ ہر ایک حرکت و سکون اور نشست و برخاست میں اس ذاتِ گرامی کے نقشِ قدم پر چلیں۔

(۲) وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔[۲]

ترجمہ۔ اور اللہ کا رسول جو تمہیں دے لو اور جس سے منع کرے اسکو چھوڑ دو۔

یہ آیت اپنے عموم میں پیغمبر خدا کے ہر فیصلے اور ہر نہی کو حاوی ہے اور حضورؐ کے صحابہ لیے بہت سے موقعوں پر اس آیت سے استدلال کرتے رہے ہیں۔

(۳) یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول۔[۳]

ترجمہ۔ اے ایمان والو؛ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو (اس کے) رسول کا۔

قرآن کریم کی اس دعوت کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا خود خدا تعالیٰ کے حکم ہی کی پیروی کر رہا ہے۔

(۴) ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔[۴]

ترجمہ۔ جو اللہ کے رسول کی اطاعت کرتا ہے پس بیشک وہ اللہ کی اطاعت کر چکا۔

---

[۱] پ ۲۱ الاحزاب ع ۳ [۲] پ ۲۸ الحشر ع ۱ [۳] پ ۵ النساء ع ۸ [۴] پ ۵ النساء ع ۸۔

یہاں رسول کی اطاعت صیغۂ مضارع Present سے بیان فرمائی. جو رہتی دنیا تک جاری رہے گی اور اللہ کے اطاعت کو ماضی Past سے تعبیر فرمایا کہ مومن ایمان لانے کے ساتھ ہی اسی اصول کو تسلیم کر چکا تھا کہ زندگی کی ہر ضرورت میں رسول کی اطاعت کی جائے گی اور اسی کے تحت وہ اطاعت رسول کر رہا ہے۔ یہ وہ کلیدی آیات Key Verses ہیں جن کے تحت جمیع جزئیاتِ حدیث آجاتی ہیں اور قرآن کریم جمیع تعلیماتِ رسول پر حاوی قرار پاتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عمران بن حصینؓ (۵۲ھ) کے ہاں علمی مذاکرہ ہو رہا تھا کہ ایک شخص نے کہا لا تحدثوا الا بما فی القرآن۔ (قرآن کے سوا اور بات نہ کیجئے) حضرت عمرانؓ نے اسے کہا کہ تو احمق ہے. کیا قرآن میں ہے کہ ظہر اور عصر کی چار رکعتیں ہیں اور ان میں قرآن جہری نہیں؛ مغرب کی تین رکعتیں ہیں پہلی دو میں قرأت جہری ہے اور تیسری میں آہستہ؛ عشاء کی چار رکعتیں ہیں دو میں قرأت جہری ہے اور دو میں آہستہ؛ کیا یہ قرآن میں ہے[1]

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) روایت کرتے ہیں. کہ آپ نے اُسے یہ بھی کہا:۔

اگر تم اور تمہارے ساتھی واقعی صرف قرآن پر ہی اعتماد کرتے ہو تو کیا تمہیں قرآن میں ملتا ہے کہ ظہر، عصر اور مغرب کی چار چار اور تین (فرض) رکعات ہیں اور یہ کہ (سورت فاتحہ کے بعد) صرف پہلی دو رکعتوں میں قرآن کریم پڑھا جاتا ہے؛ کیا تمہیں قرآن کریم میں ملتا ہے طوافِ کعبہ کے سات چکر ہیں؛ اور یہ کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی ضروری ہے[2]

حضرت عمران بن حصینؓ نے یہاں ایک نہایت اہم اصول کی طرف توجہ دلائی ہے عمل رسالت صرف نماز اور اس کی رکعات یا حج اور اس کے اشواط کا ہی بیان نہیں۔ پورا دائرہ شریعت عمل رسالت کے گرد گھومتا ہے۔ صحابہ کرام کے سامنے راہ عمل صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کرتے یا فرماتے صحابہ اس راہ پر چل پڑتے۔ کبھی کسی نے آپ سے نہ پوچھا

---

[1] المصنف لعبد الرزاق جلد ۱۱ صـ۲۵۵ [2] الکفایہ فی علوم الروایہ صـ۱۵

تھا کہ اس باب میں اللہ کا حکم کیا ہے۔ ان کا پختہ عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بھی قرآنی اجمال کی تفصیل ہے[1]۔ آپ زندگی کے ہر قدم میں الٰہی حفاظت کے سائے میں ہیں۔ آپ کے عمل کی اگر کوئی شرعی حیثیت نہ ہو تو سینکڑوں اجمالات قرآن عملاً معطل ہو کر رہ جاتے ہیں۔

یہ صرف اہل سنت مکتب فکر کی آواز نہیں، شیعہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سنت نبوی کے بغیر احکام قرآنی کی تشکیل کسی طرح ممکن نہیں۔

شیعہ روایات

ملا محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) امام جعفر صادق رضؓ (۱۴۸ھ) سے روایت کرتے ہیں:۔

بے شک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز کا حکم نازل ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ (مختلف نمازوں کی) تین یا چار رکعات ہیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیان کیا۔ حضورؐ کو زکوٰۃ کا حکم دیا گیا۔ لیکن (قرآن کریم میں) یہ نہیں بتایا گیا کہ زکوٰۃ کی مقدار چالیسواں حصہ ہے۔ یہاں تک کہ اُسے حضورؐ نے بیان فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حج کا حکم دیا گیا۔ لیکن (قرآن میں) یہ نہیں بتایا گیا کہ (طواف کعبہ کے) چکر سات ہیں۔ یہاں تک کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔[2]

قرآن پاک اور حدیث کا ربط

یہ بالکل صحیح ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی شریعت اسلام کو عملی تشکیل دی ہے اور یہ صحیح ہے کہ آپ کی حیات طیبہ ہی اسوۂ حسنہ قرار پائی ہے۔ آپ نے مجملات قرآنی کی تفصیل کی اور آپ نے ہی اس کے عمومات کی تخصیص فرمائی۔ قرآن پاک اور حدیث پاک ساتھ ساتھ چلتے رہے اور اسلام عملی صورت میں پھلوں سے پھلوں کو ملتا رہا۔ جب کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم جامع اور مکمل کتاب ہے تو اس سے یہ ہی مراد ہوتی تھی کہ اس میں تمام اصول کلیہ موجود ہیں۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ)

---

[1] مرقات جلد ۱ صہ ۲۴۰   [2] اصول کافی جلد ۱ صہ ۲۸۶

نے الکفایہ فی علوم الروایہ کے دوسرے باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے :۔

باب تخیصص السنن لعموم محکم القرآن و ذکر الحاجۃ فی المجمل الی التفسیر والبیان

حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) نے اعلام الموقعین[۲] جلد تیسری میں اس پر ص۴۷۹ سے ص۵۶۸ تک ایک سو صفحات کے قریب بحث کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد تشریحات اور توضیحات بیان کیں ہیں۔ جو آپ نے اس قسم کے قرآنی احکامات کے بیان میں صحابہ کے سوال پر ارشاد فرمایں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ قرآن کریم کی مرادات واضح فرماتے تھے اور حضورؐ کے بیان قرآن کا ایک یہ بھی قاعدہ اور اصول تھا۔

ایک سوال اور اس کا جواب

قرآن کریم کی جامعیت بے شک کلیات میں ہے اور انہی کلیات میں اطاعت رسول اور اسوۂ حسنہ کی کلیدی آیات بھی ہیں۔ جن کے تحت لاکھوں جزئیات مل جاتی ہیں اور قرآن پاک کی جامعیت بھی قائم رہتی ہے۔ لیکن ہزاروں جزئیات اور باقی رہتی ہیں۔ یا نئی پیدا ہو جاتی ہیں جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات واضح طور پر نہیں ملتیں۔ سوال یہ ہے کہ زندگی کے یہ مسائل کیسے حل ہوں گے ؟ اور ان پیش آمدہ جزئیات میں قرآن پاک کی جامعیت اور پیغمبر خدا کی افادیت کہاں تک زندگی کا ساتھ دے سکتی ہے۔

الجواب

قرآن پاک کی ان کلیدی آیات میں جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو قرآن کریم کے ساتھ جزو لازم ٹھہراتی ہیں۔ ایک آیت ایسی بھی ہے جو اطاعت کے لیئے ایک اور طبقے کو بھی پیش کرتی ہے۔ اس آیت کو پہلے ہم مختصراً پیش کر چکے ہیں۔ اب اسے ذرا تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ :۔

---

[۱] الکفایہ ص۱۲ طبع حیدرآباد [۲] اعلام الموقعین مطبوعہ مصر

واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔[1]

ترجمہ۔ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو (اس کے) رسول کا اور ان کا جو تم میں سے اولی الامر ہوں (جس بات میں ان کا حکم چل سکے)۔

جس طرح انتظامی امُور میں اولی الامر حکام ہیں جو تم میں سے ہوں، علمی امور میں فقہاء ومجتہدین ہیں جو مسائل غیر منصوصہ کو مسائل منصوصہ کی طرف لَوٹا کر ان کا حکم استنباط کرتے ہیں وہ کتاب وسنت کے اصول کلیہ دریافت کر لیتے ہیں اور شریعت کے مغز کو پا جاتے ہیں۔ اور پھر ان کے تحت ہر اس مسئلے کو حل کر لیتے ہیں جس پر شریعت میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی اسی طرح وہ مسائل منصوصہ جن میں بظاہر تعارض معلوم ہو اور ان میں تقدیم وتاخیر زمانی بھی معلوم نہ ہو کہ اُنہیں نسخ پر محمول کر سکیں۔ انہیں بھی یہ حضرات اپنے اجتہاد سے حل کرتے ہیں سو یہ آیت ایک کلیدی آیت ہے۔ جس کی رُو سے مجتہدین کے استنباط کردہ جملہ مسائل قرآن کریم کے تحت آ گئے اور قرآن کریم کا دعوے جامعیت اپنی جگہ قائم رہا۔ حافظ ابوبکر جصاص رازی لکھتے ہیں کہ یہاں حکام اور فقہاء مجتہدین دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ کیوں کہ اولوالامر کے الفاظ ان سب کو شامل ہیں۔[2]

بعض کلیدی احادیث

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض احادیث بھی کلیدی درجہ رکھتی ہیں۔ ایک حدیث ہدیۂ قارئین ہے۔ جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کی پیروی کی راہ کھلتی ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہؓ (۵۷ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ۔[3]

ترجمہ۔ تم پر میری سنت کی پیروی کے ساتھ خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی

---

[1] پ۵ النساء ع ۸ [2] احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۱۰ ویجوز ان یکونوا جمیعاً مرادین بالآیۃ لان الاسم یتناولھم جمیعاً۔
[3] ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۲ مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۲۶

بھی لازم ہے اس سے تمسک کرو اور انھیں اچھی طرح دانتوں سے پکڑ لو۔

قرآن کریم کی مذکورہ بالا کلیدی آیت اور اس کلیدی حدیث نے ان لاکھوں جزئیات کے حل کی راہ کھول دی اور صحابہ کرامؓ اور ائمہ مجتہدینؒ کی تعلیمات کے چشمے خود کتاب و سنت سے جاری ہوتے ملے۔ اسلامی علم و دانش کا یہ وہ تسلسل ہے جس سے قرآن پاک کی جامعیت اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی افادیت اپنی پوری شان سے اُبھرتی نظر آتی ہے۔ قرآن و سنت میں فقہ و اجتہاد کی راہیں نہ کھلیں تو مسائل غیر منصوصہ (جن کے بارے میں قرآن پاک اور حضورؐ کے اپنے ارشادات میں واضح تعلیم نہیں ملتی) کے باب میں اسلام کے کامل ضابطہ حیات ہونے کا دعوےٰ پادرہوا ہو جاتا ہے۔

اسلام کے کامل ضابطۂ حیات ہونے کی علمی راہ

حضورؐ کے صحابہ نے فقہ و اجتہاد کی راہ سے اسلامی تعلیمات کے دریا بہائے اور اجتہاد کے اسی چشمہ صافی سے لاکھوں کو سیراب کیا۔ ہر پیش آمدہ ضرورت پر اُن کے اہل الرائے حضرات نے اپنی رائے پیش کی۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) نے ہدایت فرمائی۔

من عرض له منكم قضاء بعد اليوم فليقض بما في كتاب الله فان جاءه امر ليس في كتاب الله فليقض بما قضى به نبيه صلى الله عليه وسلم فان جاءه امر ليس في كتاب الله ولا قضى به نبيه صلى الله عليه وسلم فليقض بما قضى به الصالحون فان جاءه امر ليس في كتاب الله ولا قضى به نبيه ولا قضى به الصالحون فليجتهد رايه۔[1]

ترجمہ۔ جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ آئے تو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیئے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ اگر وہ فیصلہ کتاب و سنت میں نہ ملے تو پھر بزرگوں

---

[1] سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۶۰

(اکابر صحابہ کرامؓ) کے فیصلوں کر لیا جاتے اور اگر کوئی ایسا معاملہ آجائے
جو ان بزرگوں کے فیصلوں میں بھی نہ ملے تو (اجتہاد کی اہلیت رکھنے والا)
اپنی علمی رائے سے اجتہاد کرے۔

چنانچہ ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ (۶۸ھ) قرآن و حدیث کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے فیصلوں سے ہی فتوے دیتے تھے۔[1] اگر وہاں بھی نہ ملتا پھر اجتہاد کرتے۔[2]
اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ قرآن پاک کی جامعیت امور کلیہ میں ہیں اور انہی کلیات میں سے ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازمی کی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کلیدی احادیث آئندہ رہنمائی کے لیے صحابہ کو پیش کرتی ہیں اور ضرورت آمدہ پر اجتہاد کی راہیں کھولتی ہیں اور یہ ساری شاہراہ قرآن پاک کے چشمۂ فیض سے ہی مستفیض اور اسی منبع نور سے مستنیر ہے۔ حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:۔

انزل الله كتابه وترك فيه موضعا لسنة نبيه وسن نبيه السنن
وترك فيه موضعا للرای والقياس۔[3]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا اور اس میں اپنے نبی کی سُنّت
کے لیے جگہ رہنے دی اور حضورؐ نے سنن قائم کیں اور ان میں رائے
اور اجتہاد کے لیے گنجائش رکھی۔

امام مالکؒ کے ساتھ ساتھ امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) کی رائے بھی سُن لیجیے:۔

جمیع ما تقول الائمة شرح للسنة وجمیع السنة شرح للقرآن۔[4]

ترجمہ۔ ائمہ کرام جو کچھ کہتے ہیں وہ سنت کا بیان ہے اور ساری سنت
قرآن پاک کی تشریح ہے۔

جامعیت قرآن کے سلسلے میں یہ ایک سوال کا جواب تھا۔ اصل موضوع زیر بحث یہ تھا کہ قرآن پاک کے احکامات کچھ اس طرح کے ہیں۔ کہ جب تک قرآن پاک کے ساتھ کوئی اور جزو لازم اور علم کا ماخذ آگے نہ لایا جائے ان احکامات پر عمل نہیں ہوسکتا۔

---

[1] منہاج السنۃ جلد ۳ صفحہ ۲۱۳ [2] سنن دارمی صفحہ ۳۴ [3] زیلعی جلد ۴ صفحہ ۶۴ [4] مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۴۰

مجملاتِ قرآنی میں حدیث کی ضرورت

(۱) اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ۔[۱] نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ نمازوں کی رکعات، ترتیب، کیفیت ادا اور وسعت وقت یہ وہ مباحث ہیں جو قرآن کریم میں نہیں ملتے، زکوٰۃ کن کن چیزوں میں ہے سالانہ ہے یا ماہانہ۔ اس کا نصاب اور مقدار کیا ہے یہ تفصیل قرآن کریم میں نہیں ملتی۔ حالانکہ ان تفصیلات کے بغیر ان قرآنی حکموں پر عمل نہیں ہو سکتا۔

(۲) ولیطوفوا بالبیت العتیق۔[۲] اور طواف کریں اس قدیم گھر کا طواف کے چکر سات ہیں یا کم و بیش، طواف حجرِ اسود کے کونے سے شروع ہوگا یا رکن عراقی، شامی یا یمانی سے یہ تفصیل قرآن کریم میں نہیں ملتی۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی کتنی دفعہ ہے سعی کی ابتدا کوہ صفا سے ہے یا کوہِ مروہ سے طواف پہلے کیا جائے گا یا سعی پہلے کرنا ہوگی ان تفصیلات کے جانے بغیر ان احکام قرآنی کی عملی تشکیل نہیں ہو سکتی۔

(۳) کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً[۳] ـــــــ والطیبٰت من الرزق۔[۴]

قرآن کریم نے حلال طیبات کو جائز قرار دیا اور خبائث اور ناپاک چیزوں کو حرام کہا۔ اب یہ موضوع کہ درندے اور شکاری پرندے طیبات میں داخل ہیں یا خبائث میں یہ تفصیل قرآن پاک میں نہیں ملتی۔ حدیث میں ارشاد ہے کہ ذی ناب من السباع کچلیوں والے درندے اور ذی مخلب من الطیر۔ پنجوں سے کھانے والے پرندے مسلمان کے پاکیزہ رزق میں داخل نہیں۔

(۴) احل لکم صید البحر۔[۵] حلال کیا گیا تمہارے لیے دریائی شکار، لیکن یہ بات کہ مچھلی کو پکڑنے کے بعد اس کو ذبح کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ قرآن کریم میں اس کی وضاحت نہیں ملتی۔ حدیث میں ہے کہ دریا کے شکار کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ سمک طافی (مری مچھلی جو تیر کر اوپر آجائے) کو حدیث میں ناجائز بتلایا گیا ہے۔ قرآن پاک نے خون کو مطلقاً حرام کہا تھا۔ حدیث نے تفصیل کی اور بتایا کہ کلیجی اور تلی کی صورت

---

[۱] پ البقرہ ۶ [۲] پ الحج [۳] پ البقرہ [۴] پ البقرہ ع ۶ [۵] پ المائدہ ع ۱۳

جما ہوا خون) حلال ہے۔

⑤ وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ۔ پ المائدع ۱

ترجمہ۔ اور جو سدھاؤ شکاری جانور شکار پر دوڑانے کو سکھاتے ہو تم انہیں جو اللہ نے تم کو سکھایا۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ وہ کتا جو سکھایا ہوا نہ ہو اس کا پکڑا ہوا اور مارا ہوا شکار حرام ہے۔ لیکن شکاری کتا اگر اپنے شکار کو خود کھانے لگے تو اس کا حکم قرآن کریم میں نہیں ملتا۔ حدیث میں بتلایا گیا کہ یہ شکار کھانا جائز نہیں۔ کتے کا کھانا بتلا رہا ہے کہ اس کی تعلیم صحیح نہیں ہوئی۔ اور وہ کلب معلم ثابت نہیں ہوا ہے۔

ان جیسے اور سینکڑوں مسائل ہیں جن کی عملی تشکیل اور تفصیل قرآن پاک میں نہیں ملتی ان موضوعات میں قرآن پاک کے ساتھ جب تک کوئی اور چیز شامل نہ کی جائے قرآن پاک کے یہ مجمل احکام منت پذیر عمل نہیں ہو سکتے۔

اس جزو لازم کی ضرورت سبھی نے محسوس کی ہے۔ کسی نے اس ضرورت کو حدیث سے پورا کیا ــــ کسی نے اپنی رائے سے اور کسی نے قانون ساز اسمبلی کو اختیار دے کر اس خلاء کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ تاہم اس احساسِ ضرورت میں سب متفق رہے کہ جب تک قرآن کریم کے ساتھ کوئی اور چیز نہ ملائی جائے۔ ان مجملاتِ قرآنی کی عملی تشکیل ممکن نہیں۔

محتملاتِ قرآنی میں حدیث کی ضرورت

قرآن پاک میں جو امور مذکور ہیں۔ ان میں بھی بہت ایسے مقامات بھی ہیں جہاں آیاتِ قرآنی کئی کئی وجوہ کی محتمل ہیں۔ ان کی تعیین بھی بدون اس جزو لازم کے کسی طرح قطعی واضح اور آسان نہیں اور اس پہلو پر بھی ہر مکتب خیال کی شہادت موجود ہے۔ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :-

انہ سیأتی ناس یجادلونکم بشبہات القران فخذوا بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ۔ رواہ الدارمی

ترجمہ۔ بیشک تمہارے پاس کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے جو قرآنی شبہات پیش کر کے تم سے جھگڑنے لگیں گے ایسے وقت میں تم سنتوں سے تمسک کرنا کیونکہ اصحاب سنن ہی کتاب اللہ کو زیادہ جانتے ہیں۔[1]

حضورؐ کے جلیل القدر صحابی حضرت ابو الدرداءؓ (۳۲ ھ) کہتے ہیں:۔

لا تفقه کل الفقه حتی ترے للقرآن وجوھاً کثیرۃ ومن تفقه کل الفقه حتی تمقت الناس فی ذات اللہ ثم تقبل علی نفسک فتکون لھا اشد مقتاً من مقتک الناس۔[2]

ترجمہ۔ تم اس وقت تک دین میں پوری سمجھ نہیں پا سکتے جب تک قرآن کریم میں تمہیں مختلف وجوہ دکھائی نہ دینے لگیں اور اس وقت تک تم دین کو پوری (طرح) سمجھ نہ پاؤگے جب تک لوگ ذات کے بارے میں طرح کی باتیں نہ کرنے لگیں۔ پھر تو اپنی ذات کی طرف متوجہ ہو تو جتنا تم لوگوں پر ناراض ہوگے تم اپنے نفس پر اس سے زیادہ غصہ نکالنے والے ہوگے۔

اس وقت ہمیں حدیث کے اس مضمون سے بحث نہیں۔ صرف یہ تبلانا پیش نظر ہے کہ قرآن کریم کی آیات جہاں کئی کئی وجوہ کی محتمل ہوں وہاں ان کا حل پائے بغیر ہم دین کی پوری سمجھ پا نہیں سکتے۔

شریف رضی حضرت علی المرتضیٰؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خوارج کے مناظرہ پر بھیجا تو نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم سے براہ راست استدلال نہ کرنا۔

ومن وصیة له علیه السلام لعبد اللہ بن عباس لما بعثه للاحتجاج الی الخوارج۔

لا تخاصمهم بالقرآن فان القرآن حمال ذو وجوہ تقول ویقولون ولکن حاججهم بالسنة فانهم لن یجدوا عنها محیصاً۔[3]

---

[1] سنن دارمی صہ ۴۹ [2] المصنف لعبد الرزاق جلد ۱۱ صہ ۲۵۵ [3] نہج البلاغہ جلد ۳ صہ ۱۵۰

حمال کا معنی ہے؟ ای یحمل معانی کثیرۃ ان اخذت باحدھا احتج الخصم بالآخر۔

جو لوگ اس ضرورت کو حدیث سے پورا کرنا نہیں چاہتے وہ اس ضرورت کا حل مرکز ملت اور قوم کی پنچایت تجویز کرتے ہیں۔ گو یہ بات غلط ہے۔ لیکن اس میں بھی اس بات کا اقرار ہے کہ قرآن پاک کے ساتھ ایک جزو لازم کی بہر حال ضرورت باقی تھی جسے وہ اب اس طرح پورا کر رہے ہیں۔

اسمبلی کو یہ حق دینے کے خطرناک نتائج

مسلمان دنیا کے مختلف ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کوئی خلافتی نظام ان سب پر حاوی نہیں۔ ہر ملک کی اپنی اسمبلی یا مجلس منتظمہ ہے۔ قرآن مجملات کی تفصیل اور قرآنی روشنی میں اجتہاد اگر ان اسمبلیوں کے سپرد ہو جائے تو ظاہر ہے کہ ہر ملک کی اسمبلی کے لوگ اسے اپنے اپنے ذوق کے مطابق طے کریں گے اور دین کی عملی راہیں ہر ملک میں جدا جدا قرار پائیں گی۔ مسلمان ایک ملتِ واحدہ کی حیثیت سے اپنا وجود کھو دیں گے۔ قرآن پاک کا محض نام انہیں یکجا نہ رکھ سکے گا اور یہ امورِ کلیہ جب مختلف ملکوں میں مختلف تفصیل پائیں گے تو ان کا ایک عنوان محض برائے نام ہوگا۔ راہ ہر ایک کی جدا ہوگی اور علم و دین کے نام پر ایسی انارکی Anarchi پھیلے گی کہ اس سے بڑا حملہ شاید ہی کبھی اسلام پر ہوا ہو۔

پھر ایک ایک ملک میں بھی وقت کے اختلاف اور زمانے کے انقلاب سے مرکز ملی کی آراء مختلف ہوتی رہیں گی۔ قرآن پاک کی ایک آیت کی مراد کسی دور میں کچھ اور کسی دور میں کچھ طے ہوگی۔ ہر نیا مجتہد اس پر ایک نئی مشق کرے گا اور پھر ووٹوں سے اس کی مراد کا فیصلہ ہوا کرے گا۔ ہر نئی نسل پہلوں پر اعتماد ختم کرے گی اور ملت کے تاریخی رشتے اس خطرناک تجویز میں بالکل گم ہو کر رہ جائیں گے اور اس کا لازمی نتیجہ ہوگا کہ اسلام ایک مسلسل شاہراہِ عمل ثابت نہ ہوگا۔

پیغمبر خاتمؐ کی مرکزی حیثیت

یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے جو مسلمانوں کو خواہ وہ کسی ملک کے ہوں

کسی دور کے ہوں، کسی نسل کے ہوں، کسی رنگ کے ہوں اور کسی طبقے کے ہوں ایک لڑی میں پروتی ہے۔ یہ حدیث کا فیضان ہے کہ ہندوستان، پاکستان، انڈونیشیا، ٹرکی، مصر، شام، انگلستان، افغانستان، جرمنی اور امریکہ کے رہنے والے سب مسلمان ایک طرح نماز پڑھتے ہیں، ایک طرح روزے رکھتے ہیں۔ سب ایک نصاب سے زکوٰۃ دیتے ہیں، نکاح و طلاق اور پیدائش و اموات میں سب ایک ہی راہ پر چلتے ہیں۔ مادیت کے اس دور میں یہ تو ہو رہا ہے کہ کئی لوگ عملاً مذہب سے دور چلے گئے۔ لیکن اگر کوئی دین کی طرف رجوع کرے اور اس پر عمل کرنا چاہے تو راہ وہی ملے گی۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے قائم کی اور اس راہ کے چراغ وہی ہوں گے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روشن کیئے۔ تاریخ میں نہیں ملتا کہ ان نجوم ہدایت کے بغیر کسی طبقے یا فرد نے اسلام کی کوئی راہ عمل طے کی ہو۔

جو لوگ قرآن پاک کے ساتھ مرکزِ ملت کے فیصلوں کو جزوِ لازم ٹھہراتے ہیں اور وہ اسطرح قرآنی مجملات کی تشکیل چاہتے ہیں۔ ان کی یہ رائے محض ایک نظری درجے میں ہے جس نے اسلام کی پوری تاریخ میں کبھی حقیقتِ واقعہ کا لباس نہیں پہنا اور نہ تاریخ کے کسی دور میں کبھی اس طرح قرآنی معاشرے کی تشکیل ہوئی ہے۔ اس کی تائید مزید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس تجویز کے حامیوں نے اسے اشاعتِ اسلام کے عنوان سے نہیں، ہمیشہ طلوعِ اسلام کے نام سے پیش کیا ہے۔ جو اسلام آج سے چودہ سو سال پہلے طلوع ہوا تھا۔ اس میں قرآن کریم کے ساتھ جزوِ لازم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام کی عملی راہیں تھیں اور اب اسلام کے نئے طلوع میں یہ تجویز ہے۔ کہ قرآن کریم کے ساتھ مرکزِ ملت کو جزوِ لازم ٹھہرایا جائے اور حدیث سے جان چھڑا لی جائے۔

یہ نئی تجویز محض نظری بات ہے۔ اس نئے تخیل سے اسلام کی چودہ سو سالہ عملی تاریخ کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ جب اسلام کے سنہری زمانے golden age (خلافت راشدہ) میں بھی حدیث ہی قرآن کے ساتھ جزو لازم تھی تو آج کے بے عمل دور میں وہ کون سا نیا چراغ ہو گا جو قوم میں زندگی کی حرارت پیدا کر سکے گا۔

اشاراتِ قرآنی میں حدیث کی ضرورت

مجملاتِ قرآنی ہی نہیں جن کے لیے حدیث کے جزوِ لازم کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم میں ایسے اشارات بھی ملتے ہیں جنہیں روایات کو ساتھ ملائے بغیر سمجھنا بہت مشکل ہے پھر یہ اشارات کبھی عددی صورت میں ہوتے ہیں کبھی واقعاتی صورت میں اور ہر جگہ اس کی وضاحت حدیث سے ضروری ہے۔

عددی اشارات

① جاء من اقصا المدینة رجل یسعیٰ[۱] وہ ایک شخص کون تھا جو کسی دور مقام سے دوڑتا ہوا آیا تھا؟ قرآن میں اس کی طرف اشارہ ہے مگر اس کا نام و پتہ کہیں نہیں ملتا۔

② ثانی اثنین اذ ھما فی الغار[۲] میں دو کون تھے جن میں سے ایک دوسرے کو کہہ رہا تھا اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ نام کہاں ہیں؟

③ وعلی الثلاثة الذین خلفوا[۳] میں تین کون تھے جن پر زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ کر دی گئی تھی۔

④ منھا اربعة حرم[۴] میں چار مہینے کون سے تھے جن میں لڑائی لڑنا عہدِ جاہلیت میں ممنوع تھا؟ ان حرمت کے مہینوں کے نام کیا ہیں؟

⑤ خمسة سادسھم کلبھم[۵] میں پانچ کون تھے جن میں چھٹا ان کا کتا تھا؟

⑥ ستة ایام[۶] میں چھ دن کون سے تھے جن کے بعد رب العزت نے عرش پر اجلال فرمایا۔

⑦ سبعة اذا رجعتم[۷] میں سات روزے کس ترتیب سے عمل میں آئیں گے؟ اور رجعتم سے مراد مطلق واپسی ہوگی یا گھر کو واپسی؟

⑧ یحمل عرش ربك فوقھم یومئذ ثمانیة[۸] میں آٹھ فرشتے کون ہیں جو حشر کے

---

[۱] پ۲۲ یٰسین ع ۲ [۲] پ۱۰ التوبہ ع ۶ [۳] پ۱۱ التوبہ ع ۱۴ [۴] پ۱۰ التوبہ ع ۵ [۵] پ۱۵ الکہف ع ۳
[۶] پ۸ البقرہ ع ۱۴ [۷] پ۲ البقرہ ع ۲۴ [۸] پ۲۹ الحاقہ ع ۱

دن عرشِ باری تعالیٰ اٹھائیں گے۔

(۹) فی المدینۃ تسعۃ رھط[۱] میں نو قبیلے کون سے تھے؟

(۱۰) فاتوا بعشر سور مثلہ[۲] میں دس سورتیں کون سی تھیں جن کے مثل انہیں دس سورتیں لانے کا چیلنج دیا گیا تھا۔

(۱۱) انی رأیت احد عشر کوکبا[۳] میں گیارہ ستارے کون تھے۔

(۱۲) ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل وبعثنا منھم اثنی عشر نقیبا[۴] میں بارہ نقیب کون تھے۔ جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں اٹھائے تھے۔

واقعاتی اشارات

(۱) فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم[۵] میں صورت واقعہ کیا تھی۔ ان لوگوں نے کون سی بات بدلی تھی اور کس بات کے عوض؟

(۲) واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا[۶] میں وہ حدیث پیغمبر کیا تھی۔ جو آپ نے اپنی کسی بیوی کو بطور راز کہی تھی؟

(۳) ما قطعتم من لینۃ او ترکتموھا قائمۃ علی اصولھا[۷] کن درختوں کے کاٹنے اور کن کو اپنی بنیادوں پر چھوڑنے کا واقعہ یہاں مذکور ہے۔

(۴) عبس وتولی ٥ ان جاءہ الاعمی[۸] وہ کون تھا جس کی پیشانی پر ایک نابینا خادم کے چلے آنے سے بل آگئے "اس نے تیوری چڑھالی اور منہ موڑ لیا کہ اس کے پاس نابینا آیا"۔ تیوری کس نے چڑھائی؟ نابینا کون تھا اور یہ واقعہ کیا تھا؟

(۵) اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا[۹] "جس وقت وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا تو غم نہ کر بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ غار میں سب کون تھے؟ کب کا واقعہ ہے؟ کون سے غار کی بات ہے؟

---

[۱] پ۱۹ النمل ع۴ [۲] پ۱۲ ہود ع۲ [۳] پ۱۲ یوسف ع۱ [۴] پ۶ المائدہ ع۳ [۵] پ۱ البقرہ ع۶
[۶] پ۲۸ التحریم ع۱ [۷] پ۲۸ الحشر ع۱ [۸] پ۳۰ عبس [۹] پ۱۰ التوبہ ع۶

⑥ اذ انتم بالعدوة الدنیا وھم بالعدوة القصوی والرکب اسفل منکم[1]

ترجمہ۔ اور جس وقت تم تھے ورلے کنارے پر اور وہ پرلے کنارے پر اور قافلہ نیچے اتر گیا تھا تم سے۔

اس قسم کے اشارات روایات کو ساتھ ملائے بغیر نہ سمجھے جا سکتے ہیں اور نہ سمجھائے جا سکتے ہیں۔

⑦ واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم[2] اور جس وقت وعدہ کر رہا تھا تم سے خدا دو جماعتوں میں سے ایک کا۔ کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا نہ لگے وہ تم کو ملے۔

مشکلاتِ قرآنی میں حدیث کی ضرورت

قرآن پاک اپنی اصولی دعوت میں بہت آسان ہے۔ اس میں نصیحت کے ابواب ایسے پیرائے میں لائے گئے ہیں کہ جو شخص بھی دل رکھتا ہو اور کان دھرے۔ اس سے اثر لیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر[3]

ترجمہ۔ اور بیشک ہم نے قرآن نصیحت لینے کے لیے آسان کر دیا ہے۔ سو ہے کوئی سمجھنے والا؟

ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید[4]

ترجمہ بے شک اس میں نصیحت ہے ہر اس شخص کے لیے جس کے پاس دل ہو یا وہ کان لگا سکے اور گواہی دے سکے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کریم میں حقائق غامضہ موجود نہیں ہے اس کتاب الٰہی میں حقائق کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔ بڑے بڑے فضلاء اس سے موتی چنتے رہے اور چن رہے ہیں۔ لیکن اس کی اتھاہ گہرائیوں پر از خود کوئی قابو نہیں پا سکتا صحابہ کرامؓ جن کے سامنے قرآن نازل ہوا تھا اور ان کی اپنی زبان بھی عربی تھی حضورؐ

---

[1] پ۱۰ الانفال ع ۵ [2] پ۹ الانفال ع ۱۳ [3] پ۲۷ القمر ع ۱ [4] پ۲۶ ق ع ۳

کے فیض تربیت سے ان کے قلوب تزکیہ اور تصفیہ پا چکے تھے۔ پھر بھی انہوں نے بعض آیات قرآنی کے سمجھنے میں دقت محسوس کی اور جب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت نہ فرمائی۔ وہ آیات ان کے لیئے آسان نہ ہو سکیں۔ قرآن کریم کے ساتھ حدیث ایک جزو لازم کے طور پر ہمیشہ کارفرما اور ہدایت پیرا رہی ہے۔

(۱) الذین اٰمنوا و لم یلبسوا ایمانہم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون۔[۱]

ترجمہ۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمانوں میں کوئی ظلم شامل نہ کیا ہو وہ لوگ ہیں جنہیں ہمیشہ کا امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ سہم گئے اور انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا۔

وَاَیُّنَا لم یظلم ؟ (ہم میں سے کس نے ظلم نہ کیا) اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ ان الشرک لظلم عظیم۔[۲]

اس حدیث سے قرآن پاک کی یہ آیت حل ہو گئی اور صحابہ کرامؓ کے دل مطمئن ہو گئے اور ان کا تردد جاتا رہا۔ مراد آیت کی یہ ہے کہ جو شخص ایمان لائے اور پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ وہ عذاب سے مامون اور ہدایت یافتہ ہے۔[۳]

(۲) والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔[۴]

ترجمہ۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کیئے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کر دیتے۔ آپ ان کو دردناک عذاب کی خبر دیجئے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ یہ آیت ہم مسلمانوں کے بارے میں نہیں اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا کہ نہیں ہمارے اور ان کے دونوں کے بارے میں ہے۔[۵] حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔

---

[۱] پ الانعام ع و [۲] صحیح بخاری جلد ۲ صـ۱ [۳] معارف القرآن جلد ۳ صـ۳۸ [۴] پ التوبہ ع ۵ [۵] صحیح بخاری جلد ۸

هذا قبل ان تنزل الزکوٰۃ فلما انزلت جعلها اللہ طہرًا للاموال [۱]

ترجمہ: یہ صورت اس پہلے دور سے متعلق ہے جب کہ زکوٰۃ کا حکم نہیں اُترا تھا۔ جب زکوٰۃ کا حکم آ گیا تو خدا تعالیٰ نے اسے (زکوٰۃ کو) سارے مال کی پاکیزگی کا سبب بنا دیا۔

سو حدیث نے فرمایا کہ یہاں جمع کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کی زکوٰۃ نہ دی جائے۔ زکوٰۃ دینے سے وہ اکتناز (مال جمع رکھنا) کے ذیل میں نہیں آتا۔ اب اس کا مال پاک ہو چکا ہے۔ صحابی رسول حضرت عمر بن الخطابؓ کہتے ہیں کہ میں نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔

ان اللہ لم یفرض الزکوٰۃ الا لیطیب بہا ما بقی من اموالکم [۲]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اس لیئے فرض کی ہے کہ اس سے تمہارے باقی اموال پاک کر دیئے جائیں۔

اسلام میں اگر کسی صورت میں بھی مال جمع کرنے کی اجازت نہ ہوتی تو شریعت محمدی میں مال کی زکوٰۃ اور میراث کی تقسیم کا قانون نہ ہو سکتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد سے صحابہؓ کے دل مطمئن ہو گئے اور ان کا تردد جاتا رہا۔

روزے کی ابتدا کس وقت سے ہوتی ہے۔ اس کے لیئے قرآن پاک میں ارشاد ہوا۔

(۴) وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود [۳]

ترجمہ: اور کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سفید اور سیاہ دھاگے میں تمہیں فرق معلوم ہونے لگے۔

حضرت عدی بن حاتمؓ (۶۰ھ) نے سفید اور سیاہ دھاگے اپنے تکیئے کے نیچے رکھ لیئے۔ تاکہ جب دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہونے لگیں تو اس سے وہ اپنے روزے کی ابتدا کر لیا کریں۔ حضرت سہل بن سعدؓ (۹۱ھ) کہتے ہیں:۔

وکان رجال اذا ارادوا الصوم ربط احدھم فی رجلیہ الخیط الابیض

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸۹ [۲] رواہ ابو داؤد کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۱۵۶ [۳] پ ۲ البقرہ ع ۲۳۔

والخیل الاسود ولا یزال یاکل حتی یتبین له رؤیتھما۔[1]

ترجمہ۔ کچھ لوگ جنہوں نے روزے کی نیت کی ہوتی وہ اپنے دونوں پاؤں سے سفید اور سیاہ دھاگے باندھ رہتے اور برابر سحری کھاتے رہتے یہاں تک کہ وہ دونوں دھاگے آپس میں ممتاز ہو جائیں۔

اس سے پتہ چلا کہ صرف عدی بن حاتمؓ ہی نہ تھے جو یہاں مراد قرآنی نہ سمجھ پائے بلکہ اور بھی کئی لوگ تھے جنہوں نے سفید اور سیاہ دھاگوں کو ان کے ظاہر پر رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتمؓ کو سمجھایا کہ یہاں سفید اور سیاہ دھاگے سے مراد دن کی سفیدی اور شب کی سیاہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد من الفجر کے الفاظ نازل فرمائے۔ بخاری شریف میں ہے۔ فانزل اللہ بعدہ من الفجر اس سے سب سمجھ گئے کہ یہاں دن اور رات کا ایک دوسرے سے ممتاز ہونا مراد ہے۔

اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ حضورؐ نے جس طرح اس آیت کی وضاحت فرمائی۔ وہی مراد ربانی تھی اور بعد کی وحی قرآنی نے واضح طور پر وہی بات کہی جو آپ نے پہلے بطور تفسیر کہی تھی وہاں یہ بھی پتہ چلا کہ قرآن پاک اگر پیغمبر پر نازل نہ ہوتا کہیں دھرا مل جاتا تو اس کے کئی مقامات عربوں پر بھی اپنے معنی مراد کے ساتھ واضح نہ ہوتے۔

(۴) قرآن کریم نے یہود و نصاریٰ کے بارے میں خبر دی کہ انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا بنا رکھا ہے۔ مگر امر واقع یہ ہے کہ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ابن اللہ (خدا کا بیٹا) کہتے تھے۔ اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا نہ کہتے تھے۔ مگر قرآن کریم نے کہا:۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ۔[2]

ترجمہ۔ انہوں نے ٹھہرا لیا ہے اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا اللہ کے سوا

حضرت عدی بن حاتمؓ (۶۷ ھ) نے اپنے عیسائی ہونے کے زمانے میں حضور اکرم

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صـ۳۲ [2] پ۱۰ التوبۃ ع ۵۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں سوال کیا تھا اور کہا تھا۔

انا لسنا نعبدھم۔ ترجمہ: ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے۔

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ألیس یحرمون ما احل اللہ فتحرمونہ ویحلون ما حرم اللہ فتستحلونہ۔

ترجمہ: کیا وہ اس چیز کو جو اللہ نے حلال بنائی حرام نہیں ٹھہرا لیتے۔ سو تم اسے حرام مان لیتے ہو اور وہ اسے جو اللہ نے حرام فرمائی حلال ٹھہرا لیتے ہیں اور تم اسے حلال مان لیتے ہو۔

عدی بن حاتمؓ نے اس کا اقرار کیا تو حضورؐ نے اس پر فرمایا۔ فتلك عبادتهم[1] یہ ان کی عبادت ہی تو ہے۔ تحلیل وتحریم حق خداوندی تھا یہ اسی کی شان ہے کہ کسی چیز کو حلال یا حرام کرے۔ انہوں نے خدا کا یہ حق اپنے پیروں اور پادریوں کو دے دیا۔ کیا یہ انہیں خدا کی خدائی میں شریک کرنا نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا کہ اس طرح عالموں کو اور درویشوں کو تحلیل وتحریم کا حق دینا ان کی ربوبیت کا اقرار کرنا ہے۔ یہ حدیث ہے جس نے قرآن کی وضاحت کی۔ پھر حضورؐ نے حضرت عدی بن حاتمؓ کو اسلام کی دعوت دی اور انہوں نے مان لی۔ خدا کی توحید اور حضورؐ کی رسالت کی گواہی دی۔ اس پر آپ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خبر دی کہ تم پر تمہارے دل کے وسوسوں پر بھی مواخذہ ہوگا۔ صحابہ کو اس پر بہت رنج ہوا اور وہ بڑے متفکر ہوئے۔ انہوں نے حضورؐ کی طرف رجوع کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہیں اشکال نظر آئے یا دقت۔ مگر حق تعالیٰ کے ارشاد تسلیم کرنے میں ادنیٰ توقف بھی نہ کرو اور کھلے دل سے سمعنا واطعنا کہو۔ اللہ تعالیٰ کو صحابہؓ کی یہ ادا بہت پسند آئی اور اس نے قرآن کریم میں ان کے ایمان لانے کی شہادت دی اور یہ بھی فرمایا کہ مقدور سے باہر کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی۔ مگر یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ پہلا اعلان یہی تھا۔

---

[1] رواہ احمد والترمذی وابن جریر کما فی تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۔ وراجع لہ المظہری جلد ۴ صفحہ ۱۹۴

وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ فیغفرلمن

یشاء ویعذب من یشاء۔[1]

ترجمہ۔ اور اگر ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا تم اُسے چھپاؤ۔

حق تعالیٰ تم سے اس کا حساب لیں گے۔ پھر بخشے گا جس کو چاہے۔ اور

عذاب کرے گا جس کو چاہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے سے عقدہ کھلا اور پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ

کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا۔ لا یکلف

اللہ نفسا الا وسعھا۔ جو چیزیں اختیاری نہیں ان پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہ فرمائیں گے۔ ہاں

وہ خیالات جو انسان اپنے اختیار اور توجہ سے لائے اور وہ معصیت پر مبنی ہوں۔ گو وہ

انہیں عمل میں نہ بھی لا سکے تو بھی ان پر بقدر ہمت و توجہ مواخذہ ہوگا۔ الّا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود

کسی کو معاف کر دے ــــ ہاں جو وسوسے غیر اختیاری طور پر آئیں، اُن پر مواخذہ نہیں۔

؎ وساوس جو آتے ہیں اس پہ ہو غم کیوں — عبث اپنے جی کو جلانا بُرا ہے

خبر تجھ کو نادان اتنی نہیں ہے — وساوس کا آنا کہ لانا بُرا ہے

اب مومن کی التجا یہ ہے: ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا۔[2]

ترجمہ۔ اے ہمارے پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

نماز میں جب امام جہری قرأت کرے اور اس حصہ قرآن میں پہلے انبیاء کرام کے تذکرے ہوں

تو کیا سُننے والوں کا دھیان ان کی طرف منتقل نہ ہوگا؟ لیکن اسی درجہ میں ہوگا کہ خیال آیا اور

گیا۔ نمازی کسی ایک پر دھیان جما نہیں رہا کہ اس کو ہدف توجہ بنا کر باقی ہر چیز سے اپنی ہمت

پھیر لے۔ نماز میں جو وسوسے اپنی توجہ اور اپنے اختیار سے آئیں شریعت صرف ان پر مواخذہ

کرتی ہے اور یہاں اسی محاسبے کا بیان ہے۔ ہاں نماز میں خدا کی طرف سے کسی کے دل میں کوئی

بات ڈال دی جائے تو یہ الہام الٰہی ایک انعام الٰہی ہے جو نمازی کو اسی دنیا میں مل گیا۔ حضرت عمرؓ

کے دل پر نماز کی حالت میں جہاد کے نقشے اتارے جاتے تھے اور یہ بیشک ایک انعام الٰہی ہوتا

تھا تاہم دھیان آنے اور دھیان لانے میں جوہری فرق ہے۔

---

[1] پ۳ البقرہ ع۴۰ آخر سورت [2] ایضاً

توسیعاتِ قرآن میں حدیث کی ضرورت

قرآن پاک کی بعض آیات میں کچھ بنیادی اصول ہوتے ہیں جب یہ دریافت ہو جائیں تو ان کا پھیلاؤ اپنی لپیٹ میں کچھ اور جزئیات کو بھی لے آتا ہے۔ یہ ساری ذمہ داری مجتہدین پر نہیں چھوڑی گئی۔ بلکہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض قرآنی اصول کی توسیعات فرمائی۔ قرآنی توسیعات میں حدیث کی رہنمائی یقین کا فائدہ بخشتی ہے۔

(۱) پہلی شریعتوں میں دو بہنیں ایک نکاح میں جمع ہو سکتی تھیں۔ قرآن کریم نے آئندہ کے لیے اسے حرام قرار دیا۔ ارشاد ہوا۔

ان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف۔ پ النساء ع ۴

ترجمہ۔ اور یہ حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرو۔ ہاں جو پہلے ہو چکا، ہو چکا۔ ایک شخص کے نکاح میں جمع ہو کر دو بہنوں میں کھچاؤ پیدا ہونے کا قوی مظنہ تھا۔ قرآن کریم کے اس حکم میں یہ حکمت تھی کہ وہ صلہ رحمی جو بہنوں میں ہونی چاہیئے پامال نہ ہو اور ایک خاندان (بیوی کے خاندان) سے دو متقابل رشتے قائم نہ ہوں۔ اور نہ باہمی مودت پامال ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصلِ شرعی کی پوری حفاظت فرمائی اور اس علت کو پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی تک پھیلا دیا کہ یہ بھی ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ آپ نے اس قرآنی اصل ان تجمعوا بین الاختین کی توسیع فرما دی۔ محدث ابن حبان (م ۳۵۴ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انکن اذا فعلتن ذلک قطعتن ارحامکن

ترجمہ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم نے قطع رحمی کی۔ نیل الاوطار جلد ۶ صـ ۱۵۷

قرآنی اصل کی توسیع میں حدیث کا فیصلہ قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ مجتہد اصل حکم دریافت کر کے اسے کتنی ہی جزئیات پر پھیلائے ظنیت پھر بھی قائم رہتی ہے۔ حدیث صریح والی قطعیت اس میں نہیں آتی قرآنی احکام کی توسیع میں صرف حدیث قطعی ہے۔

(۲) شریعت اسلامی میں نسب وصہر کے رشتوں کے ساتھ دودھ کے رشتے حرام کیے گئے ہیں۔ ان سے نکاح جائز نہیں۔ قرآن کریم میں ہے :۔

واُمھاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ۔ پ۴ النساء ع ۴

ترجمہ۔ تمہاری دودھ کی مائیں اور بہنیں بھی تم پر حرام کی گئی ہیں۔ یعنی تم ان سے نکاح نہیں کر سکتے۔

قرآن کریم نے دودھ کے رشتوں میں صرف ماں اور بہن کا ذکر کیا ہے۔ اس قرآنی اصل کی توسیع میں رضاعی خالہ اور رضاعی پھوپھی بھی آجاتی ہیں۔ حدیث نے اسے بیان کرکے قرآنی اصول کو پھیلا دیا اور ایک بڑی ضرورت پوری کردی۔ رضاعی حرمت کا تعلق صرف اس دودھ پلانے والی ہی سے نہیں رہے گا۔ بلکہ اس کا خاوند بھی دودھ کے رشتے میں باپ تسلیم کیا جائے گا۔ اور اس کے لئے یہ دودھ پینے والی بچی حکماً بیٹی ہوگی۔ اس قسم کے مسائل جو اصول وعلل پر مبنی ہوں اپنی توسیع میں کئی جزئیات کو شامل ہوتے ہیں۔ ان توسیعاتِ قرآنی میں حدیث کی اشد ضرورت ہے۔

(۳) قرآن کریم نے سود کی حرمت بیان کی۔ اس حکم کے تحت اور کئی کاروبار بھی آتے تھے۔ حدیث نے اس حکم کی علت کو پھیلا دیا۔ قرآن کریم نے تو اتنا فرمایا :۔

احل اللہ البیع وحرم الربوٰ پ۳ البقرہ ع

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔

یہ سود کی حرمت کا بیان ہے۔ لیکن اس حکم کی علت اور حرمت اپنی لپیٹ میں کئی تجارتوں کو بھی شامل تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک چھ چیزوں کی بیع وشراء میں حکم دیا کہ اگر ان کا باہمی تبادلہ کیا جائے تو برابر سرابر اور نقد دست بدست ہونا چاہیئے۔ ان میں ادھار کیا گیا یا مقدار میں کمی بیشی کی گئی تو وہ بھی سود ہو جائے گا۔ آنحضرتؐ نے درخت پر لگے پھلوں اور ٹوٹے پھلوں کے مابین اور کٹے ہوئے صاف غلّے اور کھڑی فصلوں کے باہمی سودے کو بھی سود میں داخل کیا۔ کیوں کہ ان صورتوں میں کمی بیشی کا امکان بہرصورت موجود رہتا تھا۔ قرآن کریم میں

جس سُود کا ذکر ہے اس سے جلی طور پر وہی سُود مراد ہے جو قرض پر لیا جاتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ایک دوسری قسم کے سود کا علم ہوا جو عنواناً سود نہ تھا۔ لیکن اس میں سود کی اصل لپٹی تھی۔ امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) لکھتے ہیں:۔

اس سود کے حرام ہونے پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر احادیث وارد ہیں۔ اس قسم کے سود کی تفصیل پہلے موجود نہ تھی۔ اس لیئے صحابہ کرامؓ کو اشکال ہوا اور فقہاء کے بھی اختلاف ہوئے۔[۱]

جاہلیت میں سود کا لفظ پورا متعارف تھا اور اس سے وہ زیادتی مراد تھی۔ جو قرض اُدھار پر لی جاتی تھی۔ حدیث نے اس کی علت اور سبب کی نشاندہی بھی کر دی اور جس جس بیع و شراء میں اس کا اثر آتا تھا اسے بھی حرام قرار دے دیا۔ حدیث قرآنی اصل کی توسیع میں بنیادی کام کرتی ہے اور اس سے مسئلہ میں قطعیت بھی آجاتی ہے۔ جو صرف اجتہاد مجتہد سے نہیں آتی۔

(۴) قرآن کریم میں خمر (شراب) اور میسر (جوئے) کو ناپاک اور لائق اجتناب (حرام) کہا گیا ہے۔[۲] خمر انگور کی شراب ہوتی ہے۔ یہاں لفظ خمر اپنے اصل مفہوم میں محدود نہیں۔ کچھ اور نشہ آور مشروبات بھی اس حکم میں شامل ہیں۔ خمر کے مفہوم میں یہ توسیع اور حرمت خمر (شراب کے حرام ہونے) سے اصلاح معاشرہ حدیث کے بغیر ممکن نہ تھا ——— اسی طرح لفظ میسر (جوا) اپنے عمل متعارف میں ہی محدود نہیں۔ کئی قسم کے اور کاروبار بھی اس کے ذیل میں آتے تھے۔ اس کے مفہوم میں یہ توسیع بدون حدیث ممکن نہ تھی۔ شرط والی کھیل میں حصہ لینے والا ایک شخص بھی ایسا ہو جس کا معاملہ نفع ونقصان میں دائر نہ ہو۔[۳] تو یہ صورت اس کھیل کو جُوئے سے نکال دے گی۔ ایسے اہم امور حدیث کے بغیر نہ کھل سکتے تھے۔ قرآن کریم میں تو اجمالی حکم تھا۔ حدیث نے اس باب میں تفصیلی رہنمائی کی۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

---

[۱] شرح معانی الآثار جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ [۲] پ المائدہ ع ۱۱ [۳] وہ جیتنے کی صورت میں نفع پائے لیکن ہارنے کی صورت میں اس پر کوئی نقصان نہ آئے دوسرے شرکاء کے مابین ہر طرف نفع و نقصان کی شرط لگی ہو۔

من ادخل فرسًا بین فرسین و ھولا یأمن ان یسبق فلا بہ ومن ادخل فرسًا بین فرسین وھو امن ان یسبق فھو قمار[1]

قرآن کریم میں صرف یہی ارشاد تھا کہ شراب اور جؤا ناپاک ہیں اس سے بچو۔

انما الخمر والمیسر رجسٌ من عمل الشیطان فاجتنبوہ۔[2]

ترجمہ۔ بے شک شراب اور جؤا ناپاک عمل شیطان ہیں۔ سو بچو اس ناپاکی سے۔

⑤ نکاح کے معنی شریعت میں دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کے ہیں۔ اس سے نکاح ہو جاتا ہے۔ اب وہ نکاح کو ختم کرنا چاہیں تو طلاق لازم ہوگی گو عملِ نکاح تک ابھی نوبت نہ آئی ہو۔ البتہ مہر اگر مقرر ہو چکا تھا تو نصف دینا لازم ہوگا پورا نہیں۔ قرآن کریم میں ہے:۔

وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم۔ پ۲ البقرہ ع ۳۱

ترجمہ۔ اور اگر تم انہیں چھونے سے پہلے طلاق دے دو اور تم ان کے مہر مقرر کر چکے ہو تو اپنے مقرر کردہ مہر کا نصف دینا لازم ہوگا۔

اس سے پتہ چلا کہ قرآن کریم میں نکاح سے مراد صرف عقد ہے۔ جو خاوند بیوی کے مابین دو گواہوں کے سامنے بندھے اسے عملِ نکاح (صحبت) لازم نہیں لیکن مطلقہ بہ طلاق ثلاثہ اپنے پہلے خاوند کے لیے لائق نکاح نہیں بنتی۔ جب تک وہ عورت کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے اور وہ دوسرا خاوند اسے طلاق نہ دے۔ اس دوسرے نکاح کا حکم قرآن کریم میں موجود ہے۔ یہاں لفظ نکاح سے کیا مراد ہے؟ صرف عقدِ نکاح یا عملِ نکاح بھی اس میں شرط ہے۔ یہ بات قرآن کریم میں مذکور نہ تھی۔ حدیث نے اس اصل قرآنی کی توسیع کی اور بتلایا کہ یہ دوسرا خاوند اگر اس سے عملِ نکاح نہ کرے وہ عورت

---

[1] رواہ احمد وابو داؤد وابن ماجہ۔ حدیث میں اس کو محلل کہا گیا ہے۔ یہ جیت جائے تو دونوں سے شرط لے لے گا اور پیچھے رہ جائے تو اسے کچھ دینا لازم نہ آئے گا۔ [2] پ۷ المائدہ ع۱۲ آیۃ ۹۰

اس سے طلاق پانے کے باوجود اپنے اس پہلے خاوند سے نکاح نہ کر سکے گی۔ قرآن کریم میں صرف یہ ہے :۔

فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره[1]۔

ترجمہ: سو اگر اس نے تیسری طلاق بھی دے دی تو اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے اور وہ اسے طلاق نہ دے دے۔

یہاں حتی تنکح میں لفظ نکاح سے صرف عقد نکاح مراد نہیں عمل نکاح بھی اس میں شرط ہے لفظ نکاح میں یہ توسیع کہاں سے آئی ؟

اس ساری بحث discussion کا حاصل یہ ہے کہ قرآن پاک کے لئے ایک ایسے جزو لازم کی ضرورت ہے جو اس کے مجملات کی عملی تشکیل کرے۔ اشارات کی تفصیل کرے۔ مشکلات کی توضیح کرے۔ اصول و علل کی توسیع کرے اور زندگی کے ان ہزار ہا مسائل کو جو قرآن پاک میں منصوص نہیں۔ ایسا استناد مہیا کرے۔ جس کے تحت ہزاروں جزئیات قرآن پاک کے تحت جمع ہو جائیں اور ان کا واضح اور کامیاب حل سامنے آجائے اور قرآن پاک کی شانِ جامعیت اپنی جگہ قائم رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی نے اپنی حدیث سنت اور قرآنی معاشرے کے پاکیزہ افراد صحابہ کرامؓ کے ذریعہ اسلام کو وہ استناد مہیا کیا کہ اس میں ہر ضرورت کا حل ہر سوال کا جواب، ہر الجھن کا سلجھاؤ ملا اور ہر اضطراب کو شفاء ملی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد قرآن پاک پہنچانا ہی نہ تھا۔ کتاب الٰہی کی تعلیم بھی تھی اور اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ایک قرآنی معاشرے کی تشکیل بھی تھی۔ آپ نے قرآن و حکمت کی تعلیم اور صحابہؓ کے تزکیہ باطن سے ایک اچھا معاشرہ بھی تشکیل دیا۔ آپ نے زندگی کے لاتعداد مسائل کو ایسا استناد بخشا کہ ہم زندگی کے کسی گوشے میں بھی اپنے آپ کو تشنہ کام نہیں پاتے۔ یوں کہیئے حدیث علم کے ہر باب میں ہمیں شفا بخشتی ہے۔

---

[1] پ۲ البقرہ ع ۲۹

حدیث نبوی دین میں حرف آخر ہے

حدیث نبوی ہر صاحبِ بصیرت انسان کے لئے دین کا حرف آخر ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم شریعت کا اول علمی ماخذ ہے لیکن قرآن کریم کی کسی آیت میں اگر مفہوم کا کہیں اختلاف ہو اور وہاں دو رائیں قائم ہو سکتی ہوں اور نبوت کسی ایک معنی کی تعیین کر دے تو حرفِ آخر پھر کس کی بات ہوگی ؟ صحابہ کرام کسی آیت کی تشریح میں مختلف ہوں تو جس کی بات بھی لے لی جائے۔ اس میں ہدایت ہے۔ کسی کی بات حرفِ آخر نہیں لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک معنی کی تعیین کر دیں تو پھر اور کسی سے پوچھنے کا کسی کو حق نہیں۔ آپ کی بات دین میں حرف آخر ہے۔ قرآن پاک میں بیان قرآن کا حق آپ کو ہی دیا گیا ہے۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتذکرون[1]

ایک صورت استثناء

ہاں اگر کسی کو کسی حدیث کے حدیث ہونے میں ہی شک ہو یا اس کے مفہوم میں کوئی تردد ہو اور وہ بایں جہت اس کا انکار کرے کہ یہ ارشادِ نبوت نہیں تو وہ حدیث بے شک اس کے لئے حرف آخر نہ ہوگی، لیکن اگر اسے حدیث نبوی مانا جائے اور یہ واضح ہو کہ یہ واقعی ارشادِ نبوت ہے تو پھر اس کے انکار کی کسی کو گنجائش نہیں۔ حدیث نبوی بلاشبہ دین میں حرف آخر تسلیم ہونی چاہیئے۔ یہ صورت عمل صاحب بصیرت کے لئے ہے۔ عامی اگر کسی حدیث کا انکار کرے اور کہے جب تک میں اپنے کسی معتمد عالم سے نہ پوچھ لوں اور اس حدیث اور اس کی دلالت کے بارے میں تسلی نہ کر لوں، اُسے قبول نہ کروں گا تو یہ انکار حدیث شمار نہ ہوگا۔ اسے ایک علمی اختلاف سمجھا جائے گا۔

---

[1] پ ۱۴ النحل

مقامِ حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ اما بعد :

آج کے اس عنوان سے درجہ حدیث مراد نہیں ۔ نہ اس عنوان کے تحت اس وقت یہ بحث مطلوب ہے ۔ کہ یہ حجت شرعی ہے یا حدیث اپنے دور کی محض ایک تاریخی دستاویز ہے ۔ نہ ہی یہ بتلانا مقصود ہے کہ اس کا درجہ قرآن پاک کے بعد دوسرے ماخذ علمی کا ہے ۔ یہ مضمون اور عنوانوں کے تحت زیر بحث آچکے ہیں ۔ آج ہمیں اس کے مبدأ میں گفتگو کرنا ہے ۔ اس موضوع میں یہ نہ سمجھیں کہ حدیث کے مقام اور درجے سے بحث ہو رہی ہے ۔ یہاں لفظ مقام ایک دوسرے معنی میں بولا گیا ہے اور اس سے مراد اس کی اصولی حقیقت یہ ہے کہ اساسی طور پر حدیث کا ماخذ کیا ہے ؟ درجہ سے بحث ہو تو مقامِ حدیث سے تشریعِ اسلامی کا دوسرا ماخذ مراد ہو گا اور یہ حدیث کی صفت ہو گی ۔ مبدأ میں گفتگو ہو تو حدیث کی ذات سے بحث ہو گی ۔

سوال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ علمی میراث جو آپ کے عہد میں انسانی زندگی کے مختلف گوشوں کو دینی روشنی بخشتی رہی ۔ اس کا مبدأ پیغمبر کی اپنی ذات تھی جس کی رُو سے آپ کلام یا کام کرتے رہے یا اس میں بھی آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی DIVINE GUIDANCE ملتی تھی ؟ اور آپ اسی کے بُلانے سے بولتے تھے اور اسی کے اُٹھانے سے اُٹھتے تھے ——— سو آج کا موضوع اس بات کی تحقیق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی صرف قرآن کی صورت میں اُترتی رہی اور وہ الفاظ قرآن میں منحصر تھی یا قرآن کریم کے علاوہ بھی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دین کی کوئی بات کہتے تو اس میں اذنِ خداوندی شامل ہوتا تھا اور اس کے لیے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تھی ۔ اور آپ

اسی روشنی میں ہی قرآنی وحی کی عملی تشکیل فرماتے رہے؟

اس میں شک نہیں کہ حدیث شرح قرآن ہے اور یہ وہ روشنی ہے، جس سے کتاب اللہ کے علمی نقوش ہر سو پوری تابانی سے پھیلتے رہے اور اسی سے قرآنی نقوش میں نسبتیت کی شان اُبھرتی تھی اور عمل میں یقین کی شان واضح ہوتی تھی ——— قرآن پاک ادب اور بلاغت میں انتہائی بلندی پر واقع ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس انداز بیان میں علم و معرفت کے کئی کئی چشمے پھوٹتے ہیں اور ایک ایک بات میں کئی کئی پہلو نکلتے ہیں۔ یہ حدیث ہے جس سے قرآن کے کسی حکم میں قطعیت اور یقین کی شان آتی ہے۔ اس فہم اور تعامل کو اس سے جُدا کر لیا جائے۔ تو پھر ہر باب میں تاویل کے ہزاروں باب کھل جائیں گے اور امت کسی نقطہ یقین پر جمع نہ ہو سکے گی۔ نصوص کتاب و سنت فہم امت کے ساتھ آگے بڑھتی آئی ہیں۔

علم الکتاب اور علم الآثار دونوں کا مبدأ ذاتِ الٰہی ہے۔

تاریخ حدیث میں ہم دیکھ آئے ہیں کہ علم الکتاب اور علم الآثار ہمیشہ سے پیغمبرانہ تعلیم کے دو ماخذ رہے ہیں۔ آج کے موضوع میں اس امر کا بیان ہوگا۔ کہ جس طرح علم الکتاب کا مبدأ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اسی طرح علم الآثار کا مبدأ بھی اللہ رب العزت کی ہی ذات ہے اور حفاظتِ حدیث کی بحث میں ہم ذکر کریں گے۔ کہ جس طرح علم الکتاب معصوم ہے۔ یعنی خدائی حفاظت میں ہے۔ کہ اس میں آگے پیچھے کسی طرف سے باطل کو راہ نہیں۔ اسی طرح علم الآثار بھی محفوظ ہے اور بدوں اس کے قرآن کریم کا محفوظ ہونا بے معنی رہ جاتا ہے۔ اس وعدۂ حفاظت کے تحت یہ نہیں ہو سکتا کہ دین کی کسی بات کو غلطی ہر طرف سے گھیر لے اور اس کا حاصل کلیۃً بدل جائے یا مٹ جائے ——— اگر ایک طرف سے اس میں غلطی راہ پکڑتی ہے تو دوسری طرف سے اس پر پوری گرفت بھی ہو جاتی ہے اور دین میں داخل ہونے والی ہر نئی بات پر مؤاخذہ بھی ہوتا رہتا ہے اور ساتھ ساتھ ہی اس کا انسداد بھی ہوتا رہتا ہے۔ علماءِ سُو جب بھی دین کو بدلنے لگتے ہیں تو علماء حق فوراً ان کو ٹوکنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ وہ اس وقت دین کی حفاظت کے ارادہ الٰہیہ کے لئے بمنزلہ آلہ اور اسباب کے استعمال

ہو جاتے ہیں ــــــ سو دین مجموعی طور پر معصوم رہتا ہے ــــــ بے شک اس کی مجموعی حفاظت کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے اسی وعدہ پر ہیں ــــــ اللہ تعالیٰ ہر ضرورت کے وقت اس وعدہ کو پورا فرماتے ہیں ــــــ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون میں قرآن کریم کو لفظ ذکر سے یاد کرنے کی ایک یہ بھی حکمت تھی۔ کہ یہ حفاظت صرف لفظاً نہیں ذکراً بھی موعود ہے۔ اور کتاب الٰہی لفظاً و معنیً ہر پہلو سے محفوظ ہے۔

حدیث کا ماخذ الٰہی ہدایت ہے۔

آج کا موضوع یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ماخذ الٰہی ھدایت Divine guidance ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علاوہ بھی آپ کی فکر و نظر کو قدسی جلا بخشی تھی۔ اور آپ کے اعمال میں بھی اپنی وحی اتاری تھی۔ جس طرح علم الکتاب معصوم ہے اسی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی معصوم ہے۔ علم الکتاب میں الفاظ و معنی دونوں معصوم ہیں۔ علم الآثار میں صرف معنی مراد محفوظ ہیں۔ الفاظ کی حفاظت اس میں لازمی نہیں۔ روایت بالمعنی سے بھی الٰہی حفاظت کا یہ وعدہ پورا ہو جاتا ہے۔ ہمارے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کی قوی شہادتیں موجود ہیں۔ جن سے یہ بات ثابت ESTABLISHED ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے علاوہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وحی سے بار ہا نوازتے رہے۔ اسی وحی غیر متلو (وہ وحی جس کی تلاوت جاری نہیں ہوئی) کو ہم حدیث کہتے ہیں۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن پاک کی پہلی شہادت

قرآن کریم کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی قرآن کے علاوہ بھی کلام فرماتے تھے اور بار ہا آپ پر وحی غیر متلو revelation

Unworded (وہ وحی جس کی تلاوت نہیں صرف حکم صادر ہوتا ہو) اتری تھی۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنی ایک زوجہ محترمہ سے پردے میں ایک بات کہی۔
اور تاکید کی کہ وہ اسے کسی دوسروں کے سامنے ظاہر نہ کریں۔ لیکن ہوا یہ کہ ان سے اس پر قابو
نہ رہ سکا اور انہوں نے اسے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ذکر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ
کو خبر دے دی کہ آپ کی زوجہ نے دوسری بی بی سے وہ بات کر دی ہے۔ قرآن کریم آپ کی
اس بیوی کے دوسری بیوی سے بات کرنے کی یوں خبر دیتا ہے:۔

واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا۔ فلما نبأت بہ واظہرہ
اللہ علیہ عرّف بعضہ و اعرض عن بعض فلما نبأھا بہ
قالت من انبأک ھذا قال نبأنی العلیم الخبیر[1]

ترجمہ:۔ اور جب نبی نے اپنی کسی بی بی سے ایک حدیث پردے میں کہی تھی
پھر جب اس نے (دوسری بی بی سے) اس کی خبر کر دی اور اللہ تعالیٰ نے آپ
پر اسے ظاہر کر دیا۔ تو آپ نے اس میں سے کچھ بات جتلا دی اور کچھ سے درگزر
فرمایا۔ پھر جب آپ نے وہ بات اس بی بی کو جتلائی تو اس نے پوچھا آپ کو کس
نے یہ بات بتلائی ہے؟ آپ نے فرمایا مجھے علیم و خبیر نے خبر دی ہے۔

اللہ، علیم و خبیر نے جو خبر دی تھی وہ وحی غیر متلو تھی یہ وحی خداوندی قرآن کریم میں نہیں
ملتی۔ لیکن اس کی طرف صرف یہاں حوالہ Refernece موجود ہے۔ لیکن جس وحی کی یہاں
حکایت ہے وہ قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔

قرآن کریم کی اس آیت سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر وحی قرآنی کے سوا بھی

---

[1] پ ۲۸ التحریم

آپ سے کلام فرماتے تھے اور آپ کو کئی باتوں کی اس طرح خبر دے دیتے تھے کہ وہ بات ہمیں قرآن کریم میں مذکور نہیں ملتی۔ اس وحی غیر متلو کے لیئے اس وحی متلو (وہ وحی جس کی تلاوت کی جائے یعنی قرآن کریم) میں کئی جگہ حوالہ Reference ملتا ہے۔ مگر محکی عنہ (جس بات کی طرف حوالہ دیا جا رہا ہے وہ بات) قرآن کریم میں نہیں ملتی۔ حکایت موجود ہو اور محکی عنہ قرآن میں مذکور نہ ہو۔ اس کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ وحی متلو (قرآن) کے ساتھ ساتھ سلسلہ وحی غیر متلو (حدیث) کا بھی پورا پورا اقرار کیا جائے۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی دوسری شہادت

پھر یہ صرف اخبار (خبروں) میں ہی نہیں۔ احکام (کرنے والے کاموں) میں بھی بہت سے ایسے حکم نازل ہوئے جن کی وحی غیر متلو رہی ہے۔ مدینہ منورہ کے مشرقی جانب چند میل کے فاصلے پر بنو نضیر (یہود) آباد تھے[1] انہوں نے مسلمانوں سے عہد شکنی کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جنگ کا ارادہ فرمایا۔ یہ لوگ اپنے مضبوط قلعوں میں جا بیٹھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی کہ ان کے درخت کاٹے جائیں اور باغ اجاڑے جائیں۔ تاکہ یہ لوگ بے چین ہو کر قلعوں کے دروازے کھول دیں اور حالات کے چہرے سے نقاب اُٹھ جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جنگ کی نوبت نہ آئی اور یہ لوگ وہاں سے خیبر کی طرف نکال دیئے گئے۔ قرآن کریم میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے:۔

ما قطعتم من لينة او تركتموها قائمة على اصولها فباذن الله[2]

---

[1] یہ لوگ یہاں کے رہنے والے نہ تھے۔ لیکن ان کے بزرگوں نے سنا تھا کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اس علاقے میں تشریف لائیں گے تو وہ ان پر ایمان لانے اور ان کی نصرت و اعانت کے ارادے سے یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو افسوس کہ اُن کی اولاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش ہو گئی۔ ارض عرب ان کا وطن نہ پہلے تھا نہ بعد میں رہا۔ بلکہ ایک وقت آیا کہ کل یہود جزیرہ عرب سے نکال دیئے گئے۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فی آخر حیاتہ "اخرجوا الیھود من جزیرۃ العرب"۔

[2] پ ۲۸ الحشر ع ۱

ترجمہ۔ اور (اس دن) جو کاٹ ڈالے تم نے کھجور کے درخت یا انہیں اپنی جڑوں پر کھڑے رہنے دیا۔ سو (یہ سب) اللہ کے حکم سے تھا۔

قرآن کریم میں اللہ کا یہ حکم کہیں نہیں ملتا کہ " یہ درخت کاٹ دیئے جائیں اور یہ رہنے دیئے جائیں " لیکن اس حکم کا حوالہ قرآن کریم میں بے شک موجود ہے۔ وہ حکم خداوندی جس کے تحت درختوں کے کاٹنے کا یہ عمل کیا گیا تھا۔ وحی غیر متلو (جس کی تلاوت جاری نہیں ہوئی) تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں اتارا ہوئی تھی۔ بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان درختوں کے کاٹنے کا حکم فرما رہے تھے۔ لیکن قرآن کریم کی رُو سے آپ کی یہ حدیث حقیقۃً اذن الٰہی تھا اور یہ خدا کا حکم تھا۔ جو وحی غیر متلو کی صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا تھا۔ قرآن کریم یہاں اسے ہی اذن الٰہی کہہ رہا ہے۔ قرآن کریم سچ کہتا ہے:۔

ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق[1] ترجمہ۔ یہ ہماری کتاب جو تم پر حق بولتی ہے۔

یہاں کتاب سے مراد اعمالنامے ہیں جو ٹھیک ٹھیک لکھے جا رہے ہیں۔ ہاں عموم الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ خدائی دفتر میں غلطی راہ نہیں پاتی۔

سو ہم یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بے شک اذن الٰہی سے تھا۔ قرآن کریم کی اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی قرآن کے علاوہ بھی آپ سے بار ہا کلام فرمایا ہے اور آپ پر احکام اُتارے ہیں۔ یہی حدیث ہے اور اسے ہی وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی یہ وحی غیر متلو Unworded revelation ہے جو تلاوت میں نہیں آتی اور حکم میں پھیلتی ہے۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی تیسری شہادت

قرآن کریم کی یہ موجودہ ترتیب رسولی ہے نزدلی نہیں۔ ترتیب نزولی اور ترتیب رسولی میں فرق ملحوظ رکھیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حرا میں جو پہلی وحی نازل ہوئی تھی وہ اقرأ باسم ربك الذی خلق[2] تھی۔ لیکن موجودہ ترتیب میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

---

[1] پ۲۵ الجاثیہ ع۴ [2] پ۳۰ سورہ علق۔

کے بعد الحمدللہ رب العلمین سب سے پہلی آیت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی آیت اُترتی۔ تو آپؐ صحابہ کرامؓ کو ہدایت دیتے کہ اسے فلاں فلاں سورت میں لکھ دو[۱]

——— سُورتوں میں آیات کہاں کہاں لکھی جائیں۔ یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں میں قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو اسی ترتیب سے پڑھتے۔ جو قرآن پاک کی موجودہ ترتیب ہے[۲] اور اسی ترتیب سے ہر سال حضرت جبریل امینؑ رمضان میں آپؐ کے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے۔

قرآن کریم کی جمع و ترتیب میں اتنی اہم تبدیلی کس کے حکم سے ہوئی؟ کیا حضورؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے اس میں کسی تبدیلی کے مجاز تھے؟ ہرگز نہیں قرآن کریم میں ہے:۔

قال الذین لا یرجون لقاءنا ائت بقراٰن غیر ھٰذا او بدله ۔ قل ما یکون لی ان ابدله من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحیٰ الی انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم ۰ قل لو شاء اللہ ما تلوته علیکم و لا ادرٰکم به فقد لبثت فیکم عمرًا من قبله افلا تعقلون ۰ فمن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذبًا او کذب بآیاته انه لا یفلح المجرمون ۰

ترجمہ۔ ان لوگوں نے جو ہم سے ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے (پیغمبر سے) کہا کہ "کوئی اور قرآن لے آ۔ یہ قرآن نہ ہو یا اُسے کچھ تبدیل کر دیں" اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے میرے اختیار میں نہیں کہ میں اسے بدل ڈالوں۔ میں تو وہی کچھ کرتا ہوں جو مجھے حکم دیا جاتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں بڑے دن کے عذاب سے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہتے تو میں اسے تمہارے سامنے تلاوت نہ کرتا اور نہ وہ تم کو خبر کرتا۔ میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عُمر اس سے پہلے کیا تم نہیں سوچتے۔ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ بے شک مُجرم

---

[۱] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۶۸ لکھنؤ [۲] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۱۴ [۳] پ ۱۱ یونس ع ۲۔

کبھی فلاح نہیں پاتے۔

قرآن کریم نے بتلایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم میں کسی قسم کی تبدیلی کا اختیار نہ تھا۔ آپ نے جو کچھ کیا وہ وحی خداوندی کے تحت تھا۔ کتاب کی ترتیب کو بدل دینا بہت اہم بات ہے کوئی جزوی بات نہیں جسے آسانی سے نظر انداز کیا جا سکے۔ کسی تحریر اور کتاب کی ترتیب اس تحریر یا کتاب کی ذات ہوتی ہے۔ سو یقین کیجئے کہ آپ نے قرآن پاک کی ترتیب میں جو عمل اختیار کیا وہ سب وحی خداوندی کے تحت تھا۔ آپ کی تلاوت (جس ترتیب سے واقع ہوئی) وہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی اور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو اس دوسری ترتیب اختیار کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ ورنہ قرآن کریم کی تلاوت اور ترتیب میں آپ اگر اپنی طرف سے کوئی تبدیلی کر دیں تو یہ یقیناً کتاب الہٰی میں تبدیلی ہوگی اور یہ اللہ تعالیٰ پر ایک افتراء ہوگا۔ (معاذ اللہ) یہ اسی طرح حکم الہٰی کو ٹھکرانا ہے جیسے وحی خداوندی کو جھٹلا دینا اور نہ ماننا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ حکم خداوندی جس کے تحت ترتیب کی یہ تبدیلی عمل میں آئی۔ قرآن کریم میں کہاں ہے؟ یہ وحی غیر متلو ہمیں قرآن پاک میں نہیں ملتی۔ تو ہم یقین کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کے علاوہ بھی وحی آتی رہی۔ گو اس وحی کی تلاوت جاری نہ ہوئی ہو صرف حکم پھیلا ہو ———— یہی حدیث ہے اور اگر اس وحی غیر متلو کو نہ مانا جائے جس کے تحت قرآن پاک ترتیب نزولی میں نہیں ترتیب رسولی سے جمع ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ معاذ اللہ آپ نے اپنی مرضی سے قرآن کریم میں تبدیلی کر دی۔ (استغفر اللہ العظیم) حکم الہٰی میں تبدیلی کرنے والے یا اُسے نہ ماننے والے سب برابر کے مجرم ہیں۔ مفتری علی اللہ اور مکذب بآیات اللہ کبھی فلاح نہیں پاتے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

فمن اظلم ممن افترٰے علی اللہ کذباً او کذب بآیاتہ انہ لا یفلح المجرمون۔[1]

ترجمہ۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر کوئی جھوٹ باندھا یا اس نے اس کی آیات کو جھٹلایا بیشک مجرم کبھی فلاح نہیں پاتے

جب یہ معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو اس کی نزولی ترتیب

---

[1] پ ۱۱ یونس ع ۲

سے مختلف ترتیب پر جمع کرایا اور تلاوت کیا ہے اور اس کی یہ شہادت ہمیں قرآن کریم سے ہی مل گئی۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن میں کسی طرح کی تبدیلی کا اختیار نہ تھا۔ اور یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ آپ کا ہر اقدام وحیِ خداوندی کے تابع ہوتا تھا۔ تو یہ بات از خود ثابت ہو گئی۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موجودہ ترتیب کو اختیار کرنا وحی خداوندی سے ہی تھا۔ آپؐ قرآن کی آیات لکھوانے کے لیئے صحابہ کرامؓ کو جو حکم دیتے تھے وہ سب وحیِ الٰہی کی ترتیب ہوتی تھی۔ ترتیبِ نزولی کے بعد یہ ترتیبِ رسولی سب اللہ کے حکم سے ہی عمل میں آئی ہے اور قرآن کریم اس ترتیب سے لوح میں محفوظ ہے۔

پھر غور کیجئے کہ وہ حکمِ الٰہی کہ قرآن کریم اس ترتیب سے جمع کیا جائے قرآن کریم میں کہاں ہے؟ اگر کہیں نہیں ملتا تو اس سے ثابت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علاوہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کی ہے۔ یہ وحی غیر متلو تھی۔ سو مذکورۃ الصدر آیات حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی کھلی شہادت پیش کر رہی ہیں۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی چوتھی شہادت

قرآن کریم میں ہے:۔

وانزل الله عليك الكتاب والحكمة وعلمك ما لم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما ○ (پ النساء ع ۱۷) آیت ۱۱۳

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے اُتاری آپ پر کتاب اور حکمت اور آپ کو سکھایا وہ جو آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دو چیزوں کا اُترنا بیان کیا ہے۔ کتاب کا لفظ تو اپنی جگہ صریح ہے۔ حکمت کے معنی محکم اور پختہ بات کے ہیں۔ قرآن کریم کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اور کس کی بات پختہ ہو سکتی ہے۔ جب اس کا مبدأ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہو اور اسی نے آپ پر اسے اتارا ہو۔ تو اس کے دین ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ قرآن پاک کے ساتھ ساتھ یہ دوسری وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر اتاری

اس وحی کو یہاں حکمت کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے اور یہ وحی قرآن پاک کے علاوہ ہے۔

امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی اس آیت میں حکمت سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔[۱]

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) بیان کرتے ہیں کہ اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن کریم اور حکمت سے مراد سنت ہے۔[۲]

پس قرآن کریم میں کتاب اور سنت دونوں کا خدا کی طرف سے اترا ہونا صریح طور پر مذکور ہے اور اس سے یہ بات وضاحت سے ثابت ہوتی ہے کہ حدیث بھی وحی الٰہی ہے۔ گو وحی غیر متلو ہو۔ یعنی ایسی وحی جس کی امت میں تلاوت جاری نہ ہوئی صرف اس کے احکام نافذ ہوئے ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ بھی دین کا ایک پورا علمی ماخذ ہے۔

پچھلے صحیفوں[۳] میں جب سے یہ خبر چلی آرہی تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ بنو اسرائیل کے بھائیوں میں سے —— یعنی بنو اسماعیل میں سے ایک پیغمبر اٹھائیں گے تو ساتھ ساتھ یہ بات بھی چلی آئی ہے کہ وہ پیغمبر لوگوں کو کتاب اور حکمت دونوں کی تعلیم دے گا اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بنائے کعبہ کے وقت کی دعا بھی اس کی کھلی شہادت ہے۔

ربنا وابعث فیہم رسولا منہم یتلوا علیہم ایتك ویعلمہم الکتٰب والحکمۃ ویزکیہم انك انت العزیز الحکیم[۴]

ترجمہ۔ اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک پیغمبر انہی میں سے جو پڑھے ان پر تیری آیات اور سکھلائے ان کو کتاب اور حکمت —— اور پاک کردے ان کو —— بے شک تو ہی غالب حکمت والا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اعلانِ نبوت فرمایا۔ تو یہ بھی فرمایا کہ "میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں اور اپنے بھائی عیسیٰؑ کی بشارت ہوں"۔ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں بھی تصریح فرمائی۔ کہ آپ اس لیے بھیجے گئے ہیں۔ کہ لوگوں کو آیاتِ الٰہی سنائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاں آپ ایک امت بنائیں۔ وہاں آپ ایمان والوں کو کتاب اور حکمت

---

[۱] کتاب الام جلد ۷ صفحہ ۲۵۱ [۲] کتاب الروح صفحہ ۱۱۹ [۳] کتاب مقدس استثنا ر [۴] پ البقرہ ع ۱۵

کی تعلیم بھی دیں. حکمت کی تعلیم دینے کا حکم خدائی تبھی ہو سکتا ہے کہ حکمت آپ کے سینہ مبارکہ پر خدا نے ہی اتاری ہو اور وہ حکمت بھی وحی خداوندی ہی ہو. گو غیر متلو رہے. قرآن کریم میں ہے :-

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلوا عليهم ايته ويزكيهم ويعلمهم الكتب والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلل مبين[1] ○

ترجمہ۔ بے شک احسان کیا اللہ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک پیغمبر انہی میں سے. وہ پڑھتا ہے ان پر اس کی آیتیں، اور پاک کرتا ہے انہیں اور سکھلاتا ہے انہیں قرآن اور حکمت اور بے شک تھے اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں.

سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی یہ آیات سورۂ نسار کی اس آیت کی تمہید ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب وحکمت دونوں نازل فرمائی ہیں اور یہ سنت وحدیث کے وحی خداوندی ہونے پر قرآن کریم کی ایک کھلی شہادت ہے.

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی پانچویں شہادت

يسئلونك ماذا احل لهم قل احل لكم الطيبت وما علمتم من الجوارح مكلبين تعلمونهن مما علمكم الله فكلوا مما امسكن عليكم واذكروا اسم الله عليه واتقوا الله ان الله سريع الحساب[2] ○

ترجمہ. پوچھتے ہیں آپ سے کیا حلال کیا گیا ہے واسطے ان کے ــــــ آپ کہہ دیں پاک چیزیں تمہارے لیے حلال کی گئیں ــــــ اور جو سکھلاؤ تم زخم دینے والے شکاری کتوں کو ــــــ سکھاتے ہو تم انہیں جو اللہ نے تمہیں سکھلایا ہے ــــــ سو کھاؤ اس کو جو یہ پکڑ رکھیں تمہارے لیے اور لو نام اللہ کا

---

[1] پ ۴ آل عمران ع ۱۷ [2] پ ۶ المائدہ ع ۲

اس پر ــــــ اور ڈرو اللہ سے ــــــ بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

سورۃ المائدہ نزول میں آخری سورتوں میں سے ہے۔ یہاں مما علمکم اللہ میں ایک ایسی تعلیم کی حکایت کی گئی ہے جو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دے چکے ہیں۔ وہ تعلیم کیا تھی؟ شکاری کتا سدھانے کے آداب، کہ (۱) کتا خود چھوڑا گیا ہو۔ (۲) خدا کا نام لے کر چھوڑا گیا ہو۔ (۳) وہ اپنے کھانے کے لئے منہ نہ ڈالے۔ (۴) وہ شکار کو زخم بھی کرے[1]ــــــ

یہ تعلیم اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کس نے دے رکھی تھی؟ قرآن کریم میں کیا یہ تعلیم موجود ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کیا اسے علمکم اللہ کہہ کر ماضی میں ذکر نہیں کیا؟ آگے اس تعلیم کو دُہرایا گیا ہے۔ یُوں سمجھئے جس وحی غیر متلو کی مما علمکم اللہ میں حکایت تھی۔ اس محکی عنہ کو آگے وحی متلو میں دُہرایا گیا ہے۔ فکلوا مما امسکن علیکم میں اسی کا اعادہ ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی غیر متلو کو کبھی وحی متلو بھی دُہرا دیتی ہے۔ حدیث تعلیم خداوندی پر مبنی نہ ہو تو مما علمکم اللہ کا محکی عنہ تو اس سے پہلے قرآن کریم میں کہیں موجود نہ تھا۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی چھٹی شہادت

واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم ویرید اللہ ان یحق الحق بکلمتہ و یقطع دابر الکافرین ○[2]

ترجمہ۔ اور جب اللہ تعالیٰ تمہیں وعدہ دے رہے تھے دو جماعتوں میں سے ایک کا کہ وہ تمہارے لیئے ہے اور تم چاہتے تھے کہ بن شوکت والی ہو تمہارے واسطے اور ارادہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کہ ثابت کرے حق کو اپنے کلمات کے ساتھ اور کاٹے جڑ کافروں کی۔

یہ دو جماعتیں کون سی تھیں؟ ایک وہ عظیم تجارتی قافلہ جو مکہ سے ــــــ گیا تھا اور مال تجارت لے کر آرہا تھا۔ دوسری جو اس قافلے کی مدد کے لیئے مسلح ہو کر مکہ سے نکلی تھی۔

---

[1] یہ شرط لفظ جرح سے ماخوذ ہے۔ [2] پ ۹ الانفال ع ۱

یہ پُرشوکت جماعت تھی۔ مسلمان چاہتے تھے۔ کہ مشرکین کی ان دو جماعتوں میں سے پہلے انہیں بن شوکت والے طائفہ سے واسطہ پڑے ——— یہ سب بیان جنگ بدر سے متعلق ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک صریح وعدے کا ذکر کیا جارہا ہے ——— وہ وعدہ قرآن کریم میں کہاں ہے اور کیا تھا؟ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے اس وعدے کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ مگر قرآن کریم میں اس کی طرف حوالہ Reference ضرور موجود ہے۔ وہ وعدہ وحی غیر متلو کے ذریعہ ہوا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اس کی خبر دی تھی۔ جب وہ وعدہ قرآن کریم میں کہیں موجود نہیں۔ تو ہم یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کے علاوہ بھی وحی آتی رہی ——— اسی وحی غیر متلو کو حدیث کہتے ہیں۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی ساتویں شہادت

وما جعلنا القبلة التی کنت علیها الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علیٰ عقبیه[۵]

ترجمہ۔ اور نہیں کیا ہم نے وہ قبلہ جس پر آپ پہلے تھے۔ مگر اس لئے کہ جانیں کون پیروی کرتا ہے رسول کی۔ اس سے جو اُلٹا پھر جائے اپنی دونوں ایڑیوں پر۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا قبلہ بیت المقدس تھا۔ خانہ کعبہ کے قبلہ بننے سے پہلے آپؐ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو پہلے اُس قبلے پر رکھا (بیت المقدس پر) اور پھر اس قبلے پر لائے (خانہ کعبہ المسجد الحرام پر) تاکہ رسول کے ساتھ بدلنے والے رسول سے بدلنے والوں سے ممتاز ہو جائیں اور مومن و منافق میں امتیاز ہو جائے۔

حضورؐ دوسرے قبلہ (المسجد الحرام) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ یہ حکم تو قرآن حکیم میں واضح طور پر موجود ہے۔ لیکن آپؐ کو پہلے بیت المقدس کے قبلہ پر رکھنے کا حکم قرآن کریم میں

---

۵ پ۲ البقرہ ع ۱۷ - آیت ۱۱۳

کہیں نہیں ملتا جعلنا کے لفظ میں جس وحی خداوندی کی خبر دی گئی ہے (کہ ہم نے اس لیئے آپ کو اس پہلے قبلہ پر رکھا تھا) قرآن کریم میں وہ مذکور نہیں ہے اس کی حکایت ہے۔ مگر محکی عنہ نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس پہلے قبلہ پر ہونے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ سو لامحالہ اس سلسلے میں آپ کی طرف وحی آئی ـــــ جب وہ وحی قرآن پاک میں مذکور نہیں تو اس یقین سے چارہ نہیں۔ کہ آپ پر قرآن کریم کے علاوہ بھی وحی آتی رہی۔ اسی وحی کو ـــ وحی غیر متلو کہتے ہیں۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی آٹھویں شہادت

سیقول المخلفون اذا انطلقتم الیٰ مغانم لتاخذوھا ذرونا نتبعکم یریدون ان یبدلوا کلام اللہ قل لن تتبعونا کذلکم قال اللہ من قبل فسیقولون بل تحسدوننا بل کانوا لا یفقہون الا قلیلا[1]

ترجمہ۔ عنقریب کہیں گے پیچھے رہ گئے ہوئے۔ جب چلو گے تم غنیمتوں کی طرف کہ تم انہیں لے لو چھوڑ دو ہم کو۔ ہم بھی ساتھ چلیں تمہارے ـــــ چاہتے ہیں یہ کہ بدل ڈالیں بات اللہ کی ـــــ آپ کہہ دیں کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ چلو گے ـــــ اسی طرح اللہ نے پہلے سے کہہ دیا ـــ پس البتہ کہیں گے کہ حسد کرتے ہو تم ہم سے ـــــ بلکہ نہ تھے وہ سمجھتے مگر تھوڑا۔

حدیبیہ سے واپس ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر پر چڑھائی کرنے کا حکم ہوا۔ جہاں عہد توڑنے والے یہود آباد تھے۔ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ کہ وہ لوگ جو حدیبیہ نہیں گئے تھے اب خیبر کے معرکے میں تمہارے ساتھ چلنے کو کہیں گے۔ کیونکہ وہاں خطرہ کم اور غنیمت کی امید زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ آپ فرما دیں کہ تمہاری اس استدعا سے پیشتر اللہ ہم کو تبلا چکا ہے۔ اب تم اس سفر میں ہمارے ساتھ نہ جاؤ گے۔

---

[1] پ ۲۶ الفتح ع ۹

یہ حکم کہ غزوۂ خیبر میں اہل حدیبیہ کے سوا کوئی نہ جائے۔ قرآن کریم میں کہاں ہے؟ اس حکم کی حکایت کہ اللہ تعالیٰ نے واقعی یہ تبلایا تھا بے شک قرآن مجید میں موجود ہے لیکن محکی عنہ قرآن کریم میں مذکور نہیں۔ حضرت مولانا تھانوی لکھتے ہیں:۔

یہ حکم خداوندی بظاہر قرآن میں مذکور نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم وحی غیر متلو کے ذریعہ آپ کو ملا تھا جو احادیث کے ذریعہ بیان کی جاتی ہے[۱]

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی نویں شہادت

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما[۲]

ترجمہ۔ بے شک ہم نے اُتاری آپ کی طرف کتاب سچی تاکہ آپ فیصلہ کریں لوگوں میں۔ جو کچھ سمجھائے آپ کو اللہ اور تو نہ ہو دغا بازوں کی طرف سے جھگڑنے والا۔

ایک مقدمے میں ایک مسلمان نے اپنا جرم ایک یہودی کے ذمہ لگانا چاہا۔ وہ یہودی اس سے بری تھا۔ اس مسلمان کے ساتھیوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے۔ اور کیس کچھ اس طرح پیش کیا کہ چوری اس یہودی پر ثابت ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر برحق کو حقیقتِ حال پر مطلع فرمایا۔ کہ چور وہ مسلمان ہے یہودی نہیں۔ وہ وحیِ خداوندی کہ یہودی چور نہیں۔ قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔ مگر اس کا اقرار بما اراک اللہ (جو دکھا دیا اللہ نے آپ کو) قرآن پاک میں صاف طور پر موجود ہے ــــــــ یہ وہ وحی غیر متلو ہے جس کے ذریعہ حضورؐ کو حقیقتِ حال پر مطلع کیا گیا تھا۔ اسے یہاں ارادت ربانی سے تعبیر فرمایا۔ جو وحی غیر متلو کی لطیف ترین صورت ہے۔

خیبر کی بستی میں ایک مسلمان قتل ہوا پایا گیا۔ قاتل کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ حضورؐ نے وہاں کے یہودیوں کو اظہار وجوہ کا نوٹس دیا۔ یہودیوں نے کہا کہ ایک ایسا ہی واقعہ بنو اسرائیل میں

---

[۱] تفسیر معارف القرآن جلد ۸ صـ۸۷ [۲] پ۵ النساء ع ۱

پیش آیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک حکم اُتارا تھا۔ آپ بھی اگر خدا کے نبی ہیں۔ تو وہی حکم جاری کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب لکھا وہ یہ ہے :۔

ان اللہ تعالیٰ ارانی ان اختار سبعین رجلا فیحلفون باللہ ما قتلنا ولا نعلم لہ قاتلا ثم یؤدون الدیۃ۔[1]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ میں تم میں سے ستر آدمیوں کو چن لوں۔ وہ قسم کھائیں کہ ہم نے قتل نہیں کیا اور ہمیں اس کے قاتل کا بھی علم نہیں۔ پھر وہ سب مل کر اس کی دیت ادا کریں۔

اس روایت میں اس اللہ کے بتلانے کو ارانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور یہ وہی تعبیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بما اراک اللہ کے الفاظ میں ذکر کی ہے۔ سو ارانی میں بھی اسی وحی غیر متلو کا ذکر ہے جس کے توسط سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر وحی قرآنی حقیقتِ حال سے مطلع کیا گیا۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی دسویں شہادت

وفی اموالھم حق معلوم ۝ للسائل والمحروم ۝[2]

ترجمہ۔ اور ان کے اموال میں حصہ مقرر ہے۔ مانگنے والے اور محروم کے لیئے۔

قرآن کریم نے یہ بات نہیں بتلائی۔ کہ زکوٰۃ کس شرح سے فرض ہوگی اور کب فرض ہوگی ہر ماہ پر یا سال گزرنے پر۔ اس کا مصرف تو بیان کر دیا۔ کہ سائل اور محروم قسم کے لوگ ہوں گے۔ لیکن کتنا مال ہوگا جب یہ لازم ٹھہرے گی اور کس کس قسم کے مال پر واجب ہوگی۔ یہ سب باتیں قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔

سوال یہ ہے کہ قرآن کریم نے اسے "حق معلوم" کیسے فرمایا دیا۔ معلوم اسے کہتے ہیں جو بات جانی گئی ہو۔ ہر جانی بات کے لیئے جاننے والا یا جاننے والے چاہئیں۔ ہر معلوم کے لیئے کسی عالم کا وجود لازمی ہے۔ ورنہ اسے معلوم نہ کہا جا سکے گا۔ اگر اس کا

---

[1] دیکھئے فتح القدیر لابن الہمام جلد ۸ صفحہ ۳۸۴ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۵۶ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۶۲ مع حاشیہ [2] پ ۲۹ المعارج

جاننے والا صرف خدا ہی تھا۔ تو مخلوق کے لیئے اس میں کیا ہدایت ہوگی ؟ وہ اپنے اموال کو کس شرح سے کتنا وقت گزرنے پر سائلین اور محرومین کو دیا کریں ؟ سو یہ جواب قطعاً درست نہیں کہ یہ ایسا امر معلوم تھا جس کے عالم صرف ربّ العزت ہی تھے۔

صحیح بات یہ ہے کہ یہ سب تفصیلات اللہ تعالیٰ نے وحی غیر متلو Unwarded revelation سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دی تھیں اور آپ نے آگے صحابہؓ کو فرما دی تھیں۔ حق کیا ہے ؟ کتنا ہے ؟ اور کب ہے ؟ یہ سب کو معلوم ہو چکا تھا۔ قرآن پاک کی اس آیت میں اسی حق معلوم کی حکایت ہے۔ حکایت وحی متلو میں ہو رہی ہے اور محکی عنہ وحی غیر متلو میں معلوم ہوا تھا۔ حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی یہ ناقابل انکار شہادت بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی وحی قرآن کے علاوہ بھی ہوتی تھی۔ تلك عشرة كاملة

قرآن پاک کی ان دس شہادتوں کے بعد وحی غیر متلو کی شہادت اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔

وحی حدیث پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی باتیں بتاتے ہوئے بارہا ایسی وحی کا ذکر فرمایا ہے جو ہمیں قرآن کریم میں نہیں ملتی۔ اس قسم کی روایات اس کثرت سے ملتی ہیں۔ کہ ان کی قدر مشترک تواتر سے بہت آگے ہے اور قطعیت کا فائدہ بخشتی ہے اور یہ بات پورے یقین سے کہی جا سکتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کے قلب اطہر پر وہ وحی بھی اتارتے تھے جو باقاعدہ تلاوت نہ پاتی تھی اور اس کے باوجود وہ وحی خداوندی ہی سمجھی جاتی تھی وہ الفاظ میں ہمارے سامنے نہیں آئی۔ اس وحی کو وحی غیر متلو Unwarded revelation کہتے ہیں۔ قرونِ ثلٰثہ جن کے خیر ہونے کی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ ان میں کسی ممتاز علمی شخصیت نے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین و شریعت کے طور پر بات کہی اور اس میں وحی و الہام Divine inspiration کا دخل نہ تھا۔ بلکہ ہر ایک

کا عقیدہ یہی رہا کہ اس میں وحی کا عنصر ضرور شامل ہے ــــــــــ قرآنی وحی وحی متلو ہے اور حدیث نبوی وحی غیر متلو اور ہر دو کا مصدر و منبع اللہ رب العزت کی ذات ہی ہے۔

حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں اس پر واضح شہادتیں موجود ہیں۔ یہ روایات اور شہادات اتنے مختلف ابواب اور مختلف وقائع کے ذیل میں ملتی ہیں۔ کہ انہیں کسی سازش یا کسی وضع انسانی کا نتیجہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ کہ چند انسانوں نے کسی اسکیم کے تحت حدیث کے بارے میں یہ تصور پیدا کر دیا ہو۔ ہر طبقہ فکر اور ہر فقہی مسلک کا قاطبۃً اس پر متفق ہونا اور پھر ذخیرۂ حدیث میں اس پر لاتعداد شواہد ملنا اس اصولی نظریئے کی قطعیت کا پتہ دیتا ہے اور تو اور شیعہ محدثین جو جمہور اہل اسلام سے بالکل ہی علیحدہ راہ پر چلے۔ ان کے ہاں بھی بے شمار روایات اس قسم کی ملتی ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتاری اور وہ وحی غیر متلو رہی اور اب اسے وحی حدیث کہتے ہیں۔ باوجود اتنے اصولی اختلافات کے اس ایک نقطہ پر ایک رائے ہونا اس موضوع کی اصُولی اور قطعی حیثیت کا پتہ دیتا ہے۔ اس وقت اس قسم کی روایات کے استقصار کی تو گنجائش نہیں البتہ چند نظائر یہاں پیش کی جاتی ہیں۔ ان میں وہ احادیث بھی ہوں گی جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انہی احادیث کے لیئے وحی و انبار کے الفاظ استعمال کیئے ہیں۔ ان میں بعض میں جبریل امین کے آنے کی بھی تصریح ہے۔ بعض میں اُن کے لیئے امر الٰہی اور "امر ربّی" جیسی تعبیرات ہیں۔ اور کہیں کہیں اُن کا براہِ راست اللہ رب العزت کے نام سے مذکور ہونا اس وحی خداوندی کا پتہ دے رہا ہے۔ اسے ہم وحی غیر متلو کہتے ہیں جس کی تلاوت الفاظ کی پابندی سے امت میں جاری نہ ہوئی۔ اس بات کے ثبوت میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی غیر متلو بھی ہوتی رہی۔ ائمہ اربعہ، جملہ اکابر محدثین، ائمہ تفسیر اور فقہائے کرام کا اتفاق ہے۔ بلکہ یُوں سمجھیئے کہ یہ بات اسلام میں متواتر طور سے ثابت ہے۔ گو تواتر قدر مشترک کے درجہ میں ہو۔ اب ہم اس پر چند شواہد پیش کرتے ہیں۔

امام اعظم ابُوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) کی شہادت

ابوحنیفة عن طاؤس عن ابن عباس و غیرہ من اصحاب النبیؐ قال اوحی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یسجد علی سبعة اعظمٍ[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ اور کسی اور صحابی سے مروی ہے کہ حضورؐ پر وحی کی گئی کہ آپ سجدہ کریں سات ہڈیوں پر (یہ وحی قرآن کریم میں موجود نہیں)۔

امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کی شہادت

انہ سأل عبداللہ بن عمر فقال یا اباعبدالرحمٰن انا نجد صلوٰة الخوف وصلوٰة الحضر فی القرآن ولا نجد صلوٰة السفر فقال عبداللہ بن عمر یا ابن اخی ان اللہ بعث الینا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم ولا نعلم شیئاً فانما نفعل کما رأیناہ یفعل ..... عن عائشة زوج النبیؐ انھا قالت فرضت الصلوٰة رکعتین رکعتین فی الحضر و السفر فاقرت صلوٰة السفر و زید فی صلوٰة الحضر[2]

آل خالد بن اسید میں سے ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا ہم صلوٰة الخوف اور صلوٰة الحضر کا ذکر تو قرآن کریم میں دیکھتے ہیں لیکن صلوٰة السفر کا کہیں ذکر نہیں پاتے۔ آپ نے فرمایا ہم تو کچھ نہ جانتے تھے ہم تو وہی کچھ کرتے ہیں جو ہم نے حضورؐ کو کرتے دیکھا..... حضرت عائشہؓ کہتی ہیں پہلے نماز حضر و سفر میں دو دو رکعت ہی فرض ہوئی تھی ——— پھر سفر کی نماز تو وہی رہی اور حضر کی نماز بڑھا دی گئی۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضرت عباسؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے اکابر اصحاب رسول حضورؐ کے عمل کو وحی خداوندی ہی سمجھتے تھے۔

امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) کی شہادت

ابن جریج کہتے ہیں کہ ابن طاؤس سے مروی ہے کہ ان کے باپ کے پاس عقول کے موضوع پر ایک کتاب تھی۔ جو حضورؐ پر وحی کے طور پر نازل ہوئی تھی۔ اس میں صدقہ و عقول کا بیان تھا۔

عن ابن طاؤس عن ابیہ ان عندہ کتاباً من العقول نزل بہ الوحی وما فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صدقة و عقول فانما نزل بہ الوحی و قیل لم یسن رسول اللہ شیئاً قط الا بوحی من اللہ فمن الوحی ما یتلی و منہ

---

[1] مسند امام اعظم ص۱۴۳ [2] موطا امام مالک ص۵۱

ما یکون وحیًا الی رسول اللہ فنیستن بہ[1]

ترجمہ۔ ابن طاؤس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے پاس عقول کے بارے میں ایک کتاب تھی جو وحی کے طور پر اُتری تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صدقات یا بدلے کی رقوم فرض ٹھہرائیں وہ سب وحی سے تھا۔ اور یہ بات کہی گئی ہے کہ حضورؐ نے کوئی بات بھی وحی الٰہی کے بغیر بیان نہیں فرمائی۔ سو وہ بھی وحی ہے جو حضورؐ کی سنّت کی صورت اختیار کرتی رہی ہے۔

محدّث عبدالرزاقؒ (۲۱۱ھ) کی شہادت

(۱) سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے خواب دیکھا کہ نماز کے لیے اذان ہو رہی ہے۔ اس وقت تک اسلام میں اذان جاری نہ ہوئی تھی۔ آپ اپنا یہ خواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلانے کے لیے آرہے تھے۔ کہ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت بلالؓ اذان دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ اذان بتلادی تھی اور آپ نے حضرت بلالؓ کو سکھلادی تھی۔ حضرت عمرؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب اپنا یہ خواب بیان کیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

قد سبقتك بذٰلك الوحي۔[2] وحی خداوندی اس میں تجھ پر سبقت لے گئی۔

اس روایت سے ثابت ہوا۔ کہ اذان کا تعین وحی سے ہوا تھا۔ وہ وحی کہاں ہے؟ قرآن میں تو نہیں ـــــــ اب اگر وحی غیر متلو کا اقرار نہ کیا جائے تو اس قسم کی احادیث کی آخر کیا توجیہہ کی جائے گی جن میں وحی کا بھی ذکر ہے اور وہ وحی متلو بھی نہیں ہے۔ کہ قرآن کریم میں موجود ہو۔

(۲) ایک دوسری روایت میں ایک وحی غیر متلو کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے:۔

فاوحی اللہ الیہ یا محمد لم تکسر قرون رعیتك فالقاہ فجاءہ جبرئیل ومیکائیل فقال میکائیل ان ربك یخیرك ان تکون ملکا نبیا او نبیا

---

[1] مسند امام شافعی ص۲۲۵ و ص۸۹ [2] المصنف جلد ۱ ص۴۵۶

عبدا فنظر الی جبرئیل فاشار بیدہ ان تواضع فقال النبیؐ بل نبی عبد فقال جبرئیل فانک سید ولد ادم وانک اول من تنشق عنہ الارض۔[۱]

ترجمہ۔ سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی۔ کہ اے محمد! آپ اپنی رعیت کو کیوں گراں رہے ہیں۔ اس پر آپ نے اسے پھینک دیا۔ حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل آپ کے پاس آئے۔ حضرت جبرئیل نے کہا۔ کہ آپ کا پروردگار آپ کو اختیار دیتا ہے کہ آپ بادشاہ نبی بنیں یا بندہ نبی۔ آپ نے جبرئیل امین کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ کہ عاجزی اختیار کریں۔ سو آپ نے بندہ نبی ہونا اختیار فرمایا۔ اس پر حضرت جبرئیل نے کہا بے شک آپ سب اولادِ آدم کے سردار ہیں اور آپ پہلے فرد ہوں گے۔ جن سے (حشر کے دن) زمین شق ہوگی (یعنی اس دن آپ سب سے پہلے قبر مبارک سے نکلیں گے)۔

یہاں صریح طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی طرف سے ایک وحی آنے کا بیان ہے جو قرآن کریم میں مذکور نہیں۔[۲]

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا:۔

اوحی الی ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فاذا قالوا لا الہ الا اللہ حرمت علی دماءھم واموالھم الا بالحق وکان حسابھم علی اللہ۔[۳]

ترجمہ۔ مجھے وحی کی گئی کہ میں (حجاز کے) لوگوں سے لڑوں۔ یہاں تک کہ وہ شہادت دینے لگیں کہ ایک خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جب وہ لا الٰہ الا اللہ کہیں گے تو ہم پر ان کی جانیں اور ان کے مال لائق حفاظت ہو جائیں گے مگر یہ کہ کوئی حق ان کے ذمہ آئے اور ان کے (باطن کا) حساب اللہ کے سپرد ہے۔

---

[۱] المصنف جلد ۳ صفحہ ۱۸۳، ۱۸۵ جلد ۳ صفحہ ۱۲ [۲] پھر آخر میں حضرت جبرئیلؑ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بشارت دیں انہیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی یقینی درجے میں قبول کیا۔ جس درجہ میں آپ نے پہلی وحی سنی۔ معلوم ہوا کہ یہ سب باتیں بھی اپنی جگہ اذنِ الٰہی سے تھیں۔ [۳] المصنف جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۳

(۴) حضرت ثوبانؓ (۵۴ھ) کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی عالم آیا اور اس نے مختلف سوالات کیئے۔ آپؐ نے ان مختلف سوالوں کے جوابات دیئے۔ جب وہ چلا گیا تو آپؐ نے فرمایا :۔

والذی نفسی بیدہٖ ما کان عندی فی شیء مما سألنی عنہ علم حتّٰی انبأنیہ اللہ[1]

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اس نے مجھ سے جتنے سوالات کیئے ان کے بارے میں میرے پاس کوئی علم نہیں تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان تمام باتوں کی خبر دی۔

یہ جوابات قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ان کا مصدر بھی ذاتِ الٰہی تھی۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان امور کی خبر دے رہی تھی۔ یہی وحی غیر متلو ہے جو حدیث کی صورت میں جلوہ گر ہوتی رہی۔ قرآن کریم وحی متلو ہے اور حدیث غیر متلو۔ اور یہ دونوں خدا کی طرف سے ہیں۔

(۵) ایک رات حضرت سودہ بنت زمعہ باہر نکلیں۔ تو حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھ لیا اور کہا آپ کا ہمیں پتہ چل جاتا ہے۔ (یہ اس لیئے کہ آپ طویل قامت تھیں) پھر آپ نے حضور سے اس کا ذکر کیا۔ ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ پر وحی اتری۔

حتّٰی اوحی الیہ ان رخصتن ان تخرجن فی حوائجکن لیلاً[2]

ترجمہ: یہاں تک کہ آپ پر وحی آئی۔ کہ اب تم عورتوں کو اجازت دی گئی ہے کہ تم رات کو اپنی ضرورتوں کے لیئے باہر نکل سکتی ہو۔

کیا یہ وحی قرآن کریم میں کہیں مذکور ہے؟ نہیں۔ یہ وحی غیر متلو تھی

(۶) حضرت قتادہؓ حضرت حسن بصریؒ سے روایت کرتے ہیں :۔

اوحی الی النبی ثم قال خذوا۔ خذوا۔ قد جعل اللہ لہن سبیلا الثیب بالثیب جلد مئۃ والرجم والبکر بالبکر جلد مئۃ ونفی سنۃ[3]

---

[1] المصنف جلد ۱۱ صـ۲۸۴ [2] المصنف جلد ۴ صـ۳۶۱ [3] المصنف جلد ۷ صـ۳۲۱ صحیح مسلم جلد ۲ صـ۶۵

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ یہ لو! یہ لو! اللہ تعالیٰ نے ان کے لیئے راہ تبلادی ہے۔ شادی شدہ جوڑے کی سزائے زنا سو کوڑے اور رجم اور غیر شادی شدہ زانی کے لیئے سو کوڑوں اور ایک سال کی جلاوطنی کا حکم ہے۔

ان روایات میں صریح طور پر وحی وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں اور ایسی روایات کی بھی کوئی کمی نہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح لفظوں میں اپنی بات کو اللہ تعالیٰ سے روایت فرمایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کہا ہے۔ اس کی چند مثالیں حضرت امام احمدؒ کی روایت سے سُن لیجئے۔ یہ تینوں روایتیں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کی شہادت

عن ابی هريرةؓ ان النبی صلی الله عليه وسلم يرويه عن ربه عز وجل انه قال انا خير الشركاء فمن عمل عملاً فاشرك فيه غيری فانا بری منه۔[1]

ترجمہ۔ ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے فرمایا میں سب سے زیادہ بہتر شریک ہوں (جسے اپنے عمل میں شریک کیا جا سکتا ہے) سو جس نے کوئی کام کیا اور اس میں میرے سوا کسی اور کو شامل کیا تو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم ان الله عز وجل يقول اين المتحابون بجلالی اليوم اظلهم فی ظلی يوم لا ظل الا ظلی۔[2]

ترجمہ۔ ابوہریرہؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کہیں گے "کہاں ہیں وہ جو میرے جلال پر شیدا تھے آج میں ان کو اپنے سایہ (رحمت) میں جگہ دوں گا۔ جب کہ میرے سایہ (رحمت)

---

[1] مسند امام احمد جلد ۲ ص۳۰۱ [2] ایضاً جلد ۲ ص۳۳۸

کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

عن ابی ھریرۃ رضؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ عزوجل قال کذبنی عبدی ولم یکن لہ لیکذبنی[1]

ترجمہ۔ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا " مجھے میرے بندے نے جھٹلا دیا اور اسے اس کا حق نہ تھا کہ میری بات جھٹلائے ..... الحدیث

امام دارمیؒ (۲۵۵ھ) کی شہادت

عن ضمرۃ بن حبیب قال سمعت مسلمۃ السکونی قال بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ..... قد اوحی الی انی غیر لابث فیکم الا قلیلاً ثم تلبثون حتی تقولوا متی، متی، ثم تأتونی افناداً[2]

ترجمہ۔ ضمرہ بن حبیب سے مروی ہے وہ کہتے ہیں۔ میں نے حضرت مسلمہ سکونی کو کہتے ہوئے سُنا۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوتے تھے۔ کہ ..... آپ نے فرمایا کہ مجھے وحی میں فرمایا گیا ہے کہ میں اب تم میں زیادہ عرصہ ٹھہرنے والا نہیں پھر تم رہو گے۔ یہاں تک کہ تم کہو (ہماری باری) کب (آئے گی) پھر تم میرے پاس باری باری آؤ گے۔

امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کی شہادت

امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کہتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اوحی الیّ انکم تفتنون فی قبورکم[3]

ترجمہ۔ میری طرف وحی آئی ہے کہ تم سب اپنی قبور میں آزمائش میں ڈالے جاؤ گے۔

---

[1] مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۵۱ [2] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۲۹ [3] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۲ جلد صفحہ ۴۲ جلد ۹ صفحہ ۱۱۶ (مصر)

قبروں کا سوال و جواب برحق ہے۔ نکیرین آتے ہیں، مُردے کو بٹھاتے ہیں۔ اور پُوچھتے ہیں۔ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اور تمہارا نبی کون ہے؟ اور پھر عالم برزخ میں اس میّت پر راحت یا اَلم کی کیفیتیں اتاری جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ مگر اس دُنیا والوں کی آنکھیں اس اگلے جہان کے اعمال کو پا نہیں سکتیں۔ کوئی شخص کسی قبر کے اندر کوئی شیشے کا روشندان بھی رکھ دے اور دیکھتا رہے۔ کہ کیا فرشتے واقعی اس میّت کو بٹھاتے ہیں؟ تو وہ اس بٹھانے کو دیکھ نہ سکے گا۔ لیکن یہ بٹھانا قبر کے سوال و جواب اور عذاب قبر وغیرہ یہ سب برحق ہیں۔ کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احوال کی خبر دی ہے۔ دُنیا کی آنکھیں اگر ان عالم برزخ کے احوال کو دیکھ نہ سکیں تو اس سے ان کا انکار کر دینے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

بینا انا نائم اوتیت بخزائن الارض فوضع فی کفی سواران من ذھب فکبرا علی فاوحی الیّ ان انفخھما فنفختھما فذھبا فاولتھما الکذبین الذین انا بینھما صاحب صنعاء وصاحب الیمامۃ۔ متفق علیہ۔[۱]

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں سویا ہوا تھا کہ مجھے (خواب میں) زمین کے خزانے دیئے گئے۔ میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے جو مجھ پر گراں گزرے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی کہ ان پر پھونک ماریں میں نے ان پر پھونکا وہ چلے گئے۔ میں نے اس سے وہ دو کذّاب (مدعی نبوۃ) مراد لیئے ہیں کہ میں ان کے مابین ہوں۔ ایک صنعاء سے (اسود عنسی) نکلے گا اور دوسرا یمامہ سے (مسیلمہ کذّاب)۔

انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ سو خواب کی وحی بھی وحی ہے۔ یہ وحی غیر متلو ہے جو قرآن کریم کے الفاظ میں نہیں ملتی۔ لیکن ہے یہ بھی وحی ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں جس علم سے جاری ہوئیں، وہ وہی وحی الٰہی ہے۔ جس کی تلاوت امت میں جاری نہیں ہوئی ہے۔

---

[۱] مشکوٰۃ صد ۴۹۵

امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) کی شہادت

صحاح ستہ کی اول درجہ کی کتاب صحیح مسلم میں دیکھئے۔

حضرت عیاض بن حمار المجاشعیؓ (ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان اللّٰہ اوحیٰ الیّ ان تواضعوا حتیٰ لا یفخر احد علی احد ولا یبغی احد علی احد۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کی۔ کہ تم سب عاجزی اختیار کرو۔ کوئی بھی دوسرے پر فخر نہ کرے نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔

امام ابوداؤدؒ (۲۷۵ھ) کی شہادت

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں۔ کہ:۔

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یستن وعندہ رجلان احدھما اکبر من الآخر فاوحی الیہ فی فضل السواک ان کبر اعط السواک اکبرھما رواہ ابوداؤد۔[2]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کر رہے تھے اور آپ کے پاس دو آدمی تھے۔ ایک دوسرے سے عمر میں بڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر مسواک کرنے کی فضیلت میں وحی کی اور فرمایا کہ ان میں سے جو بڑا ہے۔ اسے مسواک عطا فرمائیں۔

حضرت عیاض بن حمار کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان اللّٰہ اوحیٰ الیّ ان تواضعوا حتی لا یبغی احد علی احد ولا یفخر احد علی احد۔[3]

ترجمہ۔ اللہ نے مجھ کو وحی کی کہ عاجزی اختیار کرو۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے

---

[1] صحیح مسلم جلد ۳ ص ۳۸۵ مشکوٰۃ ص ۴۱۷ [2] مشکوٰۃ ص ۴۵ المصنف جلد ۱۰ ص ۴۳۱ [3] ابوداؤد جلد ۲ ص ۶۷۱

پر زیادتی نہ کرے نہ ایک دوسرے پر فخر کرے۔

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) کی شہادت

ان اللہ اوحیٰ الیّ ای ھٰؤلاء الثلاثۃ فھی دار ھجرتك المدینۃ او البحرین او قنسرین[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی۔ کہ ان تین مدینہ، بحرین اور قنسرین سے ایک تیرا دارالہجرت ہے۔

امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) کی روایات

امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ کہ :۔

اوحی اللہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا معہ فقمت فاجفت الباب بینی وبینہ فلما رفّہ عنہ قال لی ان جبرئیل یقرئك السلام[2]

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی اور میں آپ کے پاس تھی۔ میں اٹھی اور میں نے اپنے اور آپ کے مابین دروازہ لگا دیا۔ جب یہ کیفیت اور حالت آپ سے دور ہوئی آپ نے مجھے کہا کہ جبرئیل تم پر سلام کہتے ہیں۔

دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن فی قبۃ المسجد المدنیۃ وقال فیہ انہ اوحی الیہ ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ[3]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم مسجد مدینہ کے محراب میں بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا مجھے وحی کی گئی ہے کہ میں (حجاز کے) لوگوں سے لڑتا ہی رہوں جب تک یہ سب نہ کہہ اٹھیں۔ کہ ایک اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صـ۲۳۲ [2] نسائی شریف جلد ۱ صـ۹۶ [3] نسائی شریف جلد ۲ صـ۱۲۱

حضرت سلمۃ بن نفیل الکندی سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

ولا تزال من امتی امۃ یقاتلون علی الحق ویزیغ اللہ لھم قلوب اقوام ویرزقھم منھم حتی تقوم الساعۃ وحتی یأتی وعد اللہ والخیل معقود فی نواصیھا الخیر الی یوم القیمۃ وھو یوحی الی انی مقبوض غیر ملبث وانتم تتبعونی افنادا یضرب بعضکم رقاب بعض وعقر دار المومنین الشام[1]

ترجمہ: میری امت میں سے ایک گروہ حق کے لئے ہمیشہ لڑتا رہے گا اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے بہت سے لوگوں کے دل پھیر دیں گے اور انہیں ان سے رزق ملے گا۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے اور یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے اور گھوڑوں کی پیشانیوں سے قیامت کے دن تک خیر بندھی ہے اور مجھے وحی سے بتلایا گیا ہے کہ اب مجھے زیادہ دیر نہیں رہنا۔ جانے والا ہوں اور تم میرے پیچھے جماعت جماعت آؤ گے۔ ایک دوسرے کو مارو گے اور دار المؤمنین صحیح طور پر اس وقت شام ہو گا۔

کیا ان روایات میں صریح طور پر وحی غیر متلو مذکور نہیں اور کیا یہ سب باتیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کہہ کر ذکر فرمائیں، قرآن کریم میں ملتی ہیں؟ اگر نہیں تو اس اصول کو ہمیشہ کے لئے تسلیم کر لیجئے کہ وحی خداوندی دو قسم پر ہے۔ وحی متلو اور وحی غیر متلو پہلی قسم کی وحی پر قرآن مشتمل ہے۔ اور دوسری قسم کی وحی بصورتِ سنّت پھیلی ہوئی ہے اور حدیث کی کتابوں میں مذکور اور محفوظ ہے۔

امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) کی شہادت

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ (۵۷ھ) کہتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان اللہ عزوجل اوحی الی انہ من سلک مسلکا فی طلب العلم سھلت لہ طریق الجنۃ رواہ البیھقی فی شعب الایمان[2]

---

[1] نسائی شریف جلد دوم ص۱۲۱ [2] مشکوٰۃ ص۳۶

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے۔ کہ جو علم (دین) کی طلب میں کسی رستے پر چلا۔ میں اس کے لیئے جنّت کی راہ آسان کر دیتا ہوں۔

بتایئے یہ وحی قرآن کریم میں ہے؟ یہ وحی غیر متلو ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے علاوہ آتی رہی اور اسی نے دین میں سنّت کا نام پایا اور اسی سے مفہوم قرآن کی تکمیل ہوئی۔

اب ہم حدیث کے الہامی ہونے پر چند وہ روایات پیش کرتے ہیں۔ جن میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد بھی مذکور ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ وحی غیر متلو میں بھی حضرت جبرئیلؑ ساتھ ہوتے تھے اور یہ حکم خداوندی بھی وہی لاتے تھے یا اُسے حضورؐ کے دل پر اُتارتے تھے۔

وحی غیر متلو میں حضرت جبرئیل امین کی آمد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی غیر متلو کی آمد میں صرف وحی کے الفاظ ہی نہیں ملتے۔ کئی روایات میں جبرئیل امین کی آمد بھی صریح طور پر مذکور ہے۔ اس قسم کی روایات بھی درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور تقریباً ہر مجتہد اور محدّث کے ہاں اس کی شہادتیں ملتی ہیں اور یہ بات انتہائی پختہ اور صحیح ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی غیر متلو (وحی حدیث) بھی لاتے رہے۔ اس پر ہم چند شہادتیں پیش کرتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) کی شہادت

عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال جاء جبریل الی النبی صلی اللہ علیہ و سلم فی صورۃ شاب علیہ ثیاب بیاض فقال السلام علیک یا رسول اللہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیک السلام .... فقال ذلک جبریل علیہ السلام جاء کم یعلمکم معالم دینکم۔[1]

---

[1] مسند امام اعظم صد ۳۲

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل ایک جوان مرد کی صورت میں حاضر ہوئے اور کہا السلام علیك یا رسول اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وعلیك السلام (اور تجھ پر بھی سلام ہو)۔ .... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ جبریل تھے۔ جو تمہارے پاس اس لیے آئے تھے کہ تمہیں دین کے معالم (ضروری نشانوں کی) تعلیم دیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رح نے اس سے پہلی روایت میں یہ الفاظ بھی روایت کیے ہیں:۔

هذا جبریل علیہ السلام اتاکم یعلمکم معالم دینکم واللہ ما اتانی بصورۃ الا وانا اعرفه فیها الا هذه الصورۃ[1]

ترجمہ۔ یہ جبریل تھے۔ جو اس لیے تمہارے پاس آئے کہ تمہیں تمہارے معالم دین سکھائیں۔ خدا کی قسم جبریل جب بھی میرے پاس آتے رہے میں انہیں پہچان لیتا رہا۔ مگر اس دفعہ (میں نے انہیں پہچانا نہ تھا)

عن علی کرم اللہ وجهه انه کان علق فی بیت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ستراً فیه تماثیل فابطأ جبریل ثم اتاه فقال له ما ابطأك عنی قال انا لا ندخل بیتاً فیه کلب و لا تماثیل فابسط الستر ولا تعلقه واقطع رؤس التماثیل واخرج هذا الجرو۔[2]

ترجمہ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ایک پردہ لٹکا تھا جس میں کوئی تصاویر تھیں۔ جبریل کچھ عرصہ نہ آسکے۔ اور پھر آئے۔ حضور نے پوچھا تم نے میرے ہاں آنے میں اتنی دیر کیوں کی؟ جبریل نے کہا ہم اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا ہو یا تصاویر لٹکی ہوں آپ اس پردے کو بچھا دیں اور لٹکا دیں نہ اور تصویروں کے سر کاٹ دیں اور اس کتے کے بچے کو نکال دیں۔

---

[1] مسند امام اعظم ص ۳۶ [2] ایضاً ص ۲۵۸ [3] ایضاً ص ۲۷۹

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما زال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت انہ یورثہ وما زال جبریل یوصینی بقیام اللیل حتی ظننت ان خیار امتی لا ینامون الا قلیلاً[1]

ترجمہ۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل مجھے برابر ہمسائے کے بارے میں نصیحتیں کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ آپ ہمسائے کو وراثت میں سے بھی حصّہ دلوائیں گے اور جبریل مجھے رات کی نماز کے بارے میں بھی برابر کہتے رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ میری امت کے نیک آدمی اب تو چند لمحوں کے سوا ساری رات نہ سو سکیں گے۔

امام ابو حنیفہؒ کی روایت کردہ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وحی غیر متلو میں بھی حضرت جبریل کی آمد ہوتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی حدیث بھی حضرت جبریل ہی لاتے تھے اور آپ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر یہ وحی لے کر اُترتے تھے۔ یہی وحی پھر سنت کی صورت میں پھیلتی تھی۔

امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کی شہادت

حضرت خلاد بن السائب اپنے والد (۹۱ھ) سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

① اتانی جبرئیل فامرنی ان امر اصحابی ان یرفعوا اصواتھم بالاھلال والتلبیۃ[2]

ترجمہ۔ میرے پاس جبریل آئے اور مجھے کہا کہ میں اپنے صحابہ کو حکم دوں کہ وہ اہلال اور تلبیہ (لبیک پکارنا) کے وقت اپنی آوازیں اُونچی رکھیں۔
یہ حکم وحی قرآنی میں کہاں ہے؟ یہ وحی الٰہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بصورت حدیث آئی ہے۔

---

[1] مسند امام اعظم صہ ۲۷۹ [2] موطا امام مالک صہ ۲۲۴ جلد ۱

آنحضرتؐ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں ـــ صبر و احتساب سے آگے بڑھتا ہوا ـــ نہ پیچھے ہٹنے والا ـــ کیا اللہ تعالیٰ میری خطائیں مجھ سے دور فرمادیں گے؟ آپ نے فرمایا "ہاں"، وہ واپس ہوا تو آپ نے پھر اسے آواز دی اور کہا۔ تو نے کیا کہا تھا ـــ اس نے اپنی بات دہرائی۔

فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نعم الا الدین ـــ کذلک قال لی جبریل۔[1]

ترجمہ: آپ نے فرمایا ہاں ـــ البتہ قرض معاف نہ ہوگا جبریل نے ابھی مجھے اسطرح بتادیا ہے۔

امام محمدؒ (۱۸۹ھ) کی شہادت

امام محمد بن حسن شیبانی بھی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(۱) اتانی جبرئیل علیہ السلام فامرنی ان آمر اصحابی او من معی ان یرفعوا اصواتہم بالاھلال بالتلبیۃ۔[2]

ترجمہ: میرے پاس جبریل آئے اور مجھے کہا کہ میں اپنے صحابہ کو حکم دوں کہ وہ اہلال اور تلبیہ (لبیک پکارنا) کے وقت اپنی آوازیں اونچی رکھیں۔

اس روایت میں بھی وحی حدیث کے لیے حضرت جبریل کا آنا مذکور ہے۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

(۱) مازال جبرئیل یوصینی بالجار حتیٰ ظننت لیورثنہ۔[3]

ترجمہ: مجھے جبریل ہمسائے کے بارے میں برابر نصیحت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال ہونے لگا آپ (خدا تعالیٰ کی طرف سے) اسے (ہمسائے کو) وارث بھی ٹھہرائیں گے۔

امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) کی شہادت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ۔

---

[1] موطا امام مالک ص۱۷۳ [2] موطا امام محمد ص۱۹۵ و مسند الشافعی ص۱۲۳ [3] موطا امام محمد ص۳۹۱

(۱) اتی جبرئیل بمرأۃ بیضاء فیہا وکتۃ الی النبیؐ فقال النبیؐ ما ھٰذہ قال ھٰذہ الجمعۃ فضلت بہا انت وامتک فالناس لکم فیہا تبع الیہود والنصاریٰ ولکم فیہا خیر . . . . . ان ربک اتخذ فی الفردوس وادیاً افیح فیہا کثب مسک فاذا کان یوم الجمعۃ انزل اللہ ماشاء من من ملئکۃ وحولہ منابر من نور علیہا مقاعد النبیین . . . . وفیہ خلق ادم وفیہ تقوم الساعۃ۔[1]

ترجمہ۔ جبریل ایک روشن آئینہ لے کر آئے اور اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے ایک نشان سا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (حضرت جبریل کو) کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ جمعہ کا دن ہے جس سے آپ اور آپ کی امت کو فضیلت بخشی گئی۔ لوگ اس میں تمہارے پیچھے ہی چلیں گے۔ یہود اور نصارٰے بھی۔ اور تمہارے لیئے اس میں خیر ہے۔ بے شک تمہارے پروردگار نے جنت میں ایک وادی افیح نامی بنائی ہے۔ جس میں کستوری کے ٹیلے کے ٹیلے ہیں۔ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو جتنوں کو چاہے نازل فرماتا ہے اور اس کے گرد نور کے منبر بچھے ہوتے ہیں۔ جن میں انبیاء بیٹھتے ہیں . . . . اور اسی دن (جمعہ کے دن) آدم علیہ السلام پیدا کیئے گئے تھے اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔

(۲) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

امنی جبرئیل عند باب البیت مرتین فصلی الظہر حین کان الفیٔ مثل الشراک . . . . . فقال یا محمد ھٰذا وقت الانبیاء من قبلک۔[2]

ترجمہ۔ بیت اللہ شریف کے دروازے کے پاس جبریل نے مجھے دو دفعہ نماز پڑھائی ظہر آپ نے اس وقت پڑھی جب سایہ . . . . . . پھر جبریل نے کہا۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ وقت تم سے پہلے پیغمبروں کی

[1] مسند الشافعی ص۱
[2] مسند الشافعی ص۲۷

نمازوں کا بھی تھا۔

③ عن خلاد بن السائب الانصاری عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتانی جبرئیل علیہ السلام فامرنی ان امرھم اصحابی او من معی ان یرفعوا اصواتھم بالتلبیۃ او بالاھلال یرید احدھما۔[1]

ترجمہ۔ خلاد بن السائب انصاری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبریل میرے پاس آتے تھے اور مجھے کہا تھا کہ میں اپنے صحابہ یا جو لوگ میرے ساتھ ہیں انہیں کہوں کہ وہ تلبیہ یا اہلال میں کسی ایک میں اپنی آوازیں اونچی رکھیں۔ بلند آواز سے لبیک پکاریں۔

محدث عبدالرزاقؒ (۲۱۱ھ) کی شہادت

① حضرت ابو سعید خدریؓ (۷۴ھ) کہتے ہیں۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
ان جبرئیل اتانی فاخبرنی ان بھما قذرا فاذا جاء احدکم المسجد فلینظر نعلیہ۔[3]

ترجمہ۔ میرے پاس جبریل آئے اور مجھے بتایا کہ نعلین میں کچھ تنکے لگے ہیں۔ تم میں سے کوئی جب مسجد میں آئے تو اسے چاہیئے کہ اپنا جوتا دیکھ لیا کرے۔

② حضرت ابو طلحہؓ (۳۱ھ) کہتے ہیں۔ کہ میں ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو بہت مسرور پایا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
جبرئیل خرج من عندی الساعۃ فبشرنی ان لکل عبد صلی علیّ صلوۃ یکتب بھا عشر حسنات ویمحی عنہ عشر سیئات ویرفع لہ عشر درجات وتعرض علی کما قالھا ویرد علیہ بمثل ما دعا۔[4]

---

[1] مسند الشافعی ص۱۲۳ [2] کتاب الام جلد ۷ ص۲۷ اس روایت کو محدث عبدالرزاق (۲۱۱ھ) نے بھی روایت کیا ہے (دیکھئے المصنف جلد ۱۱ ص۱۲۵) مشکوٰۃ ص۲۵۲ میں بھی بحوالہ شرح السنۃ و شعب الایمان للبیہقی یہ روایت دی گئی ہے۔ [3] المصنف جلد ۱ ص۳۸۸ و سنن دارمی ص۳۲۰ جلد اول [4] المصنف جلد دوم ص۲۱۵۔

ترجمہ: جبریل ابھی ابھی میرے پاس سے گئے ہیں۔ آپ نے مجھے یہ بشارت دی کہ ہر شخص کے لیئے جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے نامۂ اعمال سے دس بُرائیاں مٹادی جاتی ہیں اور اس کے لیئے دس درجات کی بلندی ہے اور اس کا درود مجھ پر جیسا کہ اس نے بھیجا پیش کیا جاتا ہے اور جیسی اس نے دُعا کی ویسے اس پر لوٹایا جاتا ہے۔

(۳) حضرت ابُوہریرہؓ (۵۷ھ) کہتے ہیں:۔

ان جبرئیل جاء النبیؐ فعرف النبی صوته فقال ادخل فقال ان فی البیت ستراً فی الحائط فیه تماثیل[1]

ترجمہ: جبریل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے اُن کی آواز پہچان لی اور فرمایا تشریف لایئے۔ جبریل نے کہا مکان میں دیوار پر ایک پردہ ہے جس پر کچھ تصاویر بنی ہیں۔ (یعنی پہلے انہیں اتروا دیجئے)۔

(۴) حضرت

نزل جبرئیل علی النبیؐ یوم بدر فقال ان ربك یخیرك ان شئت ان تقتل هؤلاء الاساری وان شئت تفادی بهم[2]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بدر کے دن جبریل اُترے اور فرمایا۔ تیرا رب تجھے اختیار دیتا ہے۔ چاہیں تو ان بدر کے قیدیوں کو قتل کر دیں۔ اور چاہیں تو انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیں۔

(۵) حضرت ابوعثمانؓ (ھ) کہتے ہیں:۔

ان جبرئیل علیه السلام علّم النبیؐ اذا قام من مجلسه ان یقول سبحانك اللّٰهم وبحمدك[3]

ترجمہ: جبریل علیہ السلام نے نبی پاک صلی اللہ علیہ السلام کو بتلایا کہ جب اپنی مجلس سے اُٹھیں تو سبحانك اللّٰهم وبحمدك پڑھ لیا کریں۔

---

[1] المصنف جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۹ ومشکوٰۃ صفحہ ۳۸۴ [2] المصنف جلد ۵ صفحہ ۲۱۰ [3] المصنف جلد ۱۱ صفحہ ۲۴

ان خالد بن ولید جاء الی النبیؐ فشکا الیہ وحشۃ یجدھا فقال لہ الا اعلمک ما علمنی الروح الامین جبرئیل ؟ قال لی ان عفریتا من الجن یکیدک فاذا اویت الی فراشک فقل اعوذ بکلمات اللہ التامات الذی لا یجاوزھن بر ولا فاجر من شر ینزل من السماء [1]

ترجمہ: خالد بن ولیدؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور شکایت کی کہ وہ کچھ وحشت محسوس کرتے ہیں۔ آپ نے انہیں کہا: کیا میں تمہیں وہ کلمات نہ بتاؤں، جو روح الامین جبریل نے مجھے بتائے تھے ؟ مجھے کہا کہ ایک جن (شیطان) آپ سے مکر کرے گا۔ سو آپ جب سونے لگیں، تو یہ پڑھ لیا کریں آسمان سے اُترنے والا کوئی شر اور خیر ان سے متجاوز نہ ہو گا۔

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ایھا الناس لیس من شئ یقربکم الی الجنۃ ویباعدکم من النار الا قد امرتکم بہ ولیس شیء یقربکم من الجنۃ الا قد نھیتکم عنہ وان الروح الامین نفث فی روعی ان نفسا لن تموت حتی تستکمل رزقھا الا فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب ولا یحملنکم استبطاء الرزق ان تطلبوہ بمعاصی اللہ فانہ لا یدرک ما عند اللہ الا بطاعتہ [2]

ترجمہ: اے لوگو! کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہیں جنت کے قریب کرے اور آگ سے دور کرے مگر میں نے اس کا تمہیں امر کر دیا ہے اور کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہیں جہنم کے قریب کرے اور جنت سے دور کرے مگر میں نے تمہیں اس سے روک دیا ہے اور بیشک روح الامین جبریل نے میرے دل میں یہ بات اتاری ہے کہ کوئی جی اس وقت تک نہ مریگا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کر لے۔ سو خبردار رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو ـــــ اور طلب رزق میں اختصار سے کام لو ـــــ رزق کا دیر سے ملنا کہیں تمہیں اس پہ نہ لے آئے کہ تم اسے گناہوں کی راہ سے ڈھونڈنے لگ جاؤ ـــــ جو اللہ کے ہاں ہے اسے اس کی تابعداری سے ہی پاسکتے ہو۔

اس حدیث میں حضور کے پاس حضرت جبریل کا آنا ـــــ آپ کے قلب مبارک میں پھونک لگانا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کہی بات کا اتارنا واضح طور پر مذکور ہے۔ سو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ وحی غیر متلو میں بھی خدمت رسالت حضرت جبریل کے سپرد تھی۔

---

[1] المصنف جلد ۱۱ ص ۳۵ [2] ایضاً ص ۱۲۵ ورواہ فی شرح السنۃ [3] ایضاً کما فی المشکوٰۃ ص ۴۵۲ [3] المصنف جلد ۱ ص ۴۱۳

(۸) حضرت عوف بن مالکؓ (۷۳ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انہ اتانی آت من ربی یخیرنی بین ان یکون امتی شطر اھل الجنۃ وبین الشفاعۃ فاخترت الشفاعۃ[۳]۔

ترجمہ۔ میرے پاس خدا کی طرف سے ایک آنے والا (جبریل) آیا۔ خدا نے مجھے اختیار دیا کہ میں دو باتوں میں سے ایک کو چن لوں میری امت اہل جنت میں سے نصف ہو یا مجھے شفاعت کا موقعہ دیا جائے۔ میں نے شفاعت کو چن لیا۔

امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کی شہادت

(۱) حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ما جاءنی جبرئیل علیہ السلام قط الا امرنی بالسواک[۲]

ترجمہ۔ جبریل علیہ السلام جب بھی میرے پاس آتے ہیں مجھے مسواک کی ضرور تاکید کرتے ہیں۔

(۲) حضرت زید بن حارثہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:۔

ان جبرئیل اتاہ فی اول ما اوحی الیہ فعلمہ الوضوء والصلوٰۃ[۳]

ترجمہ۔ پہلے دنوں کی وحی میں ہی حضرت جبریل آپ کے پاس آئے تھے اور آپ کو وضو اور نماز سکھلا گئے تھے۔

اس وقت وضو اور نماز کا کیا طریقہ تھا؟ ـــــــ ضروری نہیں کہ یہ وہی طریقہ ہو جو بعد میں آپ اور آپ کی امت میں سنت قائمہ کے طور پر قائم ہوا۔

امام دارمیؒ (۲۵۵ھ) کی شہادت

(۱) عن انس بن مالکؓ قال جاء جبرئیل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو جالس حزین وقد تخضب بالدم من فعل اھل مکہ من قریش

---

[۱] المصنف جلد ۱۱ صفحہ ۴۱۳ [۲] رواہ احمد کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۴۵ [۳] رواہ احمد کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۴۲

فقال جبرئیل یارسول اللہ هل تحب ان اریک آیة قال نعم فنظر الی شجرة من ورائه فقال ادع بها فجاءت وقامت بین یدیه فقال مرها فترجع فامرها فرجعت فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسبی حسبی[1]

ترجمہ. حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل آئے اور آپ غمگین بیٹھے ہوئے تھے اور اہل مکہ کے عمل سے خون آلود تھے حضرت جبریل نے کہا. اے اللہ کے رسول! آپ پسند کریں گے. کہ میں آپکو ایک عجیب نشان دکھاؤں. آپ نے فرمایا ہاں. آپ کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کے پیچھے ایک درخت ہے. جبریل نے کہا آپ اسے آواز دیں. درخت آپ کی آواز پر آیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا. پھر جبریل نے کہا آپ اسے واپس لوٹنے کا حکم دیں. آپ نے اسے ایسا ہی کہا اور وہ واپس لوٹ گیا. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر دو دفعہ فرمایا. مجھے میرا رب کافی ہے کافی ہے.

(۲) عن ابی سعید الخدری...... قال ان جبرئیل اتانی فاخبرنی ان فیہما اذیً او قذرًا فاذا جاء احدکم المسجد فلیقلب نعلیہ[2]..... الحدیث

ترجمہ. ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے. کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے بتایا. کہ نعلین سے کچھ مٹی یا تنکے لگے ہیں. سو تم میں سے کوئی جب مسجد آئے. تو چاہیئے کہ جوتیاں ذرا ہلا لیا کرے. انہیں جھاڑ لیا کرے.

(۳) عن ابن غنم قال نزل جبرئیل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فشق بطنہ ثم قال..... الحدیث[3]

ابن غنم سے مروی ہے کہ حضرت جبریل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اترے اور آپ کے سینہ مبارک کو شق کیا اور کہا..... الحدیث

---

[1] سنن الدارمی جلد اوّل صہ۱۲ [2] ایضاً صہ۳۲ [3] ایضاً صہ۲۸

(۴) عن خلاد بن السائب عن ابیه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اتانی جبرئیل فقال مر اصحابك او من معك ان یرفعوا اصواتھم بالتلبیۃ او بالاھلال[1]

ترجمہ۔ خلاد بن السائب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، حضورؐ نے کہا۔ جبریل میرے پاس آتے تھے اور مجھے کہا، آپ اپنے صحابہؓ کو کہیں۔ کہ تلبیہ میں اپنی آوازیں بلند رکھا کریں۔

امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کی شہادت

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے واپس لوٹے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور آپ کا سر گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا۔

اتاہ جبرئیل وقد عصب راسہ الغبار فقال وضعت السلاح فواللہ ما وضعتہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاین فقال ھھنا و اوما الی بنی قریظۃ[2]

ترجمہ۔ آپؐ کے پاس جبریل آئے۔ ان کا سر غبار آلود تھا۔ انہوں نے کہا۔ آپ نے ہتھیار رکھ دیئے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے تو ہتھیار نہیں رکھے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اب کدھر؟ حضرت جبرئیل نے کہا ادھر اور بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔

قرآن کریم کی رو سے فرشتے ہمہ تن اور ہمہ وقت طاعتِ خداوندی میں مصروف ہیں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں اذنِ الٰہی سے کرتے ہیں۔ سو حق بات یہ ہے۔ کہ حضرت جبرئیل کا یہ آنا اور حضورؐ سے ہمکلام ہونا یہ سب امرِ الٰہی سے تھا اور حضرت جبرئیل وحی متلو کے علاوہ حضورؐ پر وحی غیر متلو بھی لے کر آتے تھے۔

حضرت ابو مسعود انصاریؓ (۴۱ھ) نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ (۵۰ھ) کو کہا۔

---

[1] سنن دارمی جلد دوم صفحہ ۳۴ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۵ صحیح مسلم جلد صفحہ

الیس قد علمت ان جبرئیل نزل فصلی فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم صلی فصلی رسول اللہ ثم صلی فصلی رسول اللہ ثم صلی فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم...... (ثم قال بھذا امرت)[1]

ترجمہ۔ کیا تو نے نہ جانا کہ جبریل اُترے تھے۔ انہوں نے نماز پڑھی۔ سو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز پڑھی۔ جبریل نے پھر نماز پڑھی سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پھر نماز پڑھی ——— پھر جبریل نے نماز پڑھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پھر نماز پڑھی۔

یہ نمازوں کے اوقات کا تعیین سب اللہ رب العزت کی طرف سے تھا حضرت جبریل تو محض اس کے اذن سے یہ وحی غیر متلو لے کر اُترے تھے۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض کہتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ نہایت غمگین تھے کہ قرن منازل کے مقام پر بادل نے آپ پر سایہ کیا۔ اس میں سے حضرت جبریل علیہ السلام اُترے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فنظرت فاذا فیھا جبرئیل فنادانی فقال ان اللہ قد سمع قول قومك وما ردوا علیك وقد بعث الیك ملك الجبال لتامرہ بما شئت فیھم قال فنادانی ملك الجبال فسلم علی ثم قال یا محمد ان اللہ قد سمع قول قومك وانا ملك الجبال وقد بعثنی ربك الیك لتامرنی بامرك ان شئت ان اطبق علیھما الاخشبین۔ متفق علیہ۔[2]

ترجمہ۔ سو میں نے دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جبریل اُترے ہیں۔ آپ نے مجھے آواز دی۔ اللہ نے تیری قوم کی بات سُن لی ہے اور جو انہوں نے تجھے ٹھکرایا ہے اور بے شک آپ کی طرف ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتے) کو بھیجا گیا ہے۔ تاکہ آپ اُن کے بارے میں جو چاہیں آپ اس کا حکم اسے دیں۔ پھر مجھے ملک الجبال نے آواز دی اور مجھے سلام کیا اور کہا اے محمدؐ! بے شک

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صد ۱۳۹ [2] مشکوٰۃ شریف صد ۵۲۳

اللہ تعالیٰ نے تیری قوم کی بات سُن لی ہے اور میں ملک الجبال (پہاڑوں کا فرشتہ) ہوں اور مجھے تیرے رب نے تیرے پاس بھیجا ہے. آپ مجھے حکم دیں ان کے بارے میں. اگر چاہیں تو میں ان پر اخشبین (کوہِ احمر اور کوہِ ابوقبیس) اُلٹ دوں.

اس قسم کی روایات چند نہیں متعدد ہیں. حضرت جبریل بارہا آپ کے پاس وحی متلو کے جلو میں اُترے اور بارہا آپ سے اس انداز میں ہمکلام ہوئے. سو اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنن اس وحی الٰہی پر ترتیب پائی تھیں.

امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) کی شہادت

حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں. کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نصف اللیل کے قریب آہستہ سے اُٹھے اور بقیع (قبرستان) تشریف لے گئے. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا.

ان جبرئیل علیہ السلام اتانی حین رأیت فناداني فاخفاہ منك فاجبتہ فاخفیتہ منك ولم یکن یدخل علیك وقد وضعت ثیابك وظننت ان قد رقدت فکرھت ان اوقظك ان تستوحشی فقال ان ربك یامرك ان تاتی اھل البقیع فتستغفر لھم[1]

ترجمہ. جب تو نے مجھے دیکھا جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے. انہوں نے مجھے آواز دی اور اُسے تجھ سے چھپایا. میں نے انہیں جواب دیا اور میں نے بھی اس جواب کو تجھ سے چھپایا اور جب تم نے اپنے کپڑے رکھے ہوں تو وہ تمہارے ہاں نہیں آتے. میں نے گمان کیا کہ تم سو رہی ہو. میں نے پسند نہ کیا کہ تمہیں جگاؤں. اور یہ مجھے ڈر تھا کہ تو وحشت محسوس نہ کرے جبریل نے (مجھے) کہا. تیرا پروردگار تجھے حکم دیتا ہے کہ آپ بقیع کے قبرستان میں جائیں اور فوت شدگان کے لئے مغفرت کی دعا کریں.

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۱۴ دہلی. المصنف جلد ۳ صفحہ ۵۷

امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا:۔

ما زال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت انہ لیورثنہ[۱]

ترجمہ۔ جبریل مجھے ہمسائے کے بارے میں برابر نصیحت کرتے رہے حتیٰ کہ مجھے محسوس ہونے لگا۔ کہ وہ اسے وراثت میں سے بھی حصہ دلوائیں گے۔

کیا یہ سب باتیں حضرت جبرئیل اپنی طرف سے کرتے تھے؟ نہیں یہ سب کلام باذنِ الٰہی اور بحکم الٰہی تھا۔ اس قسم کی وحی کو ہی وحی غیر متلو کہتے ہیں۔

امام ابُو داؤد السجستانیؒ (۲۷۵ھ) کی روایات

(۱) حضرت عمر بن عبدالعزیز (۱۰۰ھ) نے ایک روز عصر کی نماز میں کسی وجہ سے تاخیر فرمائی تو اُن سے حضرت عروہ بن الزبیر (۹۴ھ) نے کہا:۔

اما ان جبرئیل علیہ السلام قد اخبر محمداً صلی اللہ علیہ وسلم بوقت الصلوٰۃ۔

ترجمہ۔ لیکن جبرئیل علیہ السلام نے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازوں کے اوقات بتلا دیئے تھے۔

جب حضرت عروہ بن الزبیر نے یہ حدیث بیان کی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان سے عرض کیا۔ کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کیا کہا ہے؟ حضرت عروہ نے فرمایا میں نے بشیر بن مسعود سے یہ بات سُنی ہے۔ اور انہوں نے ابومسعود انصاری سے یہ سنا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

نزل جبریل فاخبرنی بوقت الصلوٰۃ فصلیت معہ[۲]

ترجمہ۔ جبریل علیہ السلام اُترے تھے اور نمازوں کے وقت کی مجھے خبر دی تھی۔ سو میں نے آپ کے ساتھ ہی نماز پڑھی۔

(۲) حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی غفار کے ایک گڑھے

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۲۹ المصنف جلد ۱۱ صفحہ ۲۹ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۶ مسند امام اعظم مترجم صفحہ ۳۷۹ موطا امام محمد صفحہ ۳۹۱ [۲] ابوداؤد شریف جلد ۱ صفحہ ۱۷۸ مطبوعہ کراچی۔

کے پاس تھے۔ کہ:۔

فاتاہ جبرئیل فقال ان اللہ یامرك ان تقرئ امتك علی حرف قال اسئل اللہ معافاته ومغفرته ان امتی لا تطیق ذالك ثم اتاہ ثانیة فذکر نحو ھذا۔[۱]

ترجمہ: جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم کرتا ہے کہ اپنی امت کو کلام اللہ ایک حرف پر پڑھاؤ۔ آپ نے فرمایا۔ میں خدا سے اس کی بخشش اور مغفرت چاہتا ہوں۔ میری امت میں اتنی طاقت نہیں پھر دوسری بار آئے اور ایسا ہی کہا۔

اس روایت میں حضرت جبریل کا آپ کے پاس آنا اور آپ کو ایک حکم پہنچانا صراحت سے مذکور ہے۔ کیا یہ حکم الٰہی قرآن کریم میں ملتا ہے؟ نہیں۔ سو یہ بات تسلیم کرنے سے چارہ نہیں۔ کہ حضرت جبریل آپ پر وحی غیر متلو بھی لاتے تھے۔

امام ترمذیؒ (د ۲۷۹ھ) کی روایات

حضرت ابوسعید الخدریؓ (۷۴ھ) حضرت امیر معاویہؓ (۶۰ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

انه اتانی جبرئیل فاخبرنی ان اللہ یباھی بکم الملائکة۔[۲]

ترجمہ: بے شک میرے پاس جبریل آئے اور مجھے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں آپکی امت پر فخر کرتے ہیں۔

جب حضورؐ نے یہ بات بتائی تو اس وقت آپ کے سامنے بکم کے مخاطب اول کون تھے؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ اس سے آپ ان کے مقام کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

امام دارمیؒ (۲۵۵ھ) امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) امام ابن ماجہؒ (۲۷۳ھ) نے بھی خلاد بن السائبؒ کی یہ روایت جسے ہم امام مالکؒ اور امام محمدؒ کے حوالے سے پیش کر آئے ہیں نقل کی ہے

---

[۱] ابوداؤد شریف جلد ۱ صفحہ ۵۵۱ مترجم مطبوعہ کراچی۔ [۲] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۷۴ والنسائی جلد ۲ صفحہ ۲۱۱

اتانی جبرئیل فامرنی ان امر اصحابی ان یرفعوا اصواتہم بالاھلال او التلبیۃ ـــــ رواہ الترمذی[1]

ترجمہ: میرے پاس جبریل آئے۔ مجھے کہا کہ میں اپنے صحابہؓ کو حکم دوں۔ کہ وہ لبیک پکارنے میں اپنی آوازیں بلند رکھیں۔

ایک یہودی عالم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ زمین کا کون سا ٹکڑا بہتر ہے۔ آپ خاموش رہے۔ اور فرمایا کہ میں اسے جبرئیل سے پوچھوں گا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تو آپ نے اُن سے پوچھا ـــــ حضرت جبریل نے کہا وہ اپنے پروردگار سے پوچھیں گے ـــــ پھر حضرت جبریل تشریف لائے اور کہا:۔

یا محمد انی دنوت من اللہ دنوًا مادنوت منہ قط فقال خیر البقاع مساجدھا۔ رواہ الترمذی[2]

اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب ہوا کہ اتنے قرب میں پہلے نہ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ زمین کے تمام ٹکڑوں میں بہتر جگہیں مساجد ہیں۔

وحی غیر متلو کی عظمت کا اندازہ کیجئے۔ جبریل اللہ رب العزت سے وحی متلو (قرآن کریم کی وحی) ہمیشہ لاتے رہے اور ظاہر ہے کہ آپ کو وہ وحی قرب الٰہی میں پہنچ کر ملتی ہوگی۔ تاہم اس وحی غیر متلو کا بھی اندازہ کیجئے۔ قرب الٰہی کے کس درجہ سے اس کا اتصال تھا۔

امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) کی روایات

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکوں نے محاصرہ کرلیا اور کہنے لگے:۔

ان لھؤلاء صلوٰۃ ھی احب الیھم من ابنائھم وابکارھم اجمعوا امرکم ثم میلوا علیھم میلۃ واحدۃ فجاء جبرئیل علیھم السلام فامرہ ان یقسم اصحابہ بصفین فیصلی بطائفۃ منھم وطائفۃ مقبلون علی عدوھم

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۲۲۳ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۷۱ [3] نسائی شریف جلد صفحہ ۲۳۰

قد اخذوا حذرهم واسلحتهم فیصلی بهم رکعة ثم یتأخر هؤلاء و یتقدم اولئك فیصلی بهم رکعة تکون لهم مع النبی صلی الله علیہ وسلم رکعة و رکعة وللنبی صلی الله علیہ وسلم رکعتان[1]

ترجمہ۔ یہ لوگ نماز پڑھتے ہیں جو انہیں ان کے بیٹوں اور بیٹیوں سے زیادہ عزیز ہے۔ تم سب اپنی پوری تیاری کرلو اور ان پہ ایک ہی دفعہ ٹوٹ پڑو۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام آئے اور آپ کو کہا۔ کہ اپنے صحابہؓ کو دو حصّوں میں تقسیم کردیں۔ حضور ان میں سے ایک کو نماز پڑھا دیں۔ اور دوسرا حصّہ دشمن کی طرف متوجّہ رہے۔ پوری طرح چوکس رہیں اور اسلحہ پاس رکھیں۔ آپ انہیں ایک رکعت پڑھائیں اور پھر یہ لوگ پیچھے ہٹ جائیں اور وہ آگے آجائیں اور آپ ایک رکعت اُن کے ساتھ پوری کریں (ان دونوں حصّوں کی) ایک ایک رکعت حضورؐ کے ساتھ ہو جائے گی اور آپ کی دو رکعتیں ہو جائیں گی۔

حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ :۔

جاء رجلٌ الی النبی صلی الله علیہ وسلم وھو یخطب علی المنبر فقال ارایت ان قاتلت فی سبیل الله صابرًا محتسبا مقبلا غیر مدبر یکفر الله عنی سیئاتی قال نعم ثم سکت قال این السائل وانفا فقال الرجل ھا انا ذا قال ما قلت قال ارایت ان قتلت فی سبیل الله صابرًا محتسبا مقبلا غیر مدبر ایکفر الله عنی سیئاتی قال نعم الا الدین سارّنی به جبرئیل انفا[2]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہا کیا فرماتے ہیں آپ اگر میں اللہ کی راہ میں پورے صبر و احتساب سے جہاد کروں کہ آگے ہی بڑھوں پیچھے نہ ہٹوں۔ تو کیا اللہ تعالیٰ

---

[1] مشکوٰۃ صـ۱۲۷ [2] نسائی شریف جلد ۲ صـ۶۳، موطا امام مالک صـ۱۷۳

میری سب خطائیں معاف فرما دیں گے ؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں پھر کچھ عرصہ آپ خاموش رہے۔ پھر کہا۔ وہ ابھی سوال کرنے والا کہاں ہے ؟ اس نے کہا۔ میں یہ موجود ہوں۔ آپ نے پوچھا تم نے کیا کہا تھا ؟ اس نے کہا آپ کیا فرماتے ہیں اگر میں اللہ کی راہ میں پورے صبر و احتساب سے جہاد کروں کہ آگے ہی بڑھوں پیچھے نہ ہٹوں۔ کیا اللہ تعالیٰ میری سب خطائیں معاف کر دیں گے آپ نے فرمایا۔ ہاں لیکن قرض کی عدم ادائیگی اس میں نہیں آتی۔ مجھے جبریل نے ابھی آہستگی سے یہ بتایا ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضہ کہتے ہیں :۔

سحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل من الیہود فاشتکی لذلک ایاما فاتاہ جبرئیل علیہ السلام فقال ان رجلاً من الیہود سحرک عقد لک عقدا فی بیر کذا وکذا۔ (الحدیث)[1]

ترجمہ۔ ایک یہودی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا اور آپ کو اس سے کچھ دن تکلیف رہی۔ جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ایک یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے اور فلاں کنویں میں (جادو کی) گانٹھیں باندھی ہیں۔

ام المومنین حضرت میمونہ رضہ کہتی ہیں :۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ جبرئیل علیہ السلام لکنا لا ندخل بیتاً فیہ کلب ولا صورۃ فاصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یومئذ فامر بقتل الکلاب حتی انہ لیامر بقتل الکلب الصغیر[2]

ترجمہ۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ جس گھر میں کتا اور تصویر ہو ہم اس میں داخل نہیں ہوتے۔ جب صبح ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو مار دینے کا حکم فرمایا۔ یہاں تک کہ چھوٹے کتے کو بھی مار دینے کا حکم فرماتے۔

---

[1] نسائی شریف جلد ۲ صفحہ ۱۷۱ [2] ایضاً صفحہ ۱۹۳

ابُوزبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابرؓ کو کہتے ہوئے سُنا :۔

لبس النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبا من دیباج اھدی لہ ثم اوشك ان نزعہ فارسل بہ الی عمر فقیل لہ قد اوشك ما نزعتہ یا رسول اللہ قال نہانی عنہ جبرئیل علیہ السلام فجاء عمر یبکی فقال یارسول اللہ کرھت امرًا واعطیتنیہ قال انی لم اعطکہ لتلبسہ انما اعطیتك لتبیعہ فباعہ عمر بالفی درھم۔[1]

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کا کوٹ پہنا۔ جو آپ کو بطور ہدیہ پیش کیا گیا تھا۔ آپ نے جلدی پھر اسے اُتار دیا اور وہ کوٹ حضرت عمرؓ کی طرف بھیج دیا۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ نے بہت جلدی اس کو اتار دیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے روکا ہے۔ حضرت عمرؓ روتے ہوئے آئے کہ جس چیز کو آپ نے اپنے لیئے پسند نہیں فرمایا وہ مجھے کیسے عطا فرما دی۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے پہننے کے لیئے نہیں دیا۔ میں نے بیچنے کے لیئے دیا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے اس کو دو ہزار درہم میں بیچا۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ایک حدیث میں بیان کرتی ہیں :۔

قال فان جبرئیل علیہ السلام اتانی حین رایت ولم یکن یدخل علیك وقد وضعت ثیابك فنادانی فاخفی منك فاجبتہ فاخفیت منك وظننت ان قد رقدت وخشیت ان تستوحشی فامرنی ان اتی اھل البقیع فاستغفرلہم۔[2]

ترجمہ۔ جب تو نے مجھے دیکھا جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے۔ انہوں نے مجھے آواز دی اور اسے تجھ سے چھپایا اور وہ نہیں آتے جب تو نے دن کے کپڑے اُتار رکھے ہوں پھر جواب دیا میں نے وہ بھی آپ سے میں نے مخفی رکھا اور میں نے گمان کیا شاید تم سو چکی ہو اور جگانا مناسب نہ سمجھا اور مجھے خوف تھا کہ آپ دحشت محسوس کریں گی۔ پس پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں جنت البقیع میں جا کر ان کے لیے استغفار کروں۔

---

[1] نسائی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۹۶ [2] نسائی شریف جلد ۲ صفحہ ۹۸ یہ شب برات کا واقعہ ہے۔

ذخیرۂ حدیث میں ایسی روایات بہت ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت کا نام لے کر کوئی بات کہی اور وہ بات ہم درجہ تلاوت میں نہیں پاتے۔ اس غیر متلو کلام الٰہی پر محدثین رحمہم اللہ اجمعین کی بے شمار شہادتیں موجود ہیں چند روایات اس قبیل کی بھی سن لیں۔

حضرت امام مالکؒ کی شہادت

عن معاذ بن جبل قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالیٰ وجبت محبتی للمتحابین فیّ والمتجالسین فیّ والمتباذلین فیّ رواہ مالک باسناد صحیح[1]

ترجمہ۔ حضورؐ کہتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا جو میرے لیے ایک دوسرے سے محبت کریں اور میرے لیے ایک دوسرے سے مل کر بیٹھیں اور میری راہ میں وہ مل کر خرچ کریں۔ میری محبت ان کے لیے واجب ہوگئی۔

یہ کلام باری تعالیٰ وجبت محبتی للمتحابین فیّ .... الخ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ معلوم ہوا قرآن کریم کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ حضورؐ سے کلام فرماتے رہے ہیں۔

حضرت امام محمدؒ کی شہادت

عن عبد اللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع عمر بن الخطابؓ وھو یقول لا وأبی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ ینھاکم ان تحلفوا بآبائکم فمن کان حالفاً فلیحلف باللہ ثم لیبرر او لیصمت قال محمد وبھذا ناخذ لا ینبغی لاحد ان یحلف بابیہ فمن کان حالفاً فلیحلف باللہ[2]

ترجمہ۔ حضورؐ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے منع کرتا ہے کہ تم اپنے ماں باپ کی قسمیں کھاؤ۔ جس کو قسم کھانی ہو سو وہ خدا کے نام کی قسم کھائے پھر نیکی کرے یا

---

[1] الترغیب جلد ۳ صـ۲۲۵ جلد ۴ صـ۱۸ [2] مؤطا امام محمد صـ۳۲۵

خاموش رہے۔
یہ حکم خداوندی قرآن کریم میں کہاں ہے؟ یہ صریح بات قرآن کریم میں کہیں نہیں۔

حضرت امام احمدؒ کی شہادت

۱۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عزوجل یا ابن آدم قم الی امش الیک
رواہ احمد باسناد صحیح[۱]

ترجمہ۔ حضورؐ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ابن آدم تو میرے لیے کھڑا ہو میں چل کر تیری طرف آؤں گا۔ تو چل کر میری طرف آئے تو میں دوڑ کر تیری طرف آؤں گا۔

یہ بھی پتہ چلا کہ غیر متلو کلام الٰہی میں کبھی بنی آدم سے بھی خطاب ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں یا بنی آدم سے کئی آیات کی ابتداء ہوئی ہے۔

۲۔ عن العرباض بن ساریۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عزوجل المتحابون بجلالی فی ظل عرشی یوم لا ظل الا ظلی ـــــ رواہ احمد باسناد جید۔[۲]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرا جلال چاہنے والے میرے عرش کے سایہ تلے ہوں گے جس دن میرے سایہ رحمت کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

۳۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تعالیٰ یا عبادی کلکم ضال الا من ھدیتہ فاستھدونی اھدکم یا عبادی کلکم جائع الا من اطعمتہ فاستطعمونی اطعمکم یا عبادی کلکم عار الا من کسوتہ فاستکسونی یا عبادی انکم تخطئون باللیل والنھار وانا اغفر الذنوب جمیعاً فاستغفرونی اغفرلکم وکلکم فقراء الا من اغنیت فاسئلونی ارزقکم وکلکم مذنب الا من عافیت فمن علم منکم انی ذو قدرۃ علی المغفرۃ فاستغفرنی غفرت لہ

۱؎ الترغیب جلد ۴ صفحہ ۱۰۴ ۲؎ ایضاً صفحہ ۱۱

ولا ابالی ولو ان اوّلکم و اخرکم وحیکم ومیتکم ورطبکم ویابسکم اجتمعوا علیٰ اشقیٰ قلب عبد من عبادی ما نقص ذلک فی ملکی جناح بعوضۃ ولو ان اولکم و اخرکم وحیکم و میتکم ورطبکم ویابسکم اجتمعوا فی صعید واحد فسأل کل انسان منکم ما بلغت امنیتہ فاعطیت کل سائل منکم ما نقص ذلک من ملکی الا کما لو ان احدکم مرّ بالبحر فغمس فیہ ابرۃ ثم رفعہا ذلک بانی جواد ماجد افعل ما ارید۔ عطائی کلام وعذابی کلام انما امری لشیءٍ اذا اردت ان اقول لہ کن فیکون۔ رواہ احمد۔[1]

ترجمہ۔ حضورؐ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کہا۔ اے میرے بندو تم سب بھٹکے ہو سوائے ان کے جنہیں میں ہدایت دوں۔ ہدایت مجھی سے مانگو۔ میں تمہیں راہ بتاؤں گا تم سب محتاج ہو سوائے ان کے جنہیں میں غنی کر دوں مجھ سے مانگو رزق میں تمہیں دوں گا۔ تم سب گناہگار ہو سوائے ان کے جنہیں میں بچالوں۔۔ تم میں سے جو کوئی جانے کہ میں بخشنے پر قادر ہوں پھر وہ مجھ سے بخشش مانگے میں نے اسے بخش دیا اور مجھے پرواہ نہیں۔۔ تمہارے پہلے پچھلے زندہ۔ فوت شدہ۔ جوان بوڑھے سب بندوں کے بدبخت ترین درجے میں آجائیں تو میری بادشاہی سے مچھر کے پَر برابر کمی نہ ہوگی اور اگر تمہارے پہلے پچھلے زندہ و فوت شدہ جوان۔ بوڑھے ایک جگہ جمع ہوں اور تم میں سے ہر انسان اتنا مانگے جہاں تک اس کی امید ہو سکتی ہے اور میں تم میں سے ہر سائل کو اتنا دے دوں میری بادشاہی میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔ مگر ایسی کہ تم میں سے کوئی دریا کے پاس سے گزرے اس میں سوئی ڈبوئے اور پھر اسے نکال لے (اس پر کتنا پانی آئے گا؟) ۔۔۔ میں سخی ہوں بزرگیوں کا، مالک ہوں جو چاہے کروں (کوئی مجھے روکنے والا نہیں) میرا دینا بھی صرف بات ہے اور پکڑنا بھی محض ایک بات ۔۔۔ جب چاہوں کہ کچھ ہو تو اسے کن کہتا ہوں اور وہ چیز موجود ہو جاتی ہے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۱۹ مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۵ ترجمہ مشکوٰۃ کی روایت کے مطابق کیا گیا ہے۔

۴- عن ابی امامۃؓ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ بعثنی رحمۃ للعالمین وھدے للعالمین وامرنی ربی بمحق المعازف والمزامیر والاوثان والصلب وامر الجاھلیۃ وحلف ربی عزوجل بعزتی لایشرب عبد من عبیدی جرعۃ من خمر الا سقیتہ من الصدید مثلھا ولا یترکھا من مخافتی الا سقیتہ من حیاض القدس رواہ احمد[۱]

ترجمہ. حضورؐ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمۃ للعالمین اور تمام جہانوں کا مرکز ہدایت بنایا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں معازف ومزامیر، بُت اور صلیب اور جاہلیت کی ہر بات کو ختم کر دوں. میرے رب نے اپنے جلال کی قسم سے کہا ہے کہ کوئی بندہ جو شراب کا ایک گھونٹ پیئے اسے اتنی پیپ پینی ہو گی اور جو میرے ڈر سے اسے چھوڑے میں اسے حوض قدس سے پانی پلاؤں گا.

۵. فرمانِ الٰہی : ان احب عبادی الی اعجلھم فطرًا رواہ احمد[۲]

ترجمہ. محبت میں میرے زیادہ قریب وہ ہے جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرے.

حضرت امام بخاریؒ کی شہادت

۱. عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یقول اللہ عز وجل اذا اراد عبدی ان یعمل سیئۃ فلا تکتبوھا علیہ حتی یعملھا فان عملھا فاکتبوھا بمثلھا وان ترکھا من اجلی فاکتبوھا لہ حسنۃ رواہ البخاری ومسلم[۳]

ترجمہ. حضورؐ نے بتایا اللہ تعالیٰ (فرشتوں سے) فرماتے ہیں جب میرا بندہ کسی بُرائی کا ارادہ کرے اسے اس کے نام نہ لکھو جب تک وہ اس پر عمل نہ کر گزرے اگر وہ اسے کر پائے تو اسے اتنا ہی لکھو جتنا اس نے کیا۔ اور اگر اس نے

---

[۱] مشکوٰۃ ص۳۱۸ [۲] الترغیب جلد ۲ ص۱۳۱ [۳] الترغیب جلد ۴ ص۲۶۱

اسے میری خاطر چھوڑ دیا تو اس کی ایک نیکی لکھ دو۔

۲۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عز وجل اذا احب عبدے لقائی احببت لقاءہ واذا کرہ لقائی کرھت لقاءہ رواہ البخاری۔[۱]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب میرا بندہ مجھ سے ملنا چاہے تو میں بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہوں اور جب وہ میرے پاس آنا ناپسند کرے تو میں بھی اسے ملنا نہیں چاہتا۔

۳۔ عن ابی ھریرۃ رضؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ عز وجل ومن اظلم ممن ذھب یخلق کخلقی فلیخلقوا ذرۃً ولیخلقوا حبۃً ولیخلقوا شعیرۃً رواہ البخاری۔[۲]

ترجمہ۔ حضورؐ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا۔ جو میری طرح چیزیں بنانے کے درپے ہو۔ یہ ایک ذرہ تو پیدا کر دکھائیں۔ ایک دانہ تو پیدا کریں ایک جَو ہی بنا دیں۔

۴۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عز وجل اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر رواہ البخاری۔[۳]

ترجمہ۔ آنحضرت نے کہا اللہ تعالیٰ کہتے ہیں میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا، نہ کسی انسان نے اسے سوچا۔

۵۔ عن النبی قال اللہ تعالیٰ ثلثۃ انا خصمھم یوم القیٰمۃ ومن کنت خصمہ خصمتہ (۱) رجل اعطی بی ثم غدر و (۲) رجل باع حرًا فاکل ثمنہ و (۳) رجل استاجر اجیرًا فاستوفی منہ ولم یعطہ اجرہ ۔ رواہ البخاری و ابن ماجہ۔[۴]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے کہا۔ تین قسم کے لوگ ہیں میرا قیامت کے دن ان سے جھگڑا ہوگا اور جس سے میرا جھگڑا ہو میں اسے سمجھوں گا۔

---

[۱] الترغیب جلد ۴ ص ۲۳۵ [۲] ایضاً ص ۲۴ [۳] ایضاً ص ۵۵ [۴] الترغیب جلد ۳ ص ۲۳، ص ۲۳ جلد ۴ ص ۱

۱۔ پہلا وہ جس نے میرے ساتھ کوئی عہد باندھا پھر اسے توڑا۔ ۲۔ دوسرا جس نے کسی آزاد شخص کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔ ۳۔ تیسرا وہ جس نے کوئی مزدور لیا اس سے تو اس نے پورا کام لیا لیکن اسے اس نے مزدوری نہ دی۔

امام مسلمؒ کی شہادت

صحیح بخاری کی مذکورہ روایات بیشتر صحیح مسلم میں بھی ہیں۔ تاہم کچھ روایات ہم صحیح مسلم سے بھی پیش کرتے ہیں۔

۱۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ألم تروا الی ما قال ربکم عزوجل قال ما انعمت علی عبادی من نعمۃ الا اصبح فریق منھم بھا کافرین یقولون الکوکب وبالکواکب[۱]

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا تمہارے رب نے کیا کہا ہے۔ فرمایا میں نے اپنے بندوں کو جب بھی کوئی نعمت دی تو کچھ لوگ اس سے کافر ہی ہو گئے۔ کہنے لگے ستارہ ہی ایسا تھا۔

۲۔ عن ابی ذرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما یروی عن اللہ تبارک و تعالیٰ انہ قال یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلتہ بینکم محرماً فلا تظالموا[۲]

ترجمہ۔ ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں حضورؐ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے میرے بندو! میں نے ظلم اپنے اوپر حرام کر دیا ہے میں کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ تم بھی کسی پر ظلم نہ کرو۔

۳۔ عن جندبؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدث ان رجلاً قال واللہ لا یغفر اللہ لفلان وان اللہ تعالیٰ قال من ذا الذی یتألی علی انی لا اغفر لفلان فانی قد غفرت لفلان واحبطت عملک۔ رواہ مسلم[۳]

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۵۹ [۲] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۹ مشکوٰۃ ص ۲۰۳، الترغیب جلد ۱ ص ۶۷، جلد ۳ ص ۱۸۳ [۳] مشکوٰۃ ص ۲۰۳

ترجمہ۔ ایک شخص نے ایک دفعہ ایک شخص کے بارے میں کہا بخدا اللہ اسے بخشے گا نہیں ـــ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کون ہے جو مجھ پر قسم باندھتا ہے کہ میں فلاں کو نہ بخشوں گا ـــ (سن لے) میں نے اسے بخش دیا اور تیرے اعمال ضائع کر دیئے۔

امام ابو داؤدؒ کی شہادت

۱۔ عن عبدالرحمٰن بن عوفؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ عز وجل انا اللہ وانا الرحمٰن خلقت الرحم وشققت لہا اسمًا من اسمی فمن وصلہا وصلتہ ومن قطعہا قطعتہ۔[۱]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے میں خدا ہوں میں رحمٰن ہوں میں نے رحم پیدا کیا۔ میں نے اپنے نام سے اسے نام دیا جو صلہ رحمی کرے گا میں اسے جوڑوں گا جو قطع رحمی کرے گا میں اسے قطع کروں گا۔

۲۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عز وجل یؤذینی ابن آدم یقول یا خیبۃ الدھر فلا یقل احدکم یا خیبۃ الدھر فانی انا الدھر اقلب لیلہ ونہارہ۔ رواہ ابو داؤد۔[۲]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ابن آدم جب زمانے کو کوستا ہے تو مجھے اذیت دیتا ہے ـــ تم میں سے کوئی ایسا نہ کہے اے زمانے تیرا بُرا ہو، زمانہ میں ہوں (وہ میرے ہاتھ میں ہے) میں اس کے دن رات لاتا ہوں (اسے گردش دیتا ہوں)۔

امام نسائیؒ کی شہادت

عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما یحکی عن ربہ قال ایما عبد من عبادی خرج مجاھدًا فی سبیلی ابتغاء مرضاتی ضمنت لہ ان رجعتہ

---

[۱] الترغیب جلد ۳ ص ۳۳۸ [۲] ایضاً ص ۴۸۱ [۳] الترغیب جلد ۲ ص ۲۷۱

ارجعه بما اصاب من اجر و غنیمة و ان قبضته غفرت له[1]

ترجمہ۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ اسے حضورؐ سے روایت کرتے ہیں آپ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا میرے بندوں سے جو بندہ میری راہ میں جہاد کے لیے نکلا۔ میں ضامن ہوں کہ اگر اسے واپس لوٹاؤں تو اجر و غنیمت کے ساتھ اسے لوٹاؤں اور اگر اسے قبض کرلوں تو اسے بخش دوں۔

امام ترمذیؒ کی شہادت

۱۔ عن انس قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ عز وجل اخرجوا من النار من ذکرنی یوما او خافنی فی مقام رواہ الترمذی[2]

ترجمہ۔ حضورؐ کہتے ہیں اللہ عزوجل (فرشتوں سے) کہیں گے جو کبھی بھی مجھ سے ڈرا۔ اور جس نے مجھے ایک دن بھی یاد کیا اسے آگ سے نکال دو۔

۲۔ عن انس بن مالکؓ قال سمعت رسول اللہؐ یقول ان اللہ عز وجل یقول انا عند ظن عبدی بی و انا معه اذا دعانی۔ رواہ الترمذی[3]

ترجمہ۔ حضورؐ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں اپنے بندوں کے یقین کے مطابق ہوتا ہوں جب وہ مجھے بلائے میں اس کے ساتھ ہوں۔

۳۔ عن انس بن مالکؓ قال سمعت رسول اللہؐ یقول قال اللہ تعالیٰ یا ابن آدم انک ما دعوتنی و رجوتنی غفرت لک علی ما کان منک ولا ابالی۔۔۔۔ الحدیث رواہ الترمذی[4]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ نے کہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے ابن آدم! جب تک تو مجھے پکارے اور مجھ سے امیدیں باندھے تیرے جتنے اور جیسے گناہ بھی ہوں میں نے بخش دیئے اور مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔

امام ابن ماجہ قزوینیؒ کی شہادت

---

[1] الترغیب جلد ۲ صـ۲۷۱ [2] الترغیب جلد ۴ صـ۲۲۱ [3] ایضاً جلد ۲ صـ۴۷۷ جلد ۴ صـ۲۲۵ [4] ایضاً جلد ۲ صـ۴۰۸

۱۔ عن ابی ھریرۃؓ قال ولا اعلمہ الا قد رفعہ قال یقول اللہ سبحانہ یا ابن اٰدم تفرغ لعبادتی املاء صدرک غنًی واسد فقرک وان لم تفعل ملأت صدرک شغلاً ولم اسد فقرک۔[1]

ترجمہ۔ جہاں تک مجھے علم ہے حضرت ابوہریرہؓ اسے حضورؐ سے روایت کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ابن آدم کچھ وقت میری یاد کے لیے نکال، میں تیرا سینہ غنا سے بھر دوں گا۔ محتاجگی کو تجھ سے روکوں گا اور اگر تو میری یاد سے غافل رہا تو میں تیرا سینہ مصروفیتوں سے بھر دوں گا اور تجھے محتاج ہونے سے نہ بچاؤنگا۔

۲۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ سبحانہ الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری من نازعنی واحدًا منہما القیتہ فی جہنم۔[2]

ترجمہ۔ حضورؐ کہتے ہیں اللہ سبحانہ نے فرمایا بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا لباس ہے جو کوئی مجھ سے ان میں سے کوئی چھینے گا۔ بڑائی کا دعوے کرے گا۔ میں اسے جہنم میں پہنچاؤں گا۔

۳۔ عن النبیؐ قال ان اللہ عزوجل یقول انا مع عبدی اذا ھو ذکرنی وتحرکت بی شفتاہ۔ رواہ ابن ماجہ۔[3]

ترجمہ۔ حضورؐ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب اس نے مجھے یاد کیا اور میری یاد میں اس کے دو ہونٹ کھلے۔

امام طبرانیؒ کی شہادت

۱۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما یروی عن ربہ عزوجل انہ یقول یا ابن اٰدم افرغ من کنزک عندی ولا حرق ولا غرق ولا سرق اوفیکہ احوج ما تکون الیہ رواہ الطبرانی۔[4]

ترجمہ۔ حضورؐ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ابن آدم

[1] سنن ابن ماجہ صـ۳۱۲ باب الہم بالدنیا [2] ایضاً صـ۳۱۸ باب البراءۃ من الکبر والتواضع [3] الترغیب جلد۲ صـ۳۹۴ [4] ایضاً صـ۱۷

اپنے خزانے سے کچھ میرے پاس بھی جمع کرا، یہ مال نہ جلے گا، نہ ڈوبے گا، نہ چوری ہو گا میں اسے تجھے پورا دوں گا جتنی بھی تجھے اس کی ضرورت ہو۔

۲۔ قال رسول اللہ ؐ قال اللہ جل ذکرہ لا یذکرنی عبد فی نفسہ الا ذکرتہ فی ملأ من ملائکتی ولا یذکرنی فی ملاء الا ذکرتہ فی الملاء الاعلیٰ رواہ الطبرانی باسناد حسن[۱]

ترجمہ۔ حضورؐ کہتے ہیں اللہ عزوجل نے فرمایا جب کوئی بندہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے میں اس کا اپنے فرشتوں میں تذکرہ کرتا ہوں اور جو کوئی لوگوں میں مجھے یاد کرتا ہے میں اسے ملاء اعلیٰ میں یاد کرتا ہوں۔

۳۔ عن النبیؐ قال ان اللہ یقول یا ابن آدم انک اذا ذکرتنی شکرتنی واذا نسیتنی کفرتنی۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط[۲]

ترجمہ۔ نبی کریمؐ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے ابن آدم! جب تو نے مجھے یاد کیا تو نے میرا شکر ادا کیا اور جب تو نے مجھے بھلا دیا تو تو نے ناشکری کی۔

ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) دارمی (۲۵۵ھ) حافظ البزار (۲۹۲ھ) ابو یعلیٰ (۳۰۷ھ) حافظ ابو الشیخ (۳۶۹ھ) ابن حبان (۳۵۴ھ) حاکم (۴۰۵ھ) البیہقی (۴۵۸ھ) ابو نعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) اور ابو الحسن رزین (۵۲۵ھ) کی ایسی روایات جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کا نام لے اس کی باتیں کہیں سینکڑوں تک پہنچی ہیں اور محدثین نے ایسی روایات کو ایسی کثرت وفور اور اعتماد سے نقل کیا ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ اللہ رب العزت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی متلو کے علاوہ بھی بارہا ہمکلام ہوئے۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا نام لے کر کوئی دین کی بات بتائیں یا اس کا نام لیے بغیر کوئی دینی ارشاد فرمائیں، کوئی حقیقت کھولیں، کوئی امر ارشاد فرمائیں یا نہی۔ آپ کی ہر بات کا مبدء فیض اللہ رب العزت کی ذات ہے اور وہی منبع فیض ہے جس سے رشد رسالت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

---

[۱] الترغیب جلد ۲ صفحہ ۳۹۴ [۲] ایضاً صفحہ ۴۰۴

اس وحی غیر متلو میں کیا اوامر و نواہی کا سلسلہ بھی تھا یا ان میں فقط دین کی اسرار و رموز اور قرآن کریم کی تائید و تفصیل ہی کی اشاعت رہی؟ جواب اثبات میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و نواہی اسی وحی غیر متلو سے بھی ترتیب پاتے تھے۔ وحی غیر متلو کے لیے کئی جگہ امرنی ربی (مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے) وغیرہ کے الفاظ ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حکم خدا حکم خدا ہے خواہ اس کی تلاوت جاری ہو، خواہ اس کا فقط حکم چلے۔

امرنی ربّی وغیرہ کے الفاظ

۱۔ عن عیاض بن حمار المجاشعی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ذات یوم فی خطبتہ الا ان ربی امرنی ان اعلمکم ما جہلتم مما علمنی یومی ھذا۔[۱]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا — مطلع رہو مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس بات کی خبر دوں جس سے تم ناواقف تھے۔ مجھے آج میرے رب نے وہ بتائی ہیں..... الحدیث

۲۔ عن انسؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا توضاء اخذ کفًا من ماء فادخلہ تحت حنکہ فخلل بہ لحیتہ وقال ھکذا امرنی ربی۔ رواہ ابوداؤد۔[۲]

ترجمہ۔ حضورؐ جب وضو فرماتے تو پانی کا ایک چلو لیتے اسے اپنی ٹھوڑی کے نیچے لاکر اس سے ڈاڑھی کا خلال کرتے۔ آپ نے فرمایا مجھے اس طرح کرنے کا میرے رب نے حکم دیا ہے۔

۳۔ عن ابی امامۃؓ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرنی ربی بمحق المعازف و المزامیر والاوثان والصلب وامر الجاھلیۃ۔ رواہ احمد۔[۳]

ترجمہ۔ مجھے میرے رب نے گانے بجانے کی چیزوں، آلات ساز، بتوں، صلیبوں اور جاہلیت کی باتوں کو مٹانے کا حکم دیا ہے۔

---

[۱] رواہ مسلم و مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۰ [۲] مشکوٰۃ صفحہ ۴۶ وکذلک عن ابن عباس رواہ الطبرانی فی الاوسط (شرح نقایہ صفحہ ۳) [۳] مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۰

۴. ان اللہ تعالیٰ امرنی ان ازوج فاطمۃ من علی[۱]

ترجمہ۔ بے شک میرے رب نے مجھے کہا ہے کہ فاطمہؓ کی شادی علی سے کروں۔

۵. ان اللہ امرنی ان اسمی المدینۃ طیبۃ[۲]

ترجمہ۔ بے شک مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ مدینہ کو طیبہ کا نام دوں۔

۶. ان اللہ تعالیٰ امرنی بمداراۃ الناس کما امرنی باقامۃ الفرائض[۳]

ترجمہ۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس تاکید سے لوگوں کی مدارات کا حکم دیا ہے۔ جیسے اس نے مجھے فرائض قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔

۷. ان اللہ امرنی ان اعلمکم مما علمنی وان اؤدبکم اذا قمتم علیٰ ابواب حجرکم فاذکروا اسم اللہ یرجع الخبیث عن منازلکم[۴]

ترجمہ۔ مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں وہ کچھ بتلاؤں جو مجھے میرے خدا نے بتلایا اور تمہیں آداب زندگی سکھاؤں۔ جب تم اپنے گھروں کے دروازوں پر پہنچو تو اللہ کا نام لو تمہارے گھروں سے خبیث روح چلی جائے گی۔

۸. عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابی بن کعب ان اللہ امرنی ان اقرأ علیک القرآن قال اللہ سمانی لک قال نعم وقد ذکرت عند رب العالمین قال نعم فذرفت عیناہ ..... متفق علیہ[۵]

ترجمہ۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں حضورؐ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے فرمایا۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن پڑھ کر سناؤں۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا۔ کیا خدا نے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ انہوں نے کہا تو میں رب العالمین کے حضور مذکور رہوا۔ فرمایا ہاں۔ حضرت ابیؓ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔

اور بھی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ اللہ رب العزت وحی متلو (قرآن کریم) کے علاوہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمکلام ہوئے۔ آپ نے خداوند تعالیٰ سے صرف قرآن کریم ہی نقل نہیں کیا آپ نے خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت سی احادیث بھی بیان کیں۔ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں:۔

---

[۱] جامع صغیر امام سیوطی جلد ا صفحہ ۱۱ [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] ایضاً [۵] مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۱

اذا حدثتکم عن اللہ شیئاً فخذوا بہ فانی لن اکذب علی اللہ عز وجل[1]

ترجمہ: جب میں تمہارے سامنے خدا سے کوئی بات (حدیث) نقل کروں تو اسے لے لیا کرو۔ میں خدائے عز وجل پر کوئی غلط بات نہیں کہتا۔

آپ کو طبعاً اگر کوئی چیز ناپسند ہوتی۔ آپ نے اس سے اجتناب فرمایا تو صاف کہا میرا یہ طبعی تقاضا ہے۔ خدا کے دین میں یہ حرام نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

ایہا الناس انہ لیس لی تحریم ما احل اللہ لی ولکنہا شجرۃ اکرہ ریحہا ادکما قال۔[2]

ترجمہ۔ اے لوگو! مجھے اس چیز کے حرام کرنے کا اختیار نہیں جسے اللہ نے حلال کیا ہے لیکن یہ ایک ایسی سبزی ہے جس کی بو مجھے ناپسند ہے (اس لیے میں اسے نہیں کھاتا۔

اس حدیث میں آپ نے خدا کی بات لفظ حدیث (حدثتکم) سے نقل کی ہے۔ سو اس میں کوئی شک نہیں کہ حدیث کا مبدء بھی اللہ رب العزت ہیں اور اس سے حضورؐ کی زبان اور عمل پر یہ فیضان جاری ہوا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۲۶۴ [2] صحیح مسلم جلد ۱ صہ ۲۰۹ مسند ابی عوانہ جلد ۱ صہ ۴۱۲

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد

حدیث کا منبع و مصدر

قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور اس کا منبع و مصدر ذات الٰہی ہے۔ حدیث شریف وحی متلو (جس کی پہلے سے تلاوت ہوئی ہو) تو نہیں لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح اور قطعی ہے کہ اس کا منبع و مصدر بھی اللہ رب العزت ہی کی ذات ہے، مقام حدیث میں یہ بات آچکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ ارشادات میں القاء ربانی (divine Revelation) کارفرما رہا ہے اور آپ جب بھی دین کی کوئی بات کہتے وہ خدا کی طرف سے ہی تھی' وحی متلو (قرآن پاک) ہو یا وحی غیر متلو (حدیث شریف) دونوں خدا کی طرف سے ہیں اور اللہ ہی کے اذن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نطق و عمل وجود پاتا رہا۔ دین کے باب میں آپ جو کچھ فرماتے یا کرتے اس کے پیچھے ہدایت ربانی اور نور آسمانی کارفرما رہتے اور وہی روشنی آپ کے بعد قیامت تک کے لئے جملہ انسانی قافلوں کی رہنما ہے۔ نبوت علمی ختم ہو چکی ہے اور نزول جبرئیل بہ پیرایہ رسالت ہمیشہ کے لئے بند ہے۔

نبی کے لغوی معنی

نبی نَبْوَۃٌ نَبَاوَۃٌ اور نُبُوَّۃٌ (height) سے مشتق ہے جس کے معنی بلند و بالا (elevated) کے ہیں۔ نبی قوم میں سے سب سے اونچے درجے کا فرد ہوتا ہے درجہ و مقام اور عظمت و شان میں کوئی اس کے برابر نہیں ہوتا۔ اس لئے اسے نبی کہتے ہیں، البتہ اسے نَبِیْءٌ کہا جائے تو یہ نَبَاءٌ (بمعنی خبر) سے مشتق ہوگا یعنی خبریں پانے والا، سو جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے خبریں پائے اور ان خبروں میں قطع و یقین ہو ظن و تخمین نہ ہو تو اس خبر یافتہ کو نبیءٌ (مہموز اللام) کہیں گے۔ ملا علی قاریؒ کی رائے میں نبیؑ کو ہمزہ سے بولنا زیادہ اچھا ہے۔ لانہ مخبر من جھۃ اللہ تعالیٰ بما لا یخبر بہ غیرہ[1]۔ کیونکہ نبی کو حق تعالیٰ کی جانب سے ان چیزوں کی خبر دی جاتی ہے جن کی خبر اوروں کو نہیں دی جاتی بعض روایات میں اس کے مہموز ہونے پر انکار ہے سو پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں

انبیاءؑ کی خبروں میں سچائی کا پہلو

جملہ انبیاء کرامؑ اللہ تعالیٰ سے حسب ضرورت و مصلحت غیب کی خبریں پاتے رہے اور یہ وہ خبریں ہوتی تھیں جن تک

---

[1] ملا علی علی متن الشاطبیہ ص۱۲۶، ابراز المعانی ص۲۲۳ مطبوعہ مصر

عام انسانی حواس رسائی نہ پا سکتے تھے اور بیشک یہ وہ بات ہے جسمیں نبی دوسرے انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے اور اسمیں نبوت کا اعجاز ہے۔ دیگر خصائص اس کے علاوہ ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے چند عملی معجزے دکھائے تو غیبی خبریں دینے کا یہ علمی معجزہ بھی پیش کیا:۔

وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ؀ (پ ۳ سورۃ آل عمران ع ۵)

اور میں بتلا دیتا ہوں تمہیں جو تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں میں رکھ آتے ہو، اسمیں تمہارے لئے (میرے خدا کیطرف سے ہونے کا) پورا نشان ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:۔

"یعنی بعض مغیبات ماضیہ و مستقبلہ پر تم کو مطلع کرتا ہوں عملی معجزات کے بعد ایک علمی معجزہ کا ذکر کر دیا" [۱]

انبیاء کرام کو غیبی خبروں سے نوازنا ہمیشہ سے سنتِ الٰہی رہی ہے نبوت کا اعجاز ہے کہ نبی غائبات کی یقینی خبر دیں اور وہ بالکل اسی طرح واقع ہو جیسا کہ انہوں نے بتایا ہو امام مالکؒ نے مؤطا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی اس قسم کا دعویٰ کیا ہے کہ آپ نے جس بات کی خبر دی واقعہ اسی کے مطابق ظہور میں آیا۔

بَابُ مَا اَكْرَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِاِخْبَارِ الْمُغَيَّبَاتِ فَكَانَ كَمَا اَخْبَرَ [۲]

"یہ باب اس بارے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبی خبروں سے عزت بخشی اور واقع اسی طرح ہوا جس طرح اس کے ہونے کی آپ نے خبر دی تھی"

پھر امام مالکؒ نے اسمیں احادیث پیش کی ہیں اور بتایا ہے کہ آپ نے جو کچھ فرمایا تھا واقعات نے ان کی عملی تصدیق کر دی، اخبار الحدیث میں انشاء اللہ العزیز اس باب سے بھی روایات پیش کی جائیں گی۔ یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انبیاء کی خبروں میں سچائی کا ہونا ساری امت میں مجمع علیہ ہے۔ محدث شہیر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:۔

والحاصل ان الامة كافة اذا اجمعت على صدق اخبار الانبياء فخلافه سبوع من الحيل والتمسك بالمحتملات كفر بحت [۳]

حاصل یہ ہے کہ جب تمام امت انبیاء کی خبروں کی سچائی پر اجماع کر چکی ہے تو اس کا خلاف کسی نوعیت سے ہو کسی حیلہ سے اور کسی احتمال سے تمسک کرتے ہوئے ایک واضح کفر ہے۔

---

[۱] تفسیر عثمانی ص ۷۳ [۲] مؤطا امام مالک جلد ۲ [۳] فیض الباری جلد ۲ ص ۹۰

besturdubooks.wordpress.com

علمِ غیب اور اظہارِ غیب میں فرق

عالم الغیب صرف خدا کی ذات ہے وہ اپنے غیب کا اظہار قطعی درجے میں اپنے رسولوں پر ہی کرتے ہیں وہ اظہارِ غیب سے سرفراز ہوتے ہیں یہ علم غیب نہیں اظہارِ غیب ہوتا ہے۔ عالم الغیب صرف خدا کی ذات ہے علم غیب اسی کے پاس ہے اور وہی اپنے مقربین پر غیب ظاہر فرماتا ہے:۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ پ۲۹، سورہ جن ع۲۔

جاننے والا بھید کا سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی کسی کو مگر جو پسند کر لیا کسی رسول کو۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دھلویؒ بھی لکھتے ہیں:۔

پس مطلع نمی کند بر غیب خاص خود ہیچکس را مگر کسے را کہ پسند مے کند و آں کس رسول باشد خواہ از جنس ملک و خواہ از جنس بشر مثل حضرت محمد مصطفےٰ علیہ السلام او را اظہار بعضے از غیوب خاصہ خود مے فرماید[1]

پس حق تعالیٰ شانہٗ اپنے غیب خاص پر اپنے پسندیدہ بندوں کے سوا کسی کو مطلع نہیں فرماتا۔ اور وہ پسندیدہ بندے اس کے رسول ہیں۔ خواہ جنس ملائک سے ہوں خواہ جنس بشر سے۔ جیسا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اللہ تعالیٰ اپنے ان خاص بندوں پر بعض مغیبات خاصہ ظاہر فرماتے ہیں"

حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ استثنار منقطع ہے اور مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ سے لے کر سارا جملہ مستثنیٰ ہے:۔

والمعنی ان الاطلاع بھذہ الصفۃ یختص بالانبیاء علیھم السلام والمراد منھا القطع فالاطلاع علیٰ سبیل القطع من خواص الانبیاء[2]

خلاصہ یہ ہے کہ بایں طور اطلاع حضرات انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے اور اس سے مراد قطع و یقین ہے۔ پس یقینی اطلاع خواص انبیاء میں سے ہی ہوگی۔

...

علمِ غیب خود جاننے ہی کو کہتے ہیں

مخلوق پر کوئی غیب کی بات کھلے تو کوئی عاقل اسے علم غیب نہیں کہتا اسے اس کے سبب نسبت کرتے ہیں ہر شخص یہی سمجھے گا کہ خدا کے بتلانے سے ایسا ہوا ہے علم غیب اپنے علم کو کہتے ہیں جو بات عالمِ بالا سے لوح قلب پر اترے اسے علم غیب نہیں کہتے وہ اس کا محض ایک عکس ہوتا ہے حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

[1] تفسیر عزیزی ص۱۷۳ [2] (فیض الباری جلد ۴ ص۵۱۵)

الوجدان الصریح یحکم بان العبد عبد وان ترقی وان الرب رب وان تنزل وان العبد قط لا یتصف بالوجوب او بالصفات اللازمۃ للوجوب ولا یعلم الغیب الا ان ینطبع شیٔ فی لوح صدرہ ولیس ذلک علماً بالغیب انما ذلک الذی یکون من ذاتہ والا فالانبیاء والاولیاء یعلمون لا محالۃ بعض ما یغیب عن العامۃ [1]

ترجمہ:۔ وجدان صریح بتلاتا ہے کہ بندہ کتنی روحانی ترقی کیوں نہ کر جائے بندہ ہی رہتا ہے اور رب اپنے بندوں کے کتنا قریب کیوں نہ ہو جائے وہ رب ہی رہے گا بندہ واجب الوجود کی صفات یا وجوب کی صفات لازمہ سے کبھی متصف نہیں ہوتا علم غیب وہ جانتا ہے جو از خود ہو (کسی دوسرے کے بتلانے سے نہ ہو) ورنہ انبیاء و اولیاء یقیناً ایسی بہت سی باتیں جانتے ہیں جو دوسرے عام لوگوں کی رسائی میں نہ ہوں۔

پتہ چلا کہ غیب کی بات معلوم ہونے میں اگر کوئی اس کا بتلانے والا ہو تو اسے علم غیب نہیں کہتے نہ علم غیب کی کوئی عطائی قسم ہے بلکہ اسے خبر غیب کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں:۔

ذٰلک من انباء الغیب نوحیہ الیک [2] | یہ خبریں ہیں غیب کی ہم بھیجتے ہیں تیرے پاس۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی صرف خبر غیب ہے علم غیب نہیں تو اور کون ہے جو علم غیب کا دعویٰ کرے۔ علم غیب صرف خدا کیلئے ہے جو ہر بات کو خود جانے۔ اس تفصیل سے علم غیب کے معنی معلوم ہو گئے کہ وہ اپنے طور پر کسی غیب کی بات کو جانتا ہے سو کسی مخلوق کے لئے خواہ وہ پیغمبر ہو یا کوئی فرشتہ یا کوئی جن، علم غیب کا دعویٰ بالکل غلط ہو گا —— علم کا لفظ جب غیب کی طرف مضاف ہو تو یہ اسی علم کے لئے آتا ہے جو اپنا ہو کسی کا عطاء کردہ نہ ہو۔ حضرت علامہ ابن عابدینؒ الشامی لکھتے ہیں:۔

ان علم الانبیاء والاولیاء انما ھو باعلام من اللہ تعالیٰ لھم وعلمنا بذٰلک انما ھو باعلامھم لنا وھذا غیر علم اللہ تعالیٰ الذی تفرد بہ وھو صفۃ من صفاتہ القدیمۃ الازلیۃ الدائمۃ الابدیۃ المنزھۃ عن التغییر وسمات الحدوث والنقص المشارکۃ والانقسام بل ھو علم واحد علم بہ جمیع المعلومات کلیاتھا وجزئیاتھا ما کان منھا وما یکون لیس بضروری ولا کسبی ولا حادث بخلاف علم سائر الخلق۔ اذ اتقرر ذٰلک فعلم اللہ المذکور ھو الذی یمدح بہ و اخبر فی الاٰیتین المذکورتین بانہ لا یشارکہ فیہ احد فلا یعلم الغیب الا ھو وما سواہ ان علموا جزئیات منہ فھو باعلامہ

---

[1] تفہیمات الٰہیہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۵ [2] پ ۱۳ سورہ یوسف ع ۱۱

واطلاعه لهم وحينئذ لا يطلق انهم يعلمون الغيب اذ لا صفة لهم يقتدرون بها على الاستقلال بعلمه وايضا هم ما علموا وانما علموا [1]

ترجمہ :- بیشک انبیاء و اولیاء کا علم انہیں خدا تعالیٰ کے تبلانے سے ہوتا ہے اور ہمیں جو علم ہوتا ہے وہ انبیاء و اولیاء کے تبلانے سے ہوتا ہے اور یہ علم اس علم خداوندی سے مختلف ہے جس کے ساتھ صرف ذات باری تعالیٰ متصف ہے، خدا تعالیٰ کا علم اس کی ان صفات قدیمہ ازلیہ دائمہ وابدیہ میں سے ایک صفت ہے جو تغیر اور علاماتِ حدوث سے منزہ ہے اور کسی کی شرکت اور نقص انقسام سے بھی پاک ہے وہ علم واحد ہے جس سے خدا تعالیٰ تمام معلومات کلیہ وجزئیہ ماضیہ و مستقبلہ کو جانتا ہے نہ وہ بدیہی ہے نہ نظری اور نہ حادث، بخلاف تمام مخلوق کے علم کے کہ وہ بدیہی و نظری اور حادث ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو خدا تعالیٰ کا علم مذکور جس کے ساتھ وہ لائق ستائش ہے اور جس کی مذکورہ دو آیتوں میں خبر دی گئی ہے ایسا ہے کہ اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ سو غیب صرف خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے، خدا تعالیٰ کے علاوہ اگر بعض حضرات نے غیبی باتیں جانیں تو وہ خدا تعالیٰ کے تبلانے اور اطلاع دینے سے جانیں۔

اسلئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ علم غیب رکھتے ہیں کیونکہ یہ ان کی کوئی ایسی صفت نہیں جس سے وہ مستقل طور پر کسی چیز کو جان لیا کریں، اور یہ بات بھی ہے کہ انہوں نے اسے خود نہیں جانا بلکہ انہیں یہ باتیں تبلائی گئی ہیں۔

علامہ شامیؒ کے اس بیان کے بعد کسی اور وضاحت کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ فقہاء کی بات آپ کے سامنے آچکی اب آیئے کتب عقائد میں بھی دیکھئے۔ شرح عقائد نسفی کی مشہور شرح النبراس میں ہے :-

والتحقيق ان الغيب ما غاب عن الحواس والعلم الضروری والعلم الاستدلالی وقد نطق القرآن بنفی علمه عمن سواه تعالیٰ فمن ادعی انه يعلمه كفر ومن صدق المدعی كفر واما علم بحاسته او ضرورة او دليل فليس بغيب ولا كفر فی دعواه ولا فی تصديقه علی الجزم فی اليقينی والظن فی الظنی عند المحققين، وبهذا التحقيق اندفع الاشكال فی الامور التی يزعم انها من الغيب وليست منه لكونها مدركة بالسمع او البصر او الدليل فاحدها اخبار الانبياء لانها مستفادة من الوحی ومن خلق العلم الضروری فيهم او من انكشاف الكوائن علی حواسهم النبراس علی شرح العقائد ص۳۴۲، ۵

[1] مجموعہ رسالہ ابن عابدین شامیؒ جلد ۲ ص ۳۱۳ ان الله سبحانه تعالیٰ منفرد بعلم الغيب المطلق المتعلق بجميع المعلومات و انما يطلع رسله علی بعض غيبه المتعلق بالرسالة اطلاعا جليا واضحا لا شك فيه بالوحی الصريح ص ۳۱۴

"ترجمہ :۔ اور تحقیق یہ ہے کہ غیب وہ ہے جو ہمارے حواس اور علم بدیہی اور نظری سے غائب ہو، بیشک قرآن نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ سب سے اس علم غیب کی نفی کی ہے، پس جو دعویٰ کرے کہ وہ علم غیب رکھتا ہے تو وہ کافر ہوجائیگا اور جو ایسے شخص کی تصدیق کرے وہ بھی کافر ہوجائے گا باقی جو علم حواس خمسہ میں سے کسی حاسہ (دیکھ کر یا سُن کر یا چھُو کر یا سونگھ کر یا چکھ کر) یا بداہت سے یا کسی دلیل سے حاصل ہو وہ غیب نہیں کہلاتا اور نہ محققین کے نزدیک ایسے علم کا دعویٰ کرنا کفر ہے اور نہ ایسے دعویٰ کی (یقینی امور میں یقین کے ساتھ اور ظنی امور میں ظن کے ساتھ) تصدیق کرنا کفر ہے۔ اس تحقیق سے ان امور سے متعلق اشکال رفع ہوگیا جن کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ وہ علم غیب میں سے ہیں حالانکہ وہ علم غیب میں سے نہیں۔ اس لئے کہ وہ سمع وبصر یا دلیل سے حاصل ہوئے ہیں۔ انہی امور میں سے اخبار انبیاء بھی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی خبریں وحی سے مستفاد ہوتی ہیں یا نبیوں میں علم ضروری پیدا کر دیا جاتا ہے یا ان کے حواس پر حقائق کائنات کا انکشاف ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے جو بھی خبریں منقول ہیں وہ سب اللہ کے بتلانے سے تھیں اور یہ بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی مقرب بندے پر ایک ہی دفعہ غیب کے جملہ دروازے کھول دے کہ آئندہ اسے غیب کی بات جاننے میں کسی ذریعہ علم کا احتیاج نہ رہے بلکہ مختلف موقعوں پر حسب ضرورت اور تقاضائے مصلحت انہیں کچھ نہ کچھ اطلاع بخشی جاتی تھی۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھئے تیئیس ۲۳ سال میں وحی قرآنی نجماً نجماً اُترتی رہی اور اس طرح وحی قرآنی کی تکمیل فرمائی گئی، بالتدریج یہ سلسلہ وحی جاری رہا۔

کشف سے بھی غیبی امور کھُلتے ہیں

پھر ایسے غیوب بھی تھے جن پر وحی کے ذریعہ نہیں کشف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بخشی گئی، غزوہ موتہ میں اپنے تین جرنیلوں کی شہادت آپؐ نے کشف میں ہی دیکھی اور صحابہؓ کو اس کی اطلاع دیدی اور فوج ظفر موج کے واپس آنے پر پھر اس کی عملی تصدیق بھی ہوگئی، صحیح بخاری میں آپ کا یہ اطلاع دینا بڑی صراحت سے مذکور ہے ——— کشف کی یہ صورت صرف انبیاء سے ہی خاص نہ تھی مختلف اولیاء کو بھی کشف رحمانی سے نوازا گیا۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں :۔

" وظهر ذلك على الصحابة والتابعين ومن بعدهم وقال ابو بكر الصديق رضى الله عنه لعائشة رضى الله عنها عند موته :۔ انما هما اخواك واختاك، وكانت زوجته حاملا فولدت بنتاً فكان قد عرف قبل الولادة انها بنت ——— وقال عمرؓ فى اثناء خطبته يا سارية الجبل اذا انكشف له ان العدو قد اشرف عليه فحذره لمعرفته .....

لہ مؤطا بشرح المصفیٰ جلد ۲ صـ۲۹۱، المصنف لعبدالرزاق جلد ۳ صـ۱۹۴ جلد ۲ صـ۱۷۰ جلد ۱۰

ذلك ثم بلوغ صوته اليه من جملة الكرامات العظيمة ـــــ وعن انس بن مالك قال دخلت على عثمان ؓ....... فقلت أوحیٌ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟ فقال لا ولكن بصيرة وبرهان وفراسة صادقة ـ" احیاء علوم الدین ج ۳ ص۲۳، ۲۴

اور یہ کشف حضرات صحابہؓ وتابعینؒ اور ان کے بعد کے لوگوں میں بھی ہوا ہے ۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تیرے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں اور حال یہ تھا کہ اس وقت آپکی بیوی حاملہ تھی (بعد میں ان کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ۔ آپ کو قبل از ولادت علم ہو گیا کہ بیٹی پیدا ہو گی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دوران خطبہ فرمایا اے ساریہ پہاڑ کی طرف توجہ کر۔ جب آپ پر منکشف ہوا کہ دشمن حملہ آور ہے تو آپ نے حضرت ساریہؓ کو ڈرایا کہ آپ اس طرح جان چکے تھے ۔ پھر آپکی آواز کا حضرت ساریہؓ تک پہنچ جانا آپکی کرامات عظیمہ میں سے ہے ـــــ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا ، اور عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی ہے ؟ آپ نے فرمایا نہیں لیکن بصیرت فراست صادقہ اور برہان رہے گی ۔

غیب کی ہر اطلاع تعلیم الٰہی سے ہی ہو گی

اسمیں کلام نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کو وہ انبیاء کرام ہوں یا اولیاء عظام وحی ، الہام یا کشف سے غیبی امور پر اطلاع بخشتے ہیں ، کوئی ان میں سے کسی غیبی بات کو از خود نہیں جان سکتا نہ کسی کے پاس غیب جاننے کی کوئی کنجی ہے کہ جب چاہے از خود غیب کی بات جان لے ۔

تعلیم الٰہی جملہ مواقع ضرورت میں کارفرما رہتی ہے ۔ مولانا اسمٰعیل حقی نے بجا لکھا ہے ۔

وما روی عن الانبیاء والاولیاء من الاخبار عن الغیوب فبتعلیم الله تعالیٰ اما بطریق الالهام او الکشف ؛ ترجمہ ، انبیاء کرام و اولیاء عظام سے جو بعض غیبی خبریں مروی ہیں خدا تعالیٰ ان کی وحی یا الہام یا کشف کے ذریعہ تعلیم فرماتے ہیں ۔" روح البیان

حضور پیغمبر خاتمؐ کی اخبار غیبیہ

جب جملہ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ خبر خداوندی سے ہزاروں غیوب پر اطلاع پاتے رہے تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو پیغمبروں اور ولیوں کے سردار ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے لاکھوں کروڑوں غیوب پر اطلاع اس باب میں علماء دیوبند کا عقیدہ خصوصیت سے لائق توجہ ہے ۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (م ، ۱۲۹۷ ھ) ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ علمت علم الاولین و الاٰخرین بشرط فہم اسی جانب

مشیر ہے۔ شرح اس معمّہ کی یہ ہے کہ اس ارشاد سے ہر خاص و عام کو یہ بات واضح ہے کہ علوم اوّلین مثلاً اور ہیں اور علوم آخرین اور ـــــ لیکن یہ سب علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجتمع ہیں ـــــ سو جیسے علم سمع اور ہے علم بصر اور ـــــ پر بایں ہمہ قوت عاقلہ اور نفس ناطقہ میں یہ سب علوم متجمع ہیں ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی انبیاء کو سمجھئے۔[۱]
رئیس المحدثین امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی فرمایا۔

فاعلم ان اللہ سبحانہ منّ علی نبیہ بالف الف غیوب لا یدری قدرھا الا ھو۔[۲]

ترجمہ۔ سو جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر لاکھوں کروڑوں مغیبات ظاہر کرکے احسان فرمایا جنکی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

اور فرماتے ہیں کہ کسی پیغمبر کو اتنے علوم نہ بخشے گئے جتنے آپ کو عطا فرمائے گئے اور یہ کہ آپ کا علم مبارک اوّلین و آخرین سے زائد اور فائق تھا۔

ان النبی قد بلغ من علمہ مبلغا لم یبلغہ نبی۔[۳]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علوم کی ایسی منزل پر پہنچے جہاں کوئی نبی نہیں پہنچا۔

اور حضرت شاہ صاحب اپنے مربعہ نعتیہ میں لکھتے ہیں۔

دین او دین خدا تلقین او اصل ہدیٰ	نطق او وحی سما حقا نجوم اھتدا
صاحب اسرار او ناموس اکبر برملا	علم او از اوّلین و آخرین اندر مزید[۴]

ترجمہ:۔ آپ کا دین ہدایت خدا وندی اور آپکی تلقین بنیاد ہدایت ہے آپ یقیناً آسمانی وحی سے بولتے ہیں جسکی جزئیات ہدایت کے ستارے ہیں۔ آپ کے ساتھی واضح طور پر جبریل امین رہے۔ آپ کا علم اوّلین و آخرین سے زیادہ ہے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی سابق نائب مہتمم دار العلوم دیوبند اپنے ایک قصیدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

کم غیوباً بعدہ انبأ بھا ÷ تحتوی البشریٰ و انباء الوھل[۵]

وہ متعدد اخبار غیبیہ ہیں جن کی خبر آپ نے دی اور وہ آپ کے بعد ظہور پذیر ہوئیں۔ یہ بشارت اور خوفناک باتوں ہر دو طرح کی باتوں پر مشتمل تھیں۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:۔

---

[۱] تحذیر الناس صہ ۲ [۲] فیض الباری جلد ۴ صہ ۲۵۸ [۳] فیض الباری جلد صہ [۴] عقیدۃ الاسلام صہ [۵] ومیۃ العبرات

"اکوانِ غیبیہ کی کلیات و اصول کا علم حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص رکھا۔ ہاں جزئیات منتشرہ پر بہت سے لوگوں کو حسب تعداد اطلاع دی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بھی اتنا وافر اور عظیم الشان حصہ ملا جس کا کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا" فوائد القرآن صلا۵۲۵ ماخوذ سورہ لقمان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باعلام الٰہی جن غیبی امور کی خبر دی واقعات نے ان خبروں کی عملی تصدیق کر دی جب خبر واقع کے بالکل مطابق نکلے تو اس سے یقین ہو جاتا ہے کہ ان خبروں کے پیچھے بیشک اطلاع خداوندی کارفرما ہے۔ کیونکہ وہی ایک ذات ہے جو عالم الغیب ہے اور غیب کی چابیاں سب اسی کے پاس ہیں قرآن حکیم میں ہے:۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

(پ ۷ سورہ انعام ع ۷)

اور اللہ ہی کے پاس ہیں خزانے کے تمام مخفی اشیاء کے ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور جو کچھ دریا میں ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے۔ اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین (لوح محفوظ) میں (مرقوم) ہے۔

جس پر غیب کھلے اس کا مقام

سو اب جو شخص غیب کی خبریں تلائے اور واقعات اس کی تصدیق کر دیں تو یقین کیجئے کہ اس کے پیچھے علم غیب رکھنے والا (خدا تعالیٰ) کارفرما ہے جو وحی جلی سے یا وحی خفی سے یا کشف سے اسے غیب کی خبریں پہنچا رہا ہے۔ اگر اس میں تحدی ہے اپنی سچائی کا دعویٰ ہے تو اس میں نبوت کا پہلو کارفرما ہوگا۔ کسی ولی پر کوئی غیب کی بات کھلے تو اس کے ساتھ تحدی اور دعویٰ نہیں ہوتا۔

احادیث میں اخبار غیبیہ

ہم جب اس پہلو سے احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان میں اخبار غیبیہ کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ ہاتھ لگتا ہے اور ان میں وہ روایات بھی ملتی ہیں جن میں غیبی خبریں لپٹی تھیں اور تاریخ نے ان کی تصدیق کر دی وہ سب باتیں اسی طرح پوری ہوئیں جس طرح انکی قبل از وقوع خبر دی گئی تھی۔

سو حدیث اگر ایک عام انسانی رہنمائی ہوتی یا محض ایک دور کی تاریخ ہوتی کہ اس میں ایک مرکز ملت کچھ وقت کے لئے قرآنی ہدایت کو عملاً نافذ کرے اور اس میں آسمانی رہنمائی (recognition of divine element) اور حفاظت ربانی کا (divine protection) کا عنصر شامل

نہ ہوتا تو احادیث میں وہ غیبی خبریں ہرگز نہ ہوتیں جن تک رسائی عام انسانی سطح سے بالا تھی۔ ایسی حدیثیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ حدیث ایک حجتِ خداوندی ہے ایک وحیٔ الٰہی ہے جو غیر متلو صورت میں ظہور میں آئی آپؐ نے جو کچھ فرمایا ہو کر رہا اور جو اب تک نہیں ہوا، وہ بھی ہو کر رہے گا۔

ان احادیث سے جو تواتر قدر مشترک سے متواتر ہیں اور پھر اخبار واقعہ سے تصدیق پا چکی ہیں اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاعاتِ غیبی صرف قرآنی وحی کے ذریعہ ہی نہ ملتی تھیں بلکہ اس کے علاوہ وحیٔ غیر متلو سے بھی آپؐ کے قلب مبارک پر اخبارِ غیبیہ کا القاء ہوتا تھا۔ اور بہت سے امور مستقبلہ اپنی کسی نہ کسی شکل میں آپؐ کے لوحِ قلب پر انطباع پذیر ہوتے تھے۔ آپ ان اخبار و مشاہدات کی خبریں دیتے اور صحابہ کرامؓ کا یقین اور جاگ اٹھتا کہ حدیث کا منبع و مصدر بھی یقیناً اللہ رب العزت کی ہی ذات ہے اور وہی عالم الغیب والشہادۃ ہے جو اپنے مقربین کو مختلف مواقع پر حسبِ ضرورت اور بمقتضائے مصلحت غیبی امور پر اطلاع بخشتا ہے۔

سو آج کا عنوان ان اخبار حدیث کا ذکر ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی آنے والے واقعہ کی خبر دی اور پھر ایسا ہو کے رہا۔ اس قسم کی احادیث یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ آپؐ کے پیچھے افاضہ الٰہی کار فرما ہے۔

اخبارِ غیبیہ کس طرح دلیلِ نبوت ہیں

اپنی طرف سے کوئی شخص غیبی خبر وضع نہیں کر سکتا جو عملاً پوری ہو کر رہے۔ یہ صرف انبیاء کرامؑ ہیں جن پر لاکھوں کروڑوں غیوب کھولے جاتے ہیں وہ پس پردہ کے واقعات کی خبر دیتے ہیں اور وہ بات بالکل صحیح نکلتی ہے۔ مؤمن اسے دلیلِ نبوت سمجھتا ہے اور نادان اس سے انبیاء کو غیب دان سمجھنے لگتا ہے۔ مؤمن کی شان ہے کہ خبرِ غیب اور علم غیب میں ہمیشہ فرق کرتا ہے۔ انبیاءؑ کی اخبارِ غیبیہ بھی تسلیم کرتا ہے اور عقیدۂ توحید کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔

حدیث بیشک برحق ہے

خلاصۃ المرام اینکہ حدیث بے شک برحق ہے۔ تاریخ نبوت بتلاتی ہے کہ انبیاء کرام کے پیچھے افاضہ الٰہی پوری عصمت سے کار فرما ہے۔ حدیثیں لوگوں نے فرضی بھی گھڑیں تو اللہ تعالیٰ نے حدیث کی حفاظت کے لئے ایسے نقاد ائمہ فن پیدا کئے جنہوں نے ہر صحیح و سقیم کو پرکھا اور فن حدیث کو نکھار کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھلایا۔ خدا کا شکر ہے کہ آج علماء کے سامنے ذخیرۂ حدیث اسی علمی حفاظت اور فنی صیانت کے ساتھ موجود ہے۔

قواعد حدیث مرتب ہیں ـــــ اسماء الرجال کے ذخیرے موجود ہیں ـــــ شروح لکھی جا چکی ہیں اور آج تک کسی قوم نے اپنے پیغمبر کے اقوال و افعال کے گرد نقد و روایت اور فہم و درایت کے وہ پہرے نہیں دئیے جن سے آج تاریخ اسلام بجا طور پر مالا مال ہے۔

غیب کی خبروں سے جزئیات مُراد ہیں

انبیاء کرام جب کبھی کوئی غیب کی بات بتلا دیں تو یہ سب اخبار جزئیات ہی ہوں گی۔ اخبار بالمغیبات سے جملہ مغیبات مُراد نہیں،

اللہ ربّ العزت کسی مصلحت سے کسی غیب خاص پر کسی کو مطلع کر دیں اس میں کوئی حرج نہیں، موجبہ کلیہ کے درجہ میں سے کوئی مخلوق غیب نہیں جانتی۔ غیب کی کنجیاں سب اللہ ربّ العزت کے پاس ہیں۔ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو (پ الانعام ع)

اور قیامت کے بارے میں خاص طور پر فرمایا:-

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ (پ ۹، سورۃ الاعراف ع ۲۳)	تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کو کہ کب ہے اس کے قائم ہونے کا وقت، تو کہہ اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے، وہی کھول دکھائے گا اس

کو اس کے وقت پر۔ سو یہ بات صحیح ہے کہ قیامت کا علم ان جزئیات میں سے نہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے کسی کو اطلاع بخشی ہو یہ وہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔

حضرت امام شافعیؒ (م ۲۰۴ ھ) فرماتے ہیں:-

انه حجب عن نبیه صلی اللہ علیه وسلم علم الساعة [1]	بیشک اللہ تعالیٰ نے قیامت کا علم (کہ کب آئیگی) اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پردے میں رکھا ہے۔

آئمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی امام شافعیؒ کے اس عقیدہ سے اختلاف نہیں کیا۔ غیب کی خبریں اولیاء کرام کو بھی ملتی ہیں۔ ہم کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کو بھی غیبی خبروں سے نوازتے ہیں، لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ اولیاء اللہ کو بھی بعض اوقات غیبی امور سے اطلاع دی جاتی ہے۔ البتہ ان خبروں میں خدائی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی اور ان کے خبر دینے پر قطع و یقین مرتب نہیں ہوتا جب تک کہ وہ بات واقع نہ ہو جائے۔ یہ صرف انبیاءؑ کی شان ہے کہ وہ غیب کی کسی بات سے اطلاع دیں تو وہ قطع و یقین کی حامل ہو۔ خدا تعالیٰ جب انہیں کسی غیب پر مطلع فرماتے ہیں۔ تو اس اطلاع دینے پر خدائی حفاظت سایہ فگن ہوتی ہے ناممکن ہے کہ اس میں آگے پیچھے کسی طرف سے دخل شیطانی ہو، یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ نبی کی خبر غلط نکلے، خدا سے اس درجے کی خبر پانا ہر کسی کے بس میں نہیں۔ انبیاء پوری قوم میں اس باب میں ممتاز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان نہیں کہ ہر کسی سے اپنے احکام کہے وہ اپنی بات کہنے اور اپنے کلام کے لئے خاص افراد کو چنتا ہے وہ افراد اپنے ماحول میں

---

[1] احکام القرآن للامام الشافعیؒ جلد اوّل ص ۳۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

فرد اور ممتاز ہوتے ہیں اور وہی جانتا ہے کہ اپنا پیغام کہاں اُتارے اور کون اس امانت کے لائق ہو سکے گا،

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ ۔ (پ۸ - انعام ع ۱۵) | اللہ خوب جانتا ہے اس موقع کو کہ جہاں بھیجے اپنے پیغام۔

علمِ غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے

اللہ رب العزت جن برگزیدہ افراد کو بزرگی بخشتے ہیں اور انہیں اپنے غیوب پر بھی اطلاع بخشتے ہیں، وہ صرف انبیاء ہیں جنہیں اس انداز میں امورِ غیبیہ پر اطلاع دی جاتی ہے کہ اس میں قطع ویقین کی ضمانت ہو، ہاں علمِ غیب بیشک خاصہ باری تعالیٰ ہے کسی مخلوق کو علمِ غیب حاصل نہیں، نہ کسی انسان کی شان ہے کہ جب چاہے غیب کی بات معلوم کرلے جب ضرورت ہو ضرور تمند خدا کے ہی محتاج ہوں گے اتنی بات صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقربین خاص کو اطلاع علی الغیب کی شان سے نوازتے ہیں۔

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ (پ۴ سورہ آل عمران ع۱۸) | اور اللہ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی لیکن اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے۔

یہاں حرف لٰکِنَّ سے استدراک فرمایا یہ اس بات کی صراحت ہے کہ استثناء منقطع ہے۔ اس مضمون کو کسی دوسرے مقام پر اگر اِلَّا کہہ کر بیان کیا جائے تو وہاں بھی اس آیت کی روشنی میں ہم استثناء منقطع ہی مُراد لیں گے، اللہ تعالیٰ اپنے کسی کسی برگزیدہ بندے کو کسی غیبی بات پر اطلاع بخشیں اور وہ اس کا اظہارِ عام کردے بلکہ تحدی سے کہے کہ ایسا ہی ہوگا اور پھر وہ خبر بھی واقع کے بالکل مطابق اُترے، واقعات اسی طرح ظہور پذیر ہوں جس طرح اس نے کہا تھا تو اس قسم کی خبروں سے یقین اور پختہ ہو جاتا ہے کہ یہ (پیغمبرؐ) اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا تھا بلکہ اس کے پیچھے آسمانی شہادت کارفرما تھی ـــــ اسے وحی کہیں یا الہام ـــــ لیکن اس کا موافقِ واقع نکلنا بتلاتا ہے کہ اطلاع واقعی اس ذاتِ پاک کی طرف سے تھی جس کے قبضۂ قدرت اور دستِ تصرف سے کوئی فرد اور کوئی جگہ اور کوئی وقت خارج نہیں۔ ان برگزیدہ بندوں میں سب کے سردار اور قافلہ سالار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اوّلین و آخرین کے علوم کھولے اور کروڑوں غیبوں پر آپ کو اطلاع بخشی اور پھر آپ نے بھی ان غیوب کے بارے میں تنگدلی سے کام نہ لیا۔ جو ملتا گیا آگے دیتے گئے قرآن کریم میں ہے:۔

وماھُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ (پ۳۰ التکویر) | اور یہ غیب کی بات بتانے میں بخیل نہیں

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ رب العزت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی غیب کی بات بتائیں اور حضورؐ اسے اپنے صحابہؓ سے بھی مخفی رکھیں۔ وہ علم ہی کیا جس کا آگے تعدیہ نہ ہو۔

آج کچھ اس قسم کی روایات کا مطالعہ کیجئے جن کی تصدیق واقعات نے کی ان اخبار الحدیث کی روشنی میں یقین کیجئے کہ حدیث کا منبع و مصدر بھی بے شک خدا ہی کی ذات ہے اب کوئی شخص نہ کہے کہ حدیث میں نمائی حجت نہیں ہے۔

حدیث کا سب سے پہلا باقاعدہ مرتب مجموعہ مؤطا امام مالک ہے پہلے اسی کی شہادت لیجئے پھر صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے چند نظائر پیش کیجائیں گی اور پھر عام کتب حدیث سے چند روایات اخبار الحدیث کے طور پر پیش ہوں گی۔ واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق

امام مالکؒ کی شہادت

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آسمان کے نیچے قرآن کریم کے بعد سب کتابوں سے زیادہ صحیح اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ حضرت امام مالکؒ کی کتاب مؤطا ہے ہم اس سے اخبار الحدیث کا آغاز کرتے ہیں حضرت امام مالکؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل باب باندھا ہے اور بتلایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ واقع ہونے والی جس بات کی بھی خبر دی وہ بات اسی طرح ظہور میں آئی۔ اس سے امام مالکؒ کا موقف اور بھی نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔

بَابُ مَا اَكْرَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِاَخْبَارِ الْمُغِيبَاتِ فَكَانَ كَمَا اَخْبَرَ،

یہ باب اس بارے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبی خبروں سے عزت بخشی اور واقع اسی طرح ہوا جس طرح ہونے کی آپ نے خبر دی تھی۔

مالك عن عبد الله بن دينار عن عبد الله بن عمر انه قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يشير الى المشرق ويقول ان الفتنة هٰهنا من حيث يطلع قرن الشيطان [۵۱]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرما رہے تھے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ مشرق کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ فتنہ یہاں ہوگا، یہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس پر لکھتے ہیں:۔

مترجم گوید ہمچنیں واقع شد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ زیرا کہ اختلال امر خلافت بمقاتلہ مردماں برآں ظاہر شد و مذاہب باطلہ اکثر آں در مشرق بود کہ عراق و خراساں باشد۔

(ترجمہ) مترجم کہتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، وہی پیش آیا اس لئے کہ خلافت

---

۵۱ مؤطا مع مصفیٰ جلد ۲ صـ ۲۹۲ صحیح بخاری جلد ۹ صـ ۶۷ صحیح مسلم کتاب الفتن ج ۲

کا جھگڑا اور لوگوں میں مقاتلہ اسی مقام پر ظاہر ہوا۔ اور اکثر باطل مذاہب علاقہ مشرق میں ہوئے جو کہ عراق وخراسان ہے۔

امام مالکؒ نے حدیث قرن الشیطان کے بعد پھر وہ حدیث روایت کی ہے جس میں فتنہ خوارج کی خبر دی گئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے سالم نے عراق والوں کو ایک موقعہ پر مخاطب کر کے کہا تھا۔

یا اھل العراق ما اسألکم عن الصغیرۃ و ارکبکم للکبیرۃ۔

"اے اہل عراق تم چھوٹے چھوٹے گناہوں کے بارے میں کتنے سوال کرتے ہو اور بڑے بڑے گناہوں کے کس تیزی سے مرتکب ہوتے ہو۔"

اس میں آپ نے صریح طور پر عراق کا نام لیا اور پھر فرمایا:۔

سمعت ابی عبد اللہ بن عمر یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الفتنۃ تجیٔ من ھھنا و اومی بیدہ نحو المشرق من حیث یطلع قرن الشیطان [1]

میں نے اپنے والد عبداللہ بن عمرؓ کو کہتے ہوئے سنا انہوں نے کہا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فتنہ اس طرف سے آئے گا اور آپ نے اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا جہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔

امام احمدؒ کی ایک روایت میں مشرق کی طرف اشارہ کرنے کی بجائے عراق کی طرف اشارہ کرنے کی تصریح ہے۔

رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یشیر بیدہ نحو العراق ھا ان الفتنۃ ھھنا ان الفتنۃ ھھنا ثلاثا [2]

"میں نے حضرت رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس حالت میں دیکھا کہ اپنے دست مبارک سے عراق کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔ خبردار! البتہ فتنہ یہاں سے اٹھے گا، البتہ فتنہ یہاں سے اٹھے گا۔ یہ جملہ آپؐ نے تین بار ارشاد فرمایا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا بہت سے اعتقادی اور سیاسی فتنے یہیں سے اٹھے، سانحہ کربلا بھی اسی زمین پیش آیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ عراق والوں کو اس واقعہ فاجعہ کے بارے میں بہت ملامت کرتے تھے۔ آپ سے کسی عراقی نے مسئلہ پوچھا کہ احرام کی حالت میں مکھی کو مارنا کیسا ہے؟ آپؐ نے اس پر ارشاد فرمایا:۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۹۴ [2] مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۱۴۳

اھل العراق یسئلونی عن الذباب و قد قتلوا ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھما ریحانتی من الدنیا [1]	اہل عراق مکھی کے مارنے پر مجھ سے سوال کرتے ہیں حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نواسے کو انہوں نے قتل کیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں۔

امام ترمذیؒ کی روایت ہے۔

انظروا الی ھذا یسأل عن دم البعوض وقد قتلوا ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [2]	اس کی طرف تو دیکھو مچھر کے خون کے بارے میں پوچھتا ہے جبکہ یہ لوگ آپ کے نواسے کو قتل کر چکے ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ (۴؍۷۷ جو) اسے ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:-

انظروا الی اھل العراق قتلوا ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھم یسئلون عن دم البعوضۃ [3]	اہل عراق کو دیکھو مچھر کے خون کے بارے میں تو پوچھ رہے ہیں اور نواسۂ رسول کو قتل کرتے ہوئے انہیں کچھ بھی خیال نہ آیا۔

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ اور مدینہ کے صاع اور مد کے لئے دعاء فرمائی پھر شام اور یمن کے لئے بھی دعاء کی۔ ایک شخص نے کہا حضور! ہمارے عراق کے لئے بھی دعاء فرما دیں۔ آپ نے فرمایا:۔

ان فیھا قرن الشیطان وتھیج الفتن وان الجفاء بالمشرق [4]	اسمیں شیطان کا سینگ ہے اور فتنے اٹھیں گے اور جور و ظلم تو مشرق میں ہی ہے۔
ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال دخل ابلیس العراق فقضی حاجتہ فیھا ثم دخل الشام فطردوہ [5]	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ابلیس عراق میں داخل ہوا، اس میں اس نے خوب گل کھلائے پھر شام میں جا دھمکا پس انہوں نے اس کو دھتکار دیا

لفظ نجد کی تحقیق

نجد مصدر ہے اس کے معنی بلند کے ہیں ہر اونچی اور ممتاز چیز کو نجد کہا جا سکتا ہے سطح مرتفع کو بھی نجد کہتے ہیں قاموس میں ہے ان النجد ما اشرف من الارض [6] - ترجمہ:- نجد زمین کی بلند سطح کو کہتے ہیں۔ مدینہ شریف سے مشرق کی طرف عراق ہے جو سطح مرتفع ہے یہ کسی خاص علاقے کا نام نہیں، عرب ہر اونچی جگہ کو نجد کہہ دیتے تھے۔ مدینہ والوں

---

[1] صحیح البخاری جلد ۲ کتاب المناقب، [2] جامع ترمذی جلد ھٰذا حدیث صحیح [3] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۶۷ سورہ طٰہٰ [4] کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۳۵ عن ابن عساکر [5] ایضاً [6] قاموس جلد ۱ صفحہ ۳۴۰

کا نجد بادیہ عراق اور اس کے مضافات ہی ہیں۔ پس جن احادیث میں عراق یا مشرق کی بجائے لفظ نجد وارد ہے ان میں نجد سے مراد عرب کا صوبہ نجد نہیں جس کے رہنے والے نجدی کہلاتے ہیں بلکہ اس سے مراد نجد عراق ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ علامہ خطابی سے نقل کرتے ہیں:۔

نجد من جهة العراق ومن كان بالمدينة كان نجده بادية العراق ونواحيها وهي مشرق اهل المدينة واصل النجد ما ارتفع من الارض وهو خلاف الغور فانه ما انخفض منها ؎۱

نجد عراق کی طرف سے اور اہل مدینہ کے لئے نجد بادیہ عراق اور اس کے مضافات ہیں اور یہ اہل مدینہ سے مشرق کی جانب ہے اور نجد دراصل زمین کی سطح مرتفع کا نام ہے اور یہ لفظ غور (پستی) کے برعکس ہے۔ غور پستی کو کہتے ہیں۔

علامہ عینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:۔

انما اشار صلى الله عليه وسلم الى المشرق لان اهله يومئذ كانوا اهل الكفر فاخبر ان الفتنة تكون من تلك الناحية وكذا كانت وهي وقعة الجمل ووقعة صفين ثم ظهور الخوارج في ارض نجد والعراق وما وراءها من المشرق وكان يحذر من ذلك ويعلم به قبل وقوعه وذلك من دلالة نبوته صلى الله عليه وسلم ؎۲

ترجمہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا کیونکہ اہل مشرق اس دن اہل کفر تھے۔ آپ نے پیشین گوئی فرمائی کہ فتنے اسی کونے سے اُٹھیں گے اور ایسے ہی ہوا، جنگ جمل، جنگ صفین اور اور پھر ظہور خوارج کے واقعات، نجد، عراق اور اس کے مشرقی حصوں میں پیش آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں خبردار فرماتے تھے اور ان کے واقع ہونے سے پہلے نشاندہی فرماتے تھے۔ جو آپ کی نبوت کے واضح دلائل میں سے ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جتنے اعتقادی فتنے اُٹھے سب عراق سے نکلے معبد الجہنی نے تقدیر کا انکار بصرہ (عراق) میں ہی کیا تھا، جنگ جمل وہیں لڑی گئی، شیعہ معتزلہ اور خوارج کی تحریکیں وہیں شروع ہوئیں، جنگ صفین اس کی صفوں میں لڑی گئی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بیوفائی انہی عراق والوں نے کی اور سانحہ کربلا بھی یہیں پیش آیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ ادھر سے فتنے اُٹھیں گے واقعات نے تصدیق کردی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع وحی قرآنی سے ملی ہو؟ اس پر کوئی آیت گواہ نہیں، پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ آپ کو یہ اطلاع بذریعہ حدیث دی گئی تھی ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے غیب کی خبریں کیسے؟

؎۱ فتح الباری ج۱۳ ص۴۵ ؎۲ عینی علی البخاری ج۱۱ ص۲۵۳۔

دے سکتے تھے معلوم ہوا کہ آپ جب بھی کلام فرماتے وحی جلی ہو یا وحی خفی آپ کی ہر بات احکام کی قبیل سے ہو یا اخبار کی قبیل سے خدا کی طرف سے ہی ہوتی تھی۔

خیانت کی اطلاع جنگ حنین میں ایک شخص شہید ہوا صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع کی۔ آپؐ نے فرمایا صلوا علیٰ صاحبکم "اپنے ساتھی پر نماز پڑھ لو" اس سے صحابہؓ پریشان ہو گئے۔ زید بن خالد کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا ان صاحبکم قد غل فی سبیل اللہ (تمہارے ساتھی نے مال غنیمت میں کچھ خیانت کی ہے) صحابہؓ کہتے ہیں ہم نے اس کا سامان کھولا تو ہمیں اسکی تصدیق مل گئی فوجدنا فیہ خرزاً من خرز یہود مایساوی درھمین۔ ترجمہ:۔ ہمیں اس کے سامان میں دو درہم کی مقدار خیانت کیا ہوا مال ملا۔

قرآن کریم سے اس کی شہادت نہیں ملتی کہ اللہ تعالیٰ نے کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کے بارے میں مطلع فرمایا ہو کہ اس نے مال غنیمت میں سے کوئی چیز بلا تقسیم امیر لی تھی۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی اور واقعات نے اس کی تصدیق کی، سو اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنی وحی کے علاوہ بھی وحی خفی ہوتی تھی۔ جسے حدیث کہا جاتا ہے تو ان اخبارِ غیبیہ اور روایات حدیث کا محمل آخر کیا ہوگا؟

امام احمد بن حنبلؒ کی شہادت حضرت معاذ بن جبلؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن کی طرف بھیجا تو روانگی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کچھ ساتھ ساتھ چلے۔ آپؐ حضرت معاذؓ کو کچھ نصیحتیں فرما رہے تھے۔ آخر میں آپؐ نے یہ بھی فرمایا۔

یامعاذ انک عسیٰ ان لا تلقانی بعد عامی ھذا او لعلک ان تمر بمسجدی ھذا او قبری۔	ترجمہ:۔ اے معاذ! ہو سکتا ہے اس سال کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو اور تمہاری اور میری ملاقات آئندہ میری مسجد اور قبر پر ہو۔

اس پر حضرت معاذؓ رو پڑے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مدینہ کی طرف رُخ کیا اور فرمایا۔

انّ اولی الناس بی المتقون من کانوا وحیث کانوا۔ [1]	ترجمہ:۔ میرے قریبی وہ لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں خواہ وہ کون ہوں اور کہاں ہوں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے رونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تسلی کے طور پر فرما رہے ہیں کہ مجھ سے

[1] مسند امام احمد جلد ۵ ص۲۳۵

ظاہری جُدائی کے باوجود تم میرے قریب ہوگے۔ اس لئے کبیدۂ خاطر نہ ہونا چاہیئے۔ اور تم ہی نہیں پوری دُنیا میں جہاں کہیں بھی خُدا سے ڈرنے والے موجود ہیں وہ میرے قریب ہیں۔

دیکھئے۔ آئندہ سال حضرت معاذؓ تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا معلوم ہوا، کہ قرآنی وحی کے علاوہ وحی خفی کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ھ) سے پوچھا گیا کہ قسطنطنیہ اور رُومیہ میں سے پہلا کونسا شہر فتح ہوگا، حضرت عبداللہ نے اپنا صندوق منگوایا اور اس سے حدیث کی وہ کتاب نکالی جسمیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں سُن کر لکھا کرتے تھے اسمیں سے دیکھ کر آپ نے فرمایا۔

بینما نحن حول رسول اللہ صلی اللہ	ترجمہ:۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھے ہوئے
علیہ وسلم نکتب اذ سئل رسول اللہ	(احادیث) لکھ رہے تھے کہ ایک ساتھی نے سوال کیا
صلی اللہ علیہ وسلم ای المدینتین	کہ قسطنطنیہ اور رومیہ میں پہلے کونسا شہر فتح ہوگا۔
تفتح اولا أقسطنطینیۃ او رومیہ	آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینۂ ھرقل
فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	یعنی قسطنطنیہ پہلے فتح ہوگا۔

مدینۃ ھرقل تفتح اولاً یعنی قسطنطنیۃ [1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے فرمایا تھا ویسے ظہور میں آیا اور رومیہ کی فتح سے پہلے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں قسطنطنیہ فتح ہوا، اس حدیث میں جہاں ارشاداتِ نبوت من جانب اللہ وحی ہونے کا ثبوت مل رہا ہے وہیں عہدِ نبوت میں ہی کتابتِ حدیث کا بھی پتہ چلتا ہے۔

امام بُخاریؒ کی شہادت

عن عدی بن حاتم قال بینما انا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ اتاہ رجل فشکی الیہ الفاقۃ ثم اتاہ اٰخر فشکی قطع السبیل فقال یا عدی ھل رأیت الحیرۃ؟ قلت لم ارھا وقد اُنبئت عنھا قال فان طالت بك حیاۃ لترین الظعینۃ ترتحل من الحیرۃ حتی تطوف بالکعبۃ لا تخاف احداً الا اللہ ـــــ ولئن طالت بك حیاۃ لتفتحن کنوز کسریٰ ـــــ ولئن طالت بك حیاۃ لترین الرجل یخرج ملأ کفہ من ذھب او فضۃ یطلب من یقبلہ منہ فلا یجد احداً یقبلہ منہ [2]

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ ایک دن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

[1] مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۱۷۶ [2] صحیح البخاری جلد ۴ صفحہ ۲۴۲

تھا کہ ایک شخص نے آکر غربت و فاقہ کی شکایت کی۔ پھر ایک اور شخص آیا جس نے راستے میں لُٹ جانے کی شکایت کی۔ تو آپؐ نے فرمایا عدی! تم نے حیرہ دیکھا ہے، میں نے عرض کیا دیکھا تو نہیں سُنا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک پردہ دار عورت حیرہ سے چل کر بیتُ اللہ کا طواف کرے گی اور خُدا کے سوا اُسے کسی کا ڈر نہ ہو گا اور فرمایا کہ اگر تمہاری زندگی ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔ اور اگر تمہاری زندگی مزید بڑھی تو تم دیکھو گے کہ ایک شخص مُٹھی بھر سونا یا چاندی خیرات کرنا چاہے گا لیکن کسی کو مستحق نہ ملے گا۔"

حضرت عدی بن حاتمؓ (۶۷ھ) جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ اس خبرِ غیبی کی تصدیق ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

فرأیت الظعینۃ ترتحل من الحیرۃ حتی تطوف بالکعبۃ لا تخاف الا اللّٰہ وکنت فیمن افتتح کنوز کسریٰ بن هرمز ولئن طالت بکم حیاۃ لترون ما قال النبی ابو القاسم صلی اللّٰہ علیہ وسلم یخرج ملأ کفہ [1]

ترجمہ پس میں نے پردہ دار عورتوں کو دیکھا جو حیرہ سے سفر کر کے بیت اللہ کا طواف کرتی تھیں جنہیں خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوتا تھا اور میں اُن لوگوں میں تھا جنہوں نے کسریٰ کے خزانوں کو فتح کیا اور اگر تم لوگوں نے لمبی زندگی پائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صدقہ کے بارے میں پیشگوئی کا مشاہدہ بھی کر لو گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ و اذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ والذی نفس محمد بیدہ لتنفقن کنوزھما فی سبیل اللّٰہ [2]

ترجمہ:۔ جب کسریٰ ہلاک ہو گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں۔ اور جب قیصر ہلاک ہو گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اُن دونوں کے خزانے خدا کے راستے میں خرچ کیے جائیں گے۔"

واقعات نے بتایا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے واقعی حضرات صحابہ کرامؓ کے ہاتھ لگے۔ قیصر کا رُوم، اور کسریٰ کا ایران، حضرت عمرؓ کے عہدِ حکومت میں فتح ہوئے اور ان کے خزانے واقعی اللہ کی راہ میں تقسیم ہوئے اور قیصر و کسریٰ کا نشان تک باقی نہ رہا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے بجا فرمایا۔

ثم انّہٗ کان کما اخبر بہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم فلم یبق من اسمہ (شیٔ)

---

[1] صحیح البخاری جلد ۲ صفحہ ۲۴ - [2] صحیح البخاری جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ صفحہ ۵۵ - صفحہ ۱۰۳

ولا من وسمه[1] (ترجمہ) پھر ویسا ہی ہوا، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی چنانچہ قیصر و کسریٰ کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان فتوحات کی ترتیب بھی بتلا دی تھی۔

تغزون جزيرة العرب فيفتحها الله ثم فارس فيفتحها الله ثم تغزون الروم فيفتحها الله [2]

تم پہلے جزیرۂ عرب کی جنگ لڑو گے، اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائیں۔ پھر فارس کی لڑائی ہو گی، تم فتح یاب ہو گے، کچھ عرصہ بعد روم سے معرکہ ہو گا تمہیں نصرتِ ایزدی حاصل ہو گی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی خبر

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری میں اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور چپکے سے انہیں کوئی بات بتلائی حضرت فاطمہ رو پڑیں پھر آپؐ نے ان سے آہستگی سے کوئی اور بات کہی، آپ مسکرا اٹھیں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت فاطمہؓ سے اس کے بارے میں پوچھا۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے بتلایا۔

سارني النبي صلى الله عليه وسلم فاخبرني انه يقبض في وجعه الذي فيه فبكيت ثم سارني فاخبرني اني اول اهل بيته اتبعه فضحكت [3]

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دوسروں سے پوشیدہ کر کے اطلاع فرمائی کہ اسی مرض میں میں اس دنیا سے رخصت ہوں گا اس میں رو پڑی۔ پھر فرمایا ہمارے گھرانے میں تم سب سے پہلے مجھے ملو گی۔ تو میں ہنس پڑی۔

امیۃ ابو صفوان کے قتل کی خبر

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیہ کو مخاطب کر کے کہا تھا فوالله لقد سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول انهم قاتلوك صحیح البخاری ج ۲ ص۵۶۳

ترجمہ: کہ خدا کی قسم! میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ تم (امیہ) مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گے۔ اس پیشگوئی کے بعد امیہ ہر قسم کی حفاظتی تدابیر کے باوجود غزوۂ بدر میں مارا گیا۔

بحر روم کی لڑائیوں کی خبر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی حضرت ام حرام بنت ملحان کے ہاں آیا جایا کرتے تھے وہ عبادہ بنت صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ انہیں اپنا خواب بتلایا کہ مجھ پر میرے کچھ امتی پیش کئے گئے جو اس سمندر کی لہروں پر اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] فیض الباری جلد ۳ ص۵۱۴ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص۳۹۳ [3] صحیح مسلم ج ۲ ص۲۹۰ صحیح البخاری ج ۱ ص۵۱۲

سے گذارش کی، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کردے۔ آپ نے فرمایا: "انت من الاولین" تو ان پہلوں میں سے ہے۔ حضرت ام حرامؓ کہتی ہیں فرکبت البحر فی زمان معاویۃ بن ابی سفیان۔
ترجمہ:۔ کہ میں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے عہد میں غزوہ کے لئے سمندری سفر کیا۔
حضرت ام حرامؓ اسی غزوہ میں جب سمندر سے نکلیں تو اپنی سواری سے گر پڑیں اور اسی میں انکی وفات ہوئی ——— صحیح البخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۳۶ کلاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک خفیہ خط لے کر مکہ کو چلی، وہ خبر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیچھے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ بن اسود کو بھیجا اور فرمایا کہ روضۂ خاخ کے مقام پر انہیں ایک عورت ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے وہ لے کر آؤ۔ عبیداللہ بن ابی رافع کہتے ہیں:۔

سمعت علیا رضی اللہ عنہ یقول بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا والزبیر والمقداد بن الاسود فقال انطلقوا حتی تاتوا روضۃ خاخ فان بها ظعینۃ ومعها کتاب فخذوہ منها ——— فانطلقنا تعادی بنا خیلنا حتی انتہینا الی الروضۃ فاذا نحن بالظعینۃ فقلنا أخرجی الکتاب فقالت ما معی من کتاب، فقلنا لتخرجن الکتاب او لنلقین الثیاب، فاخرجتہ من عقاصها فاتینا بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا فیہ؛ من حاطب بن ابی بلتعہ الی اناس من المشرکین من اهل مکۃ یخبرهم ببعض امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[۵۲]

ترجمہ:۔ میں نے حضرت علیؓ سے سنا وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زبیرؓ اور مقدادؓ بن اسود کو بھیجا اور ارشاد فرمایا کہ روضۂ خاخ کے قریب تمہیں ایک پردہ دار عورت ملے گی، اس کے پاس ایک خط ہے وہ خط لے آؤ۔ ہم وہاں سے چل کر مذکورہ باغ تک پہنچے۔ وہاں ایک عورت موجود تھی، ہم نے اسے خط نکالنے کو کہا تو اس نے انکار کیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے دھمکی کے طور پر کہا کہ خط نکالو ورنہ ہم تمہاری جامہ تلاشی لیتے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے بالوں سے خط نکال کر ہمارے حوالے کیا۔ ہم اُسے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا تو اس میں تحریر تھا۔
کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکینِ مکہ کے نام ہے۔ آگے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض جنگی امور کا افشا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جزماً خبر دینا اور پھر اس کا کما اُخبر واقع ہونا کتب حدیث سے ظاہر ہے۔

امام بخاریؒ کی شہادت[۲]

حضرت سہل بن سعد (۹۱ھ) رضی اللہ عنہ کہتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے موقع پر فرمایا:۔

لاعطین الرایة غدًا رجلا یفتح علی یدیہ یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہٗ[۱] | ترجمہ:۔ کل میں لشکر اسلام کا جھنڈا ایسے شخص کو سپرد کروں گا جس کے ہاتھوں فتح حاصل ہو گی وہ خدا اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھنے والا ہے اور خدا اور رسولؐ کو محبوب بھی ہے۔

صحابہؓ ساری رات سوچتے رہے صبح جھنڈا کس کو دیا جائے گا۔ ہر ایک امید رکھتا تھا کہ اسے ملے، صبح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اَیْنَ عَلِیٌّ (علی کہاں ہے) عرض کی گئی انہیں آنکھوں میں تکلیف ہے، آپؐ نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور دعاء دی، آپ کی آنکھیں بالکل درست ہو گئیں، گویا پہلے کوئی تکلیف نہ تھی، آپ نے پھر حضرت علیؓ کو جھنڈا اعطاء فرمایا۔

فاعطاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ففتح اللہ علیہ[۲] | (اللہ تعالیٰ نے علیؓ کے ہاتھ پر خیبر کی فتح بخشی)

تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے یہود کے قلعے کو توڑا اور واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ (۹۱ھ) کہتے ہیں:۔

صعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (الحدیث)[۳] | ترجمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ احد پہاڑ پر چڑھے آپؐ کے ساتھ سیدنا ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ پہاڑ تھر تھرایا تو آپؐ نے اس پر پاؤں مارتے ہوئے فرمایا "اسکن احد" (اے احد ٹھہر جاؤ) تم پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے واقعات شہادت نے اس حدیثی خبر کی من وعن تصدیق کر دی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (۵۲ھ) کہتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت عثمان غنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور دستک دی آپ نے یہ پوچھے بغیر کہ دروازے پر کون ہے؟ حضرت ابوموسیٰ سے فرمایا:۔

بشرہ بالجنة علی بلوی ستصیبہٗ | کہ اس آنے والے کو ایک آزمائش کے بعد جنت کی خوش خبری سنا دو، وہ آزمائش عنقریب پیش آنیوالی ہے۔ صحیح بخاری جلد ۵ ص ۱۸۲

دروازے پر آنیوالے حضرت عثمانؓ تھے اور آپ کو اپنی خلافت کے آخری دور میں جس ابتلاء کا سامنا کرنا پڑا اس سے ساری تاریخ واقف ہے۔

---

[۱] صحیح البخاری جلد ۵ ص ۱۷۱ [۲] صحیح البخاری جلد ۵ ص ۲۳ [۳] صحیح البخاری جز ۵ ص ۲۳

حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۲۳) جو کہتے ہیں:۔

امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ موتۃ زید بن حارثۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قتل زید فجعفر وان قتل جعفر فعبد اللہ بن رواحۃ قال عبد اللہ کنت فیھم فی تلک الغزوۃ ؎۱

(ترجمہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ موتہ کے موقعہ پر زید بن حارثہ کو امیر مقرر فرمایا اور فرمایا کہ اگر یہ شہید ہو جائیں تو پھر جعفر طیارؓ امیر ہوں گے اور وہ بھی شہید ہو گئے تو عبداللہ بن رواحہؓ۔ عبداللہ کہتے ہیں میں اس غزوہ میں شریک تھا۔

غزوۂ موتہ میں ویسے ہی ہوا جیسے آپ نے فرمایا تھا۔ پہلے دونوں کمانڈر یکے بعد دیگرے جام شہادت نوش کر گئے اور آخر میں عبداللہ بن رواحہؓ کمانڈر بنے۔

حضرت انس بن مالکؓ (۱۹) کہتے ہیں:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نعی زیدا و جعفرا وابن رواحۃ للناس قبل ان یاتیھم خبرھم فقال اخذ الرایۃ زید فاصیب وعیناہ تذرفان ؎۲

ترجمہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ کی تفصیلات آنے سے پہلے ہی حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کی اطلاع دے دی۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے جھنڈا حضرت زیدؓ نے لیا اور کچھ دیر بعد شہید ہو گئے پھر حضرت جعفرؓ نے لیا اور کچھ دیر بعد شہادت پائی، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے بھی جام شہادت نوش کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں (اس صدمے کی وجہ سے) آنسو تھے اور آپ فرما رہے تھے کہ اب جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک (خالد بن ولیدؓ) کے پاس ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا تقوم الساعۃ حتی تقتتل فئتان عظیمتان یکون بینھما مقتلۃ عظیمۃ دعوتھما واحدۃ ؎۳

ترجمہ:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت آنے سے پہلے پہلے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان ایک بہت بڑی جنگ ہوگی۔ اُن دونوں جماعتوں کی دعوت ایک ہوگی۔ (یعنی لا الٰہ الا اللہ الخ)

یہ پیشین گوئی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ہونے والی لڑائی سے حرف بحرف پوری ہو گئی۔ حضرت ابوبکرہؓ کہتے ہیں:۔

؎۱ صحیح البخاری ج ۳ صفحہ ۸۸ ؎۲ صحیح البخاری ج ۳ صفحہ ۲۱ ؎۳ صحیح البخاری ج ۹ صفحہ ۷۴

بینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب جاء الحسن فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابنی ھذا سید و لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین[1] ۔ فئتین عظیمتین من المسلمین[2]

ترجمہ: ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ حضرت حسن تشریف لائے، آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان مصالحت پیدا فرمائیں گے ... ...

حضرت حسن کہتے ہیں :۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی لعل اللہ ان یصلح بی .... فانا فاعل ذلک[3]

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں فرمایا ہے کہ میری وجہ سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح ہوگی۔

چنانچہ میں ایسا کر رہا ہوں۔ حضرت حسنؓ نے یہ اس وقت ارشاد فرمایا جب وہ باہمی خانہ جنگی سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے عنانِ اقتدار حضرت امیر معاویہؓ کے حوالے کر رہے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت اپنا ایک معاملہ لائی۔ آپ نے اسے کسی اور موقعہ پر آنے کیلئے کہا۔ یہ آپ کے آخری دنوں کی بات ہے۔ اس عورت نے پوچھا میں دوبارہ آؤں تو اگر آپ کو نہ پاؤں تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا :۔

ان لم تجدینی فاتی ابابکر[4]

اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس چلی جانا۔

ابراہیم بن سعد کہتے ہیں وہ عورت پوچھنا چاہتی تھی کہ آپ کے بعد کون آپ کا جانشین ہوگا جس کے پاس اپنا کوئی معاملہ لا سکے۔ اس وقت تک حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تھے نہ ان کی خلافت کا ان دنوں کوئی چرچا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی جانشین مقرر کرنے کا کوئی ارادہ نہ رکھتے تھے۔ پھر بھی آپ نے جانا کہ آپکا جانشین کون ہوگا۔ قرآن کریم میں بھی اس کی خبر نہ دی گئی تھی۔ تاہم صحیح یہ ہے کہ آئندہ واقعات نے تصدیق کر دی کہ آپ نے جو کچھ بتلایا تھا ارادت ربانی کی روشنی میں فرمایا تھا۔ آپ کے جانشین واقعی حضرت ابوبکر صدیقؓ ہوئے۔ مسلمانوں کی نگاہِ انتخاب آپ پر ہی آئی اور خدا تعالیٰ کا تکوینی فیصلہ آپ کے حق میں ہی تھا۔ حضرت امام نوویؒ اس حدیث پر لکھتے ہیں :۔

ھو اخبار بالغیب الذی اعلمہ تعالیٰ بہ[5]

یہ وہ غیبی خبر تھی جو اللہ نے اپنے رسول پر ظاہر فرمائی۔

ام مسلمؓ کی شہادت

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایام علالت میں مجھ سے فرمایا۔

---

[1] ایضاً ج ۹ ص۱۰ [2] ایضاً ج ۳ ص۲۴۴ [3] فیض الباری ج ۳ [4] صحیح البخاری ج ۹ ص۱۲۵ [5] شرح صحیح مسلم ج ۲ ص۲۷۳

ادعی لی اباک واخاک حتیٰ اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا اولی ویابی اللہ والمومنون الا ابابکرؓ

ترجمہ:۔ اپنے والد (ابوبکرؓ) اور بھائی (عبدالرحمنؓ) کو بلاؤ تاکہ میں ایک حکم نامہ لکھوا دوں تاکہ بعد میں کوئی (خلافت) کا امیدوار نہ بنے اور یہ نہ دعویٰ کر بیٹھے کہ میں زیادہ حقدار ہوں، حالانکہ خدا تعالیٰ اور مومنین ابوبکرؓ کے سوا کسی پر راضی نہیں۔

آپ کا ارادہ وصیت اور آداب وصیت کی طرف توجہ دلانے کے لئے تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کو بلانا لکھنے کے لئے تھا کسی غیر محرم کو حضرت ام المؤمنین کے حجرہ میں بلانا مناسب نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ارادے کی خبر دیدی تو آپ مطمئن ہوگئے اور اطمینان کا اثر تھا کہ آپ کوئی دن تک زندہ رہے آپ نے وصیت لکھوانے کا پھر ارادہ نہ فرمایا، ہاں یہ صحیح ہے کہ آپ اگر وصیت لکھواتے تو وہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا ہی امر ہوتا۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں:۔

فی ھذا الحدیث دلالۃ ظاھرۃ لفضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ واخبار منہ صلی اللہ علیہ وسلم بما سیقع فی المستقبل بعد وفاتہ وان المسلمین یأبون عقد الخلافۃ لغیرہ وفیہ اشارۃ انہ سیقع نزاع ووقع کل ذلک۔ [۱]

ترجمہ:۔ اس حدیث سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت ظاہر ہے نیز وفات نبویؐ کے بعد مستقبل میں پیش آنے والے واقعے کی خبر بھی ہے اور یابی اللہ والمؤمنون سے اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ کچھ نزاع واقع ہوگا۔ چنانچہ تمام باتیں پوری ہوئیں۔

جنگ بدر سے ایک دن پہلے کی بات ہے صحابہ بنی الحجاج کے ایک لڑکے سے ابوسفیان کے بارے میں پوچھتے تھے وہ اس کی کوئی بات نہ بتلاتا۔ عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف کی بات بتاتا جب اسے پیٹتے تو وہ کہتا کہ وہ ابوسفیان کے بارے میں بتائے گا۔ جب چھوڑ دیتے تو وہ پھر اس کی کوئی بات نہ بتلاتا۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معرکہ بدر سے ایک دن پہلے بتادیا تھا کہ کل فلاں کافر اس جگہ گرا ہوگا اور فلاں اس جگہ ـــ حضورؐ نے فرمایا تھا:۔

والذی نفسی بیدہ لتضربوہ اذا صدقکم وتترکوہ اذا کذبکم قال فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذا مصرع فلان ویضع یدہ علی الارض ھٰھنا وھٰھنا قال فما ماط احدھم عن موضع ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [۲]

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ تم اسے مارتے ہو جب وہ سچ بولتا ہے۔ اور چھوڑ دیتے ہو جب وہ جھوٹ بولتا ہے۔ پھر آپؐ نے مختلف کافروں کے مرنے کی جگہوں کی نشاندہی فرمائی۔ پس بدر کے

---

[۱] شرح صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۳ [۲] ایضاً جلد ۲ ص ۱۰۲ [۳] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۴۳۔

ون کوئی کافر آپ کی نشان زدہ جگہ سے اِدھر اُدھر نہیں ہوا۔ امام نووی لکھتے ہیں :۔

فیه معجزتان من اعلام النبوة احدهما اخباره صلی الله علیه وسلم بمصرع جبابرتهم فلم یتجاوز احدمصرعه الثانیة اخباره صلی الله علیه وسلم بان الغلام الذی کانوا یضربونه یصدق اذا ترکوه ویکذب اذا ضربوه وکان کذالك فی نفس الامر[۱]

ترجمہ: اس میں دو معجزے آپ کی صداقت کی دلیل بن رہے ہیں (۱) آپ نے کفار کے پچھاڑے جانے کی جگہوں کی نشاندھی فرمائی اور وہ پوری ہوئی۔
(۲) لڑکے کے بارے میں آپ نے جو فرمایا تھا وہ بھی حقیقت پر مبنی تھا۔

واعلم ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اخبرهم من قبل اسماء من یقتل فیها من الکفار وحیث یصرع فوقع کما کان اخبر به حتی لم یتجاوز عنه قید شبر وکذلك اخبار الانبیاء تحکی عن الواقع ولا یحتمل فیه الخلاف بنحو شعرا و شعیرة[۲]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے قتل ہو جانے اور اُن کے پچھاڑے جانے کی جگہوں کی نشاندھی فرمائی اور جیسے آپ نے فرمایا تھا۔ اس سے سرمو فرق نہ آیا۔ انبیاء علیہم السلام کی خبروں میں ایک بال یا جو کے برابر بھی کمی بیشی نہیں ہوا کرتی۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا

اس وقت یہ بحث نہیں کہ علماء دیو بند علم نبوت کی صداقت کے کیسے والہانہ معتقد ہیں۔ پیش نظر صرف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر جو غیب کی خبریں دیں وہ من وعن پوری ہوئیں۔ اس کے ساتھ جب اس عقیدہ کو جمع کریں کہ علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے۔ انبیاء کرام علم غیب نہیں رکھتے۔ کسی چیز کو پہلے سے نہیں جانتے ہیں۔ تو یہ تسلیم کرنے سے یہ چارہ نہیں رہتا کہ احادیث کا منبع و ماخذ اللہ رب العزت کی ذات ہے اور آنحضرت پر وحی صرف قرآن کی صورت میں ہی نہیں آتی رہی۔ احادیث کا مصدر بھی وحی الٰہی ہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی دین کی کوئی بات کہی یا کسی آئندہ ہونے والے واقعہ کی خبر دی۔ تو یہ سب وحی الٰہی سے ہوتا رہا ہے۔ آنحضرت اپنی طرف سے ایسی کوئی بات نہ کہتے تھے۔

اخبار الحدیث کا عنوان اور کتب حدیث میں اس کے ہزاروں شواہد کا مذکور ہونا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ حدیث یقیناً وحی الٰہی ہے۔ گو اس کے الفاظ متلو نہ ہوں۔ حدیث میں الفاظ بیشتر آپ کے اپنے ہوتے تھے۔ ـــــ لیکن مضمون سب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تھا۔

---

[۱] شرح صحیح مسلم ج۲ ص۱۰۲ [۲] فیض الباری ج۴ ص۸۶

فتح شام فتح ایران اور فتح یمن کی پیشگوئی

جنگ احزاب سے کون واقف نہیں۔ آپ نے یہ بھی بارہا سُنا کہ اس میں مسلمانوں نے حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ کے گرد خندق کھودی، کھدائی کے دوران ایک چٹان ظاہر ہوئی جس پر کدال کام نہ کرتے تھے۔ صحابہ نے حضورؐ سے صورتِ حال عرض کی۔ آپ نے بسم اللہ کہہ کر کدال اُٹھائی اور اس پر ضرب لگائی۔ ایک تہائی چٹان ٹوٹ گئی اور آپ نے ایک روشنی دیکھی۔ اس میں آپ نے شام کے سُرخ محل دیکھے۔ آپ نے پھر دوسری ضرب لگائی اور چٹان کا دوسرا تہائی حصہ بھی ٹوٹ گیا اور آپ نے اس کی روشنی میں مدائن کے سفید محلات دیکھے۔ آپ نے پھر ایک اور ضرب لگائی اور باقی چٹان بھی ٹوٹ گئی اور آپ نے صنعاء (یمن) کے دروازے دیکھے۔ حضرت براءؓ کہتے ہیں۔

> "حضورؐ نے اس چٹان کی پہلی ضرب پر فرمایا: اعطیت مفاتیح الشام۔ مجھے شام کی کنجیاں دی گئیں ___ دوسری ضرب پر فرمایا مجھے فارس کی کنجیاں دی گئیں اور تیسری ضرب پر فرمایا۔ مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں"[1]

یہ ایک عظیم پیشگوئی ہے۔ جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ اس میں اس بات کی خبر دی گئی کہ یہ سلطنتیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں گی۔ اس میں یہ خبر بھی تھی کہ آپ کے صحابہ جو ان ملکوں کو فتح کریں گے۔ وہ آپ کے نقشِ قدم پر ہی آگے بڑھیں گے، ورنہ اُن کی فتوحات حضورؐ کے ہاتھ میں دی گئی کنجیاں شمار نہ ہوتیں اور یہ صحیح ہے کہ صحابہ حضورؐ کی وفات کے بعد آپ کے دین سے پھرے نہیں، وہ آپ کی پوری تابعداری اور وفاداری سے دنیا کے کناروں تک پھیلے اور پہنچے ہیں۔

یہ خبر حدیث میں پہلے دَور سے تعلق رکھتی ہے۔ جو اسلام کا قرن اول کہلاتا ہے۔ یہ عہد صحابہ میں ہوبہو پوری ہوئی اور دنیا نے صداقت حدیث کے کھلے نشان دیکھے۔ حدیث میں پھر ایسی پیشگوئیاں بھی موجود ہیں۔ جو اس پہلے دَور میں پوری نہیں ہوئیں، کئی صدیوں کے بعد پوری ہوئیں۔ جس وقت حدیث کی کتابیں لکھی جا رہی تھیں۔ اس وقت ان خبروں کے پورا ہونے کے کوئی آثار عالم ظاہر میں موجود نہ

---

[1] مسند امام احمد والنسائی

تھے۔ محدثین صرف یہ دیکھتے تھے کہ حدیث ان کے قواعد کے مطابق صحیح اور قابلِ قبول ہے یا نہ، ان کے حدیثوں کے کتابوں میں لکھے جانے پر جب کئی صدیاں گزریں تو ان کے مصداق ظاہر ہوئے۔ اب ان روایات کا ایک ایک لفظ شہادت دے رہا ہے کہ حضور نے یہ باتیں اپنی طرف سے نہ کہی تھیں، بلکہ ان میں وحی غیر متلو کا الہامی عنصر شامل تھا۔ مثلاً

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تقوم الساعة حتیٰ تخرج نار من الارض الحجاز تضئ اعناق الابل ببصریٰ۔

(ترجمہ) قیامت سے پہلے ایک وقت ہوگا، جب ارض حجاز سے ایک آگ نکلے گی، وہ اونٹوں کی گردنوں تک اونچے ٹیلوں اور پہاڑوں تک کو روشن کر دیگی۔

یہ پیش گوئی حدیث کی ان کتابوں میں مذکور ہے۔ جو دوسری اور تیسری صدی میں لکھی گئیں، لیکن یہ پوری کب ہوئی؟ ساتویں صدی ہجری میں۔ اب کسی جہت سے اس وہم کو راہ نہیں ملتی کہ یہ پیشگوئیاں بعد الوقوع ان کتابوں میں جگہ پا گئی ہیں، ہرگز نہیں۔ یہ روایات حدیث کے الہامی پہلو کا کھلا نشان اور حدیث کے وحی غیر متلو ہونے پر ایک روشن برہان ہیں۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

قال القرطبي في التذكرة قد خرجت نار بالحجاز بالمدينة وكان بدؤها زلزلة عظيمة في ليلة الاربعاء بعد العتمة الثالث من جمادى الاخرى سنة اربع وخمسين وستمائة واستمرت الى ضحى النهار يوم الجمعة الثالث فسكنت وظهرت النار بقريظة بطرف الحرة ترى في صورة البلد العظيم عليها سور محيط عليه شراريف وابراج ومأذن وترى رجال يقودونها لا تمر على جبل الا دكته واذابته ويخرج من مجموع ذلك مثل النهر احمر وازرق له دوي كدوي الرعد يأخذ الصخور بين يديه وينتهي الى محط الركب

لہ مسند احمد ص   النسائی   ۲ے صحیح بخاری جلد، ص   مسلم

العراق.... قال النووی تواتر العلم بخروج هذه النار عند جمیع اهل الشام۔

قرطبی (۶۷۱ھ) نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ حجاز میں (۶۵۴ھ) کو ایک آگ نکلی پہلے ایک بڑا بھاری زلزلہ آیا۔ یہ واقعہ جمادی الاخری بدھ کی شام کا ہے۔ یہ آگ جمعہ کے دن تک جلتی رہی آگ ایک بڑے شہر کی شکل میں تھی، جس کے گرد فصیلیں ہوں اور اس پر بُرج اور مینار ہوں یوں دکھائی دیتا تھا۔ جیسے اس میں کچھ انسان ہیں جو اُسے جلا رہے ہیں۔ جس پہاڑ پر سے یہ گزرتی۔ اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی اور پگھلا کر رکھ دیتی، یوں بھی معلوم ہوتا کہ اس میں سے سُرخ اور نیلے دریا بھی نکل رہے ہیں۔ اس کی آواز بادل کی گرج کی سی تھی اور یہ پتھروں کو ساتھ بہا لئے جاتی تھی۔ پھر اسی جگہ جا ٹھہری جو عراق والوں کے اترنے کی جگہ ہے----امام نوویؒ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں۔ اس آگ کا نکلنا جمیع اہل شام کے ہاں تواتر کے درجہ تک پہنچا ہوا ہے سو اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔

ترکوں کے ہاتھوں عربوں پر حملہ

معاویہ بن حدیج کہتے ہیں۔ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھا تھا، کہ میرے بیٹھے ہوئے ان کے پاس اُن کے کسی عامل کا خط آیا کہ اس کا کسی مقام پر ترکوں سے مقابلہ ہوا اور اس نے انہیں مار بھگایا ہے۔ اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت پریشان ہوئے اور اُسے لکھا کہ جب تک میں نہ کہوں ترکوں سے نہیں لڑنا۔ اس وقت تک ترک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذہن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث تھی کہ جب تک ترک تم سے نہ لڑیں، تم انہیں نظر انداز کرنا، ان سے نہ لڑنا۔

اترکوا الترک ما ترکوکم [1]

(ترجمہ) ترکوں کو چھوڑے رکھو، جب تک وہ خود تم سے تعرض نہ کریں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس عامل کو یہ بھی لکھا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ ترک عربوں کو نکال دیں گے۔

---

[1] سنن نسائی جلد ۲ صہ ۵۳

اس حدیث کی تصدیق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں تھی۔ آپ کا اپنے عامل سے حدیث کی روشنی میں بات کرنا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق رسالت کی ایک بڑی روشن دلیل ہے۔ وہ دل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو سچا نہ سمجھے ہوئے ہوتے تو ایسے سیاسی اُمور میں وہ اس طرح حدیث کی روشنی میں نہ چلتے نہ اس طرح اس کی کھلے بندوں تلقین کرتے۔

خوارزم شاہ نے اپنے عہد میں اس حدیث کی خلاف ورزی کی اور چنگیز خاں کے قاصدوں کو قتل کر ڈالا۔ پھر کیا ہوا؟ وہی کچھ ہوا، جس سے بچنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ بالا ہدایت دی تھی۔ بغداد کی تاریخی تباہی اس کے نتیجہ میں عمل میں آئی۔ یہ ساتویں صدی کا واقعہ ہے۔ طبرانی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں:

ان بنی قنطورا اول من سلب امتی ملکہم۔ ؎۱

(ترجمہ) "بیشک بنو قنطورا (ترک) پہلے لوگ ہوں گے، جو میری اُمت سے ان کا ملک لیں گے۔"

یہ پیشگوئیاں جب حدیث کی کتابوں میں لکھی گئی تھیں، اسوقت ترک دنیا میں کوئی طاقت نہ تھے۔ حضور نے فرمایا تھا:

لاتقوم الساعۃ حتی تقاتلوا قوماً نعالہم الشعر وحتی تقاتلوا الترک صغار الاعین حمر الوجوہ ذلف الانوف کان وجوہہم المجان المطرقۃ۔ ؎۲

(ترجمہ) قیامت نہ آئے گی جب تک تم اس قوم سے نہ لڑلو، جن کے جوتے بالوں سے بنے ہوں گے اور جب تک تم ترکوں سے نہ لڑو۔ یہ چھوٹی چھوٹی آنکھوں والے، سُرخ چہروں والے، چپٹی ناک والے لوگ ہوں گے۔ ان کے چہرے ایسے ہونگے، جیسے ڈھالیں ہوں۔

تاریخ گواہ ہے کہ اسکے صدہا سال بعد وہی کچھ ظہور میں آیا جس کی مخبر صادق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے خبر دے چکے تھے۔

؎۱   ؎۲ سنن نسائی ۲ صہ ۵۳ صحیح بخاری جلد ۱ صہ ۴۱۰

حدیث پر قرآن کے سائے

از: حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب زید مجدہم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

یہ بات تفصیل سے آپ کے سامنے آچکی ہے کہ قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو ہر لحظہ اطاعت رسولؐ کا حکم دیتا ہے۔ قدم قدم پر حدیث کی طرف متوجہ کرتا ہے تو یوں سمجھئے قرآن متن ہے تو حدیث اس کی شرح، قرآن کریم اجمال ہے تو حدیث اس کی تفصیل، قرآن کریم پر عمل اَطِیْعُوا اللّٰہَ کا امتثال ہے تو حدیث پر عمل اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کی تعمیل ہے۔

آج یہ موضوع نہیں کہ قرآن ہمیں حدیث کی طرف کس اہتمام سے متوجہ کرتا ہے بلکہ آج ہمیں اس پر توجہ کرنا ہے کہ حدیث ہمیں کس طرح قرآن کریم کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ اور حدیث پر کس طرح قرآن کے سائے پھیلے ہوئے ہیں۔ آج ہمیں اس امر پر غور کرنا ہے کہ حدیث میں قرآن کریم کو کس طرح سربراہ مانا گیا ہے؟ اس سے اس پراپیگنڈے کی خود تردید ہوجائیگی کہ حدیث قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش ہے۔ حدیث کے لٹریچر کا اگر یہی مقصد ہوتا کہ لوگوں کو قرآن کریم سے ہٹایا جائے تو اس میں قرآن کے سائے اس دور تک پھیلے ہوئے ہمیں کبھی نہ ملتے۔ حق یہ ہے کہ حدیث میں قدم قدم پر قرآن کریم کی سربراہ حیثیت کا اقرار ہے۔ آیئے دیکھیں روایات حدیث میں کہیں قرآن کریم کے حوالے بھی ملتے ہیں؟ ملتے ہیں تو کس حیثیت سے؟ حدیث پر قرآن کریم کس طور پر سایہ فگن ہے؟ اور متون حدیث میں قرآن کریم کو کس حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے برابر کے ماخذ علم ہونے کی حیثیت سے یا اسے ایک منبع کی حیثیت سے ذکر کرتے ہیں جس سے آگے علم کے کئی اور چشمے پھوٹے ہوں۔

اس موضوع میں دیکھنا چاہیئے کہ محدثین کے ہاں مرویات حدیث میں قرآنی ھدایت کن اصولی حدود تک کارفرما ہے اور اس کی اصولی نظائر کس کس انداز میں مرویات حدیث میں موجود ملتے ہیں۔

کیا قرآن و حدیث برابر کے ماخذ علم ہیں؟

یہ صحیح ہے کہ بعض روایاتِ حدیث میں کتاب و سُنّت کو دو برابر کے ماخذِ علم کی حیثیت میں پیش کیا گیا ہے تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ اور اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کی تعبیرات دونوں کو ایک ساذکر کرتی ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان تمام مرویات میں کتاب اللہ کا ذکر پہلے اور سُنّت یا حدیث کا ذکر بعد میں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عربی زبان میں واؤ ترتیب کے لئے نہیں ہوتی لیکن سینکڑوں روایات میں ایک ہی ترتیب کا التزام بتلاتا ہے کہ قرآن مجید ہمیشہ سے مقدم رہا ہے اور حدیث، قرآن کی برابری کے لئے نہیں اسی کا آگے عملی پھیلاؤ ہے۔ یہ نہرِ ھدایت منبعِ قرآن سے ہی نکلی ہے اور حدیث میں ہر جگہ قرآن کو ہی سربراہ تسلیم کیا گیا ہے۔ علوم اسلامی کے تمام سوتے قرآن سے ہی پھوٹے ہیں اور یہی منبع علم ہے جو آگے پھیلتا چلا گیا۔ پھر ایسی روایات کی بھی کمی نہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف قرآن کو ہی پیش کیا ہے اسی کو حق سے وابستگی بتلایا ہے، اسی کو حق کا نشان کہا ہے اور بنی نوعِ انسان کو اسی کی ابدی سچائی کی طرف دعوت دی ہے۔

ان تمام روایات کا حاصل صحابۂ کرامؓ اور ائمۂ دین کے ہاں یہی سمجھا گیا کہ یہاں کتاب اللہ یا قرآن پاک سے صرف قرآن پاک مُراد نہیں بلکہ قرآن پاک بشمول سُنّت کاملہ مُراد ہے۔ سُنّت کریمہ قرآنی ارشاد وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ میں لپٹی ہوئی ہے اور اس پہلو سے یہ قرآن پاک کا ہی جزء ہے اسی تشریح سے ان روایات کو جن میں صرف قرآن پاک کی تعمیل کا حکم ہے تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ وغیرہ سے تطبیق دی گئی ہے۔ محدّثین کے ہاں ان روایات میں قرآن مجید سے صرف قرآن پاک کبھی مُراد نہیں لیا گیا یہاں علم کے دونوں ماخذ مُراد ہیں۔

قرآن و حدیث ـــــــ یہ دونوں بنی نوعِ انسان کے لئے برابر کے حجت ہیں، لیکن ماخذِ علم ہونے میں دونوں ایک ترتیب سے سامنے آئے ہیں اور درجہ ہر ایک کا اپنا اپنا ہے۔

قرآن و حدیث میں مثلیت کا دعویٰ

اس سے انکار نہیں کہ بعض روایات میں اَلَا وَاِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْکِتَابَ وَ مِثْلَهٗ مَعَهٗ [1] (کہ مجھے کتاب اللہ کے ساتھ اسی کی مثل اور بھی عطاء فرمائی گئی ہے) کے سے الفاظ ملتے ہیں لیکن یہاں مثلیت سے مثلیت من کل الوجوہ مراد نہیں، قرآن مجید صفتِ خداوندی ہے اور مخلوق نہیں ہے۔ صفت باری تعالیٰ مخلوق کیسے ہوسکتی ہے؟ حدیث، قول و فعل پیغمبر ہے اور پیغمبر خود مخلوق ہیں، جو مخلوق سے صادر ہو وہ غیر مخلوق جیسا کیسے ہوسکتا ہے۔ سو یہاں مثلیت سے مراد مثلیت فی الحجت ہے یعنی جس طرح قرآن مؤمنین کیلئے حجت ہے۔ قانون اور شرع ہے۔ اسی

---

[1] سنن ابی داؤد صفحہ ۲۷۶ جلد دوم

طرح حدیث بھی مومنین کے لئے قانون اور شرع ہے۔ شرع حدیث کا سرچشمہ بھی گو وحی الٰہی ہی ہے۔ لیکن تعبیر قرآن اور حدیث کی اپنی اپنی ہوتی ہے اور مسلمانوں کے لئے ہر دو ماخذ علم ہیں اور اپنے اپنے درجے میں رہتے ہوئے یکساں حجت ہیں کسی کا بھی کوئی عمداً انکار کرے تو وہ کفر کی دلدل میں گر جاتا ہے۔

حدیث میں قرآن بحیثیت منبعِ ہدایت ہے

حدیث کے لٹریچر میں جگہ جگہ قرآن کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ عام محدثین قرآن کریم کو ہمیشہ سے منبع ہدایت تسلیم کرتے آتے ہیں۔ المصنّف لابن ابی شیبہؒ میں ہے۔ (نیز صحیح ابن حبان جلد ا صـ۲۸۷)

(۱) حضرت زید بن ارقمؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، حضورؐ نے فرمایا۔ اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمْ کِتَابَ اللّٰہِ ھُوَ حَبْلٌ مِنَ اللّٰہِ مَنِ اتَّبَعَہٗ کَانَ عَلَی الْھُدٰی وَمَنْ تَرَکَہٗ کَانَ عَلَی الضَّلَالَۃِ[1] (ترجمہ) میں تم میں کتاب اللہ چھوڑے جا رہا ہوں۔ یہ اللہ کی مضبوط رسّی ہے۔ جس نے اس کی پیروی کی ہدایت پر رہا اور جس نے اسے چھوڑ دیا وہ گمراہی پر ہے۔

(۲) حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

وَقَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَالَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ کِتَابَ اللّٰہِ[2]

اور میں نے وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم نے اس سے تمسک کیا تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ وہ اللہ کی کتاب ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے لئے کوئی وصیت فرمائی؟ آپؓ نے کہا نہیں۔ اس نے کہا نہیں تو آپؐ نے وصیت کرنے کا حکم دیا اور خود کوئی وصیت نہیں فرمائی؟ اس پر حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ نے کہا اَوْصٰی بِکِتَابِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ[3] آپؐ نے قرآن کریم کو لازم پکڑنے کی وصیت فرمائی ہے۔

(۴) حضرت جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں ہم حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے فرمایا

اَلَیْسَ تَشْھَدُوْنَ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاَنَّ الْقُرْاٰنَ قَدْ جَاءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ

(ترجمہ) کیا تم گواہی نہیں دیتے کہ ایک خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ ہم نے عرض کی کیوں نہیں؟ اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

فَاَبْشِرُوْا فَاِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ طَرَفُہٗ بِیَدِ اللّٰہِ وَطَرَفُہٗ بِاَیْدِیْکُمْ فَتَمَسَّکُوْا بِہٖ فَاِنَّکُمْ لَنْ تَھْلِکُوْا وَلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ اَبَدًا

---

[1] کنز العمال ج۱ ص۴۷ [2] صحیح مسلم ج۱ باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۲۷، سنن ابی داؤد ج۱ ص۲۷، سنن ابن ماجہ، السنن الکبریٰ للبیہقی ج۵ ص۸، مسند احمد کما فی البدایہ لابن کثیرؒ ج۵ ص۱۷ [3] مسند ابی داؤد الطیالسی ص۱۱۱۔

ترجمہ:۔ تمہیں بشارت ہو کہ اس قرآن کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھ میں۔ اسے مضبوطی سے پکڑے رہنا۔ کیونکہ تم اس کے ہوتے ہوئے کبھی ہلاک اور گمراہ نہیں ہو سکتے۔ [۱]

اس قسم کی احادیث کے ہوتے ہوئے کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حدیث دراصل قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش تھی جس کا مقصد لوگوں کو قرآن سے ہٹانا اور احادیث کے گرد لانا تھا؟ کیا ان احادیث میں صریح طور پر قرآن کریم کو منبع ہدایت کے طور پر نہیں مانا گیا؟ کچھ تو سوچئے اور انصاف سے کام لیجیے۔

حدیث میں قرآن کی طرف رجوع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ نص قرآنی اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْرًا کے تحت آپ کے فیصلے اور ارشادات بذات خود سنداً اور حجت ہیں۔ کسی مؤمن کو حق نہیں کہ صحیح حدیث ملنے کے بعد اس سے بڑی سند کا مطالبہ کرے یا قرآن سے اس کی دلیل مانگے۔ پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی اساسی حیثیت اور اس کے اصل منبع علم ہونے کا بارہا اظہار فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار فرمایا۔ "چاہو تو اس باب میں تم قرآن کریم بھی پڑھ لو" آپ کی عادت مبارک تھی کہ حدیث بیان کرتے کرتے کبھی کبھی اس کی اصل قرآن کی بھی نشاندہی فرمادیتے۔ قرآن کریم سے یہ استشہاد کبھی توعین مضمون کے لیے ہوتا اور کبھی یہ مراد ہوتی کہ یہ بات اس عام حکم قرآنی میں داخل ہے۔

اب ہم چند ایسی روایات پیش کرتے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث بیان کرتے ہوئے خود قرآن پاک سے اس کی تائید پیش فرمائی۔ ہم آج کے اس موضوع کو "قرآن الحدیث" کے عنوان سے پیش کرتے ہیں اس سے یہ مضمون کھل جاتا ہے کہ مطالعۂ حدیث ہمیں کہاں تک قرآن کریم کی طرف متوجہ کرتا ہے اور کیسے اصل کیطرف لوٹاتا ہے۔ یوں کہیے حدیث کی اصل قرآن کریم ہی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حدیث بیان کرتے وقت قرآن پڑھنا

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الْخَلْقَ حَتّٰی اِذَا فَرَغَ مِنْ خَلْقِہِمْ قَالَتِ الرَّحِمُ ھٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِکَ مِنَ الْقَطِیْعَۃِ قَالَ نَعَمْ اَمَا تَرْضَیْنَ اَنْ اَصِلَ مَنْ وَصَلَکِ وَاَقْطَعَ مَنْ قَطَعَکِ قَالَتْ

---

[۱] رواہ البزار کما فی الترغیب والترہیب للمنذری صحیح ابن حبان ص ۲۸۹ ج ۱ مطبوعہ مصر۔ و رواہ الطبرانی فی الکبیر کما فی مجمع الزوائد ص ۱۶۹ ج ۱ ان تمام روایات میں قرآن کریم پر اقتصار کیا گیا ہے کہ وہ اطاعت رسول کی دعوت دیتے ہوئے عمل بالسنۃ کو بھی شامل ہے کما فی بذل المجہود ص ۱۵۵ ج ۲

بَلٰی یَا رَبِّ قَالَ فَهُوَ لَكِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ فَهَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ[1]

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو پیدا کیا یہاں تک کہ جب پیدا کرنے سے فارغ ہوا، تو رشتہ داری نے عرض کیا کہ اے اللہ یہ تیرے حضور اس کی فریاد ہے جو قطع رحمی سے تیری پناہ مانگے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ میں اس سے ملوں جو تجھے ملائے اور اس سے قطع تعلق کروں جو تجھ سے قطع تعلق کرے۔ رحم نے عرض کیا اے میرے پروردگار کیوں نہیں، خدا تعالیٰ نے فرمایا بس یہ تجھے حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو فَهَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ[2] (کیا عجب ہے کہ اگر تم مالک بن جاؤ زمین کے تو اس میں فساد کرنے لگو اور رشتہ داریوں کو کاٹنے لگو۔) اس روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قطع رحم (رشتوں کے حقوق توڑنا) کی مذمت بیان کرتے ہوئے۔ اس پر قرآن کریم کی آیت تلاوت فرمائی جس میں قطع رحم کی برائی مذکور تھی۔ کیا اس میں آنحضرتؐ نے اپنے بیان پر قرآن کریم سے شہادت پیش نہیں فرمائی؟ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ حدیث، قرآن کے خلاف ایک نئے ماخذ کو کھڑا کرنا تھا؟ کچھ تو غور کیجئے اور حدیث کی اہمیت سے انکار نہ کیجئے۔

(۲) حضرت عبداللہؓ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حد مارنے کیلئے لایا گیا۔ حضورؐ کے چہرۂ مبارک پر کچھ غبار کے سے آثار ظاہر ہوئے۔ گویا کہ آپ پریشان ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ آپ پر یہ صورت کیا گراں گزری۔ آپؐ نے فرمایا:۔

وَمَا یَمْنَعُنِیْ وَاَنْتُمْ اَعْوَانُ الشَّیْطٰنِ عَلٰی اَخِیْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَفُوٌّ یُحِبُّ الْعَفْوَ وَاِنَّهٗ لَا یَنْبَغِیْ لِوَالٍ اَنْ یُّؤْتٰی بِحَدٍّ اِلَّا اَقَامَهٗ[3]

(ترجمہ) اور اس سے مجھے کونسی چیز روک سکے؟ اور تم اپنے بھائی پر شیطان کے مددگار بن کر چڑھے ہو۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالے ہیں اور معاف کرنے کو پسند کرتے ہیں۔ اور ہاں یہ کسی حاکم کے لئے جائز نہیں کہ اس کے پاس حد کا کوئی معاملہ (کیس) آئے مگر یہ کہ وہ اس حد کو قائم کرے۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (محدث عبدالرزاق ۲۱۱ ھجر روایت کرتے ہیں ثُمَّ قَرَأَ "وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا" (اور چاہیئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طبعی رجحان کا اظہار فرمانے کے بعد اس پر قرآن کریم کی آیت سے استشہاد فرمایا کہ جہاں تک ہوسکے چاہیئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا اس حدیث پر قرآن کریم کا سیع

---

[1] صحیح بخاری ص۸۸۵ ج۲ مطبوعہ دہلی [2] پ۲۶ سورہ محمد ع۳ [3] المصنف ص۳۷۲ ج۷، مسند احمد ص۳۸ ج۱، سنن کبریٰ بیہقی ص۳۲۶ ج۸ - ص۳۳۱

سایہ نہیں ملتا؟ اور کیا یہاں حدیث پر قرآن کی اصولی سربراہی کار فرما نہیں؟

(۳) حضرت ابوہریرۃ رضؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ کَمَا تُنْتَجُ الْبَھِیْمَۃُ بَھِیْمَۃً جَمْعَاءَ ھَلْ تُحِسُّوْنَ مِنْ جَدْعَاءَ (ثُمَّ یَقُوْلُ) فِطْرَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ[۱] (ترجمہ) ہر بچہ فطرتِ اسلامی پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کے ماں باپ اُسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں، جس طرح جانوروں کے بچے تندرست و توانا اور سالم پیدا ہوتے ہیں مگر بعد میں یہ کافر ان کے کان وغیرہ کاٹ ڈالتے ہیں (یعنی اس طرح انسانوں کے سب بچے اسلامی فطرت پر پیدا ہوتے ہیں) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ[۲]

(ترجمہ) "وہ فطرت اللہ ہے اللہ نے اسی پر لوگوں کو تخلیق بخشی۔ اللہ کا دین نہیں بدلتا، یہی ٹھیک دین ہے قائم رہنے والا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات بیان فرمائی وہ اپنی جگہ سندِ کامل اور حق کی حجت تھی مگر اس پر بھی حضورؐ نے اسے قرآن پاک سے مستفاد فرمایا۔ دیکھئے حدیث پر قرآن کے سائے کس طرح وسیع پھیلے ہوئے ہیں۔ کچھ تو سوچئے اور حق کا ساتھ دیجئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ایک بات کہی جو قرآن پاک میں ان الفاظ میں نہیں ملتی اور پھر اس وحیٔ غیر متلو کی تائید میں قرآن کی ایک آیت تلاوت کردی، ملاحظہ فرمایئے:۔

(۴) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ وَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ[۳]

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اپنے بندوں کے لئے ایسی ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سُنیں اور نہ کسی انسان کے دل پر ان کا خطرہ گذرا، اگر تم چاہو تو (اس کے استدلال میں یہ آیت کریمہ پڑھ لو۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ[۴] پس کوئی نفس نہیں جانتا کہ کیا آنکھوں کی ٹھنڈک کے سامان اس کے لئے پوشیدہ رکھے گئے ہیں یہ جزا ہے ان کے اعمال کی۔

---

[۱] بخاری شریف صفحہ ۱۸۵ جز ۲ [۲] پ ۲۱ الروم ع ۴۔ [۳] صحیح بخاری صفحہ ۷۰۴ جز ۱ [۴] پ ۲۱ ع ۲ السجدۃ

(۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَاَنَا اَوْلٰی بِهٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ؎۱

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مومن نہیں جس کا میں دُنیا و آخرت میں سب سے زیادہ دوست نہیں ہوں اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ؎۲ نبی مسلمانوں کے لئے خود اُن کی ذات سے بھی زیادہ رافت و رحمت اور نرمی کرنے والے ہیں۔

(۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ یَبْلُغُ بِهِ النَّبِیَّ صَلَّی عَلَیْهِ وَسَلَّم قَالَ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ شَجَرَةً یَسِیْرُ الرَّاکِبُ فِیْ ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا یَقْطَعُهَا وَاَقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ؎۳

(ترجمہ) حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ اس روایت کو حضورؐ تک پہنچاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایک درخت ہے کہ سوار اس کے سائے میں ایک سو سال بھی چلتا رہے تو وہ راہ طے نہ ہو اور اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ؎۴ (اور سایہ ہے لمبا جو عبور نہ ہو)

(۷) حضرت ابوہریرۃؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَیْسَ الْمِسْکِیْنُ الَّذِیْ تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلَا اللُّقْمَةُ وَلَا اللُّقْمَتَانِ اِنَّمَا الْمِسْکِیْنُ الَّذِیْ یَتَعَفَّفُ ؎۵

ترجمہ: مسکین وہ نہیں جسے ایک کھجور اور دو کھجوریں اور ایک لقمہ اور دو لقمے ملیں مسکین وہ ہے جو مانگنے سے بچے، پرہیزگاری سے کام لے۔ اور اس پر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ لَا یَسْاَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؎۶

ترجمہ: تو پہچانے گا ان کو چہرے کی علامات کے ساتھ کہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اس حدیث پر قرآن پاک جس طرح سایہ فگن ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔

(۸) حضرت ابوامامہ باھلیؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاکُمْ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰیَةَ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؎۷

ترجمہ: آپؐ نے فرمایا عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی

؎۱ صحیح بخاری ج-۱ ص ۳۲۳، مسند احمد ج-۲ ص ۳۳۴، ج-۲ ص ۳۲۸ ؎۲ پ ۲۱ الاحزاب ع ۱ ؎۳ صحیح بخاری ج-۲ ص ۷۲۳، مسند احمد ج-۱ ص ۲۸۲ ؎۴ پ ۲۷ واقعہ ع ۱ ؎۵ صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۰۱ مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۱ ؎۶ بقرہ پ ۳ ع ۲ ؎۷ مشکوٰۃ شریف ص ۳۴ من الترمذی والدارمی

پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی :

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ

بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے جاننے والے ہی ڈرتے ہیں ۔

حیاتِ مسیح پر قرآنی شہادت :

(۹) حضرت ابوہریرۃؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا :

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَیُوْشِکَنَّ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْحَرْبَ وَیَفِیْضُ الْمَالُ حَتّٰی لَا یَقْبَلَہٗ اَحَدٌ حَتّٰی تَکُوْنَ السَّجْدَۃُ الْوَاحِدَۃُ خَیْرًا مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا[۱]

ترجمہ : قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ عیسٰی بن مریم تم میں ضرور اتریں گے حکم ہوکر، عادل رہیں گے، صلیب توڑیں گے، خنزیر کا کھایا جانا بند کریں گے۔ لڑائیوں کا سلسلہ رک جائے گا ۔ مال اتنا بڑھ جائے گا کہ کوئی اس کا لینے والا نہ ہوگا ۔ یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا ومافیہا سے بہتر ہوگا ، اس پر حضرت ابوہریرۃؓ نے فرمایا :

وَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ ، وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا[۲]

ترجمہ : اور تم چاہو تو قرآن کریم سے پڑھ لو ——— اور کوئی نہ رہے گا اہل کتاب میں سے مگر یہ کہ ضروری ایمان لائے گا اس پر (حضرت عیسٰی پر) اسکی موت سے پہلے اور رہوگا قیامت کے دن اس پر گواہ ——— یہود کا ایمان یہ ہوگا کہ حضرت عیسٰی بے شک خدا کے پیغمبر ہیں' اور اس کا کلمہ جو بدون مس لبشر' مریم کی طرف اترا ۔ اور عیسائیوں کا ایمان یہ ہوگا کہ حضرت عیسٰی بے شک بشر ہیں اور پیغمبر ہیں ۔ خدا یا خدا کے بیٹے ہرگز نہیں ۔ گویا یہ وقت ان دونوں ملتوں کے خاتمے کا ہوگا اور سب ملتیں ایک ملتِ اسلامی میں آجائیں گی ۔ قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرۃ کا مذہب یہی ہے کہ بہٖ کی ضمیر یہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام پر ابھی تک موت نہیں آئی ، وہ نزول فرمانے کے بعد طبعی موت مریں گے ۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں :

فَفِیْہِ دَلَالَۃٌ ظَاھِرَۃٌ عَلٰی اَنَّ مَذْھَبَ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ فِی الْاٰیَۃِ اَنَّ الضَّمِیْرَ فِیْ مَوْتِہٖ یَعُوْدُ اِلٰی عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ[۳]

---

[۱] صحیح البخاری جلد ا صفحہ ۴۹۰ ، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ [۲] پ سورۃ النساء ع ۲۲ [۳] نووی شرح مسلم جلد ا صفحہ ۸۷

ترجمہ: آیت کی تفسیر میں اس بات کی واضح دلالت ہے کہ حضرت ابوہریرۃؓ کے مذہب کے مطابق "موتہ" میں ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے۔

(۱۰) حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ مزینہ کے دو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا:

أَرَأَيْتَ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ الْيَوْمَ وَيَكْدَحُونَ فِيهِ أَشَيْءٌ قُضِيَ عَلَيْهِمْ وَمَضٰى فِيهِمْ مِنْ قَدَرٍ سَبَقَ أَوْ فِيمَا يَسْتَقْبِلُونَ بِهِ مِمَّا أَتَاهُمْ بِهِ نَبِيُّهُمْ وَثَبَتَتِ الْحُجَّةُ عَلَيْهِمْ؟[1]

ترجمہ: آپ کی کیا رائے ہے کہ جو لوگ آج عمل کرتے ہیں اور اس میں مشقت برداشت کرتے ہیں کیا یہ چیز پہلے سے فیصلۂ تقدیر ہے یا وہ آگے چل کر سامنا کرتے ہیں جو کچھ ان کے نبی دیتے ہیں اور ان پر حجت قائم ہوتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا نہیں بات وہی چلے گی جس کا فیصلہ قضا و قدر میں پہلے سے ہو چکا ہے پھر آپؐ نے فرمایا: ــــــ وَتَصْدِيقُ ذٰلِكَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا[2]

ترجمہ: اور اس کی تصدیق کتاب اللہ میں موجود ہے۔ فرمایا: قسم ہے جی کی اور جیسا کہ اس کو ٹھیک بنایا پس سکھا دی اس کو ڈھٹائی اور بچ کر چلنا۔

(۱۱) وَعَنْ عَلِيٍّؓ قَالَ سَأَلَتْ خَدِيجَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَلَدَيْنِ مَاتَا لَهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمَا فِي النَّارِ ...... ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ[3]

(ترجمہ) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ان دو بیٹوں کا حال پوچھا جو قبل از اسلام رخصت ہو چکے تھے تو آپؐ نے فرمایا وہ آگ میں ہیں۔ پھر حضرت خدیجہؓ کے استفسار پر قبول اسلام کے بعد ان کے پیٹ سے ہونے والے اپنے صاحبزادے کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنتی ہے اور استدلالاً یہ آیت تلاوت فرمائی وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ (الآیۃ) کہ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ان کی پیروی کی (الآیۃ)[4]

(۱۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَخَذَ اللّٰهُ الْمِيثَاقَ مِنْ ظَهْرِ آدَمَ بِنَعْمَانَ يَعْنِي عَرَفَةَ فَأَخْرَجَ مِنْ صُلْبِهِ كُلَّ ذُرِّيَّةٍ ذَرَأَهَا فَنَثَرَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالذَّرِّ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ قُبُلًا قَالَ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص۲۰ [2] والشمس پ۳۰ ع۱۶ [3] مشکوٰۃ ص۲۳ احمد [4] سورہ طور پ۲۷ آیت ۲۱۔

اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِیْنَ اَوْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَا اَشْرَکَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا ذُرِّیَّۃً مِّنْ بَعْدِھِمْ اَفَتُھْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ (رواہ احمد) مشکوٰۃ ص۲۴

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباسؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی ہونے والی اولاد سے مقام عرفہ میں عہد لیا آپ کی پشت سے پیدا ہونے والی ساری اولاد کو آپ کے سامنے چیونٹیوں کی طرح پھیلا کر اُن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا (الآیۃ) کیا میں نہیں تمہارا رب۔ بولے ہاں ہے۔ ہم اقرار کرتے ہیں۔ کبھی کہنے لگو قیامت کے دن۔ ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی۔ یا کہنے لگو کہ شرک تو نکالا تھا ہمارے باپ دادوں نے ہم سے پہلے اور ہم ہوئے ان کی اولاد ان کے پیچھے تو کیا تو ہم کو ہلاک کرتا ہے اس کام پر جو کیا گمراہوں نے [1]

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم خَطًّا ثُمَّ قَالَ ھٰذَا سَبِیْلُ اللّٰہِ ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطًا عَنْ یَمِیْنِہٖ وَعَنْ شِمَالِہٖ وَقَالَ ھٰذِہٖ سُبُلٌ عَلٰی کُلِّ سَبِیْلٍ مِّنْھَا شَیْطَانٌ یَدْعُوْ اِلَیْہِ وَاقْرَءُوْا اِنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ (رواہ احمد والنسائی) [2]

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک لکیر کھینچی اور فرمایا کہ یہ خدا کی راہ ہے۔ پھر دائیں بائیں مختلف لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ شیطان کے راستے ہیں ہر راستے پر بلانے کے لئے شیطان موجود ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ [3] بے شک یہ راستہ ہی سیدھا ہے اس کی پیروی کرو۔

(۱۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَفَاتِیْحُ الْغَیْبِ خَمْسٌ ثُمَّ قَرَءَ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ (الآیۃ) رواہ البخاری [4]

ترجمہ:۔ حضرت ابن عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا غیب کے پانچ خزانے خاص ہیں (خدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں) پھر یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ (الآیۃ) کہ بے شک قیامت کا علم، بارش کا وقت، بچے کی حقیقت، مستقبل کا مال اور مرنے کا مقام خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا [5]

(۱۵) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ لَیُمْلِیْ الظَّالِمَ حَتّٰی اِذَا اَخَذَہٗ لَمْ یُفْلِتْہُ ثُمَّ قَرَءَ وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ الآیۃ (متفق علیہ) [6]

---

[1] سورہ اعراف پ۹ ع۲۱ - آیت ۱۷۲-۱۷۳ [2] مشکوٰۃ شریف ص۳۰ [3] سورۃ انعام پ۸ آیت ۱۵۳

[4] مشکوٰۃ شریف ص۱۳۲ [5] سورۃ لقمان پ۲۱ آیت آخری [6] مشکوٰۃ شریف ص۴۳۵

ترجمہ :- حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ضرور ڈھیل دیتے ہیں لیکن جب گرفت فرماتے ہیں تو رہائی کی کوئی صورت بن نہیں پاتی۔ اس پر بطور استدلال کے یہ آیت تلاوت فرمائی وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ "کہ تیرے رب کی پکڑ ایسی (سخت) ہے۔ جب وہ بستیوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے پکڑ لے[۱]

(۱۶) وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّوَاوِيْنُ ثَلٰثَةٌ وَيٰوَانٌ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ الْاِشْرَاكَ بِاللّٰهِ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ (بیہقی[۲])

حضرت ام المومنینؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ کی تین عدالتیں ہیں جن میں ایک عدالت میں کسی قسم کی بخشش نہ ہوگی اور وہ عدالت ہے جس میں شرک کے مقدمے فیصل ہوں گے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ[۳]

کہ بے شک اللہ تعالیٰ شرک معاف نہیں فرمائیں گے۔

(۱۷) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَاِذَا طَلَعَتْ وَرَاٰهَا النَّاسُ اٰمَنَ مَنْ عَلَيْهَا فَذٰلِكَ حِيْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا[۴]

(ترجمہ) حضرت ابوہریرۃؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک آفتاب مغرب سے طلوع نہ ہو اور جب لوگ آفتاب کو مغرب سے طلوع ہوتا دیکھ لیں گے تو روئے زمین کے سب لوگ خدا پر ایمان لے آئیں گے۔ سو یہ وہ وقت ہوگا جب کسی شخص کا ایمان لانا اسے فائدہ نہ پہنچائیگا۔ جب تک کہ پہلے سے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو۔

آپؐ نے اپنے اس بیان پر قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی۔ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا[۵]

دیکھئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیث اور قرآن میں کس گہرے ربط کا اظہار فرما رہے ہیں۔ گویا حدیث منبع قرآن سے ہی ایک چشمہ پھوٹا ہے اور اس میں قرآنی جلال وجمال ہی اپنی لہریں دکھا رہے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن وحدیث کا جو ربط بیان فرما رہے ہیں وہ اس حدیث سے واضح ہے

---

[۱] سورۃ ہود پ ۱۲ آیت ۱۰۲ [۲] مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۵ [۳] سورۃ النساء پ ۵ آیت ۱۱۶۔
[۴] مسند احمد ص ۲۳۱ ج ۲، ص ۳۱۳ ج ۲، ص ۳۶۸ ج ۲، ص ۵۳۰ ج ۲ [۵] پ ۸ الانعام ع ۲۰

کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ حدیث قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش ہے۔ اگر ایسا ہوتا حدیث پر قرآن کے اتنے وسیع سائے ہرگز نہ پھیلتے۔

(۱۸) اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجدوں میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ بہت پڑھتے ہیں تو آپ کی نظر قرآن مجید کی اس آیت پر گئی، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا [1] (ترجمہ) سو آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے، بے شک وہ توبہ قبول کرنیوالے ہیں۔ اس میں تسبیح تحمید اور طلب مغفرت تینوں کا ذکر ہے۔ اور حضورؐ کی مذکورہ دعا میں بھی یہ تین باتیں موجود ہیں قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُكْثِرُ اَنْ یَقُوْلَ فِیْ رُكُوْعِهٖ وَ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ یَتَاَوَّلُ الْقُرْاٰنَ۔[2]

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجدوں میں سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ بہت پڑھتے تھے۔ آپ اپنے اس عمل سے مُرادِ قرآن پوری فرماتے (جو سورۂ نصر میں مذکور ہے) "آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کریں اور اس سے مغفرت چاہیں" —— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کو اسلام کی مرکزی ہدایت نہ مانا ہوتا تو آپ کا عمل اس طرح قرآن کی عملی تشکیل نہ کرتا، آپ کے عمل اور قرآن پاک کی مذکورہ ہدایت میں تطبیق کس نے دیکھی؟ حضرت ام المومنین رضؓ نے .... معلوم ہوا، ان کے عقیدے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال قرآن ہی کی عملی تشکیل تھے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کا عقیدہ یہ تھا کہ اگر کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کوئی ایسی بات روایت کر رہا ہے جو بظاہر مضمونِ قرآن سے ٹکرا رہی ہے تو وہ بات ہرگز حضورؐ نے کہی یا کی نہ ہوگی۔ سو بایں صورت وہ راوی ایک غلط بات کہہ رہا ہوگا۔ امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت اُم المومنین رضؓ نے فرمایا:۔ قَالَتْ مَنْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰی رَبَّهٗ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَی اللّٰهِ الْفِرْیَةَ قَالَ وَكُنْتُ مُتَّكِئًا فَجَلَسْتُ فَقُلْتُ یَا اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْظِرِیْنِیْ وَلَا تُعْجِلِیْنِیْ اَلَمْ یَقُلِ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ۞ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی۔ فَقَالَتْ اَنَا اَوَّلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ سَاَلَ عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا هُوَ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَمْ اَرَهُ عَلٰی صُوْرَتِهِ الَّتِیْ خُلِقَ عَلَیْهَا غَیْرَ هَاتَیْنِ الْمَرَّتَیْنِ رَاَیْتُهٗ مُنْهَبِطًا مِنَ السَّمَاءِ سَادًّا عِظَمُ خَلْقِهٖ مَا بَیْنَ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ فَقَالَتْ اَوَلَمْ تَسْمَعْ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ

[1] پ۳۰ سورۃ النصر [2] صحیح بخاری صہ۴۲، ج۲

يَقُوْلُ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ اَوَلَمْ تَسْمَعْ اَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا۔ قَالَتْ وَمَنْ زَعَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَمَ شَيْئًا مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ وَاِنَّهُ يَقُوْلُ يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ قَالَتْ وَمَنْ زَعَمَ اَنَّهٗ يُخْبِرُ مَا يَكُوْنُ فِيْ غَدٍ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ [1]

ترجمہ:۔ آپؓ نے فرمایا کہ جو شخص اس بات کا مدعی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ اس نے خدا پر بہت بڑا جھوٹ بولا[2] ہے (راوی کہتے ہیں) میں سہارا لگائے بیٹھا تھا۔ ام المؤمنین کی بات سن کر سیدھا بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ ام المؤمنین مجھے بھی سوال کرنے کا موقع دیجئے اور فتویٰ دینے میں) اتنی جلدی نہ فرمایئے، کیا قرآن مجید میں یہ موجود نہیں وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ[3] (آپ نے اس کو افق مبین پر دیکھا۔) وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى[4] (تحقیق آپ نے ایک مرتبہ اور دیکھا) ام المؤمنین نے سنکر فرمایا اس اُمت میں سب سے پہلے میں نے ہی اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ میں نے انہیں دو مرتبہ کے سوا اصلی صورت میں نہیں دیکھا۔ میں نے انہیں معراج شریف میں آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا۔ ان کے جسم اور پروں کی وسعت زمین و آسمان کی درمیانی فضاء کو گھیرے ہوئے تھی۔ پھر آپؓ نے استدلال کے طور پر فرمایا کیا تم نے قرآن میں نہیں سنا اللہ جل شانہ فرماتے ہیں لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ[5] (آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں اور وہ باریک بین خبر رکھنے والا ہے) ایک اور جگہ فرماتے ہیں وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا[6] (کوئی انسان اللہ جل شانہٗ سے بجز تین صورتوں کے ہم کلام نہیں ہو سکتا۔ (1) بذریعہ وحی (2) بصورت حجاب (3) بواسطہ جبریل امین۔)

ام المؤمنینؓ نے مزید فرمایا کہ جو شخص اس بات کا مدعی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ سے بعض چیزوں کو چھپا لیا ہے وہ بھی رسولِ خدا پر بہتان باندھتا ہے۔ حالانکہ اللہ ارشاد فرما رہے ہیں يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ[7] اے پیغمبر! جو کچھ آپ پر نازل

---

[1] صحیح مسلم ص ۹۸ ج ۱ [2] حضرت ام المؤمنینؓ رویت بالاحاطہ کے زعم کی نفی فرما رہی ہیں مطلق رویت کی نہیں
[3] پ ۳۰ تکویر ع ۱ [4] پ ۲۷ النجم ع ۱ [5] پ ۷ انعام ع ۱۳ [6] پ ۲۵ الشوریٰ ع ۵ [7] پ ۶ المائدہ ع ۱۰

کیا گیا اسے لوگوں تک پہنچا دیں اور اگر آپ ایسا نہ کریں تو آپؐ نے فریضۂ رسالت کا حق ادا نہیں کیا)
پھر فرمایا کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کل آئندہ کے بارے میں خبر دے سکتے تھے (کہ کیا پیش آنے والا ہے یعنی عالم الغیب تھے) تو وہ بھی خدا پر جھوٹ باندھتا ہے اس لئے کہ رب العزت فرماتے ہیں قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ زمین و آسمان میں غیب کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا ——— قارئین غور فرمائیں کہ حضرت ام المومنینؓ کس طرح ایک ایک قدم پر قرآن کریم کی رہنمائی کی طرف متوجہ فرما رہی ہیں۔ کیا یہ احادیث قرآن کریم کی توضیح و تشریح ہے یا اس کے خلاف ایک عجمی سازش ہے؟

(۱۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک سے اس طرح وابستہ رہے کہ ایک آیت جو کسی خاص موضوع پر اتری ہو اور اس طرح کا کوئی دوسرا حکم اس کے علاوہ موجود ہو۔ تو آپ کو اس آیت سے وہ دوسرا حکم بھی یاد آجاتا تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں:-

لَمَّا نَزَلَتِ الْاٰیَاتُ الْاَوَاخِرُ مِنْ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی النَّاسِ ثُمَّ حَرَّمَ التِّجَارَۃَ فِی الْخَمْرِ ؎۲

جب سورۃ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر تشریف لے جا کر شراب کی تجارت کے حرام ہونے کا اعلان فرمایا) امام بخاریؒ نے اس حدیث پر باب باندھا ہے۔ باب قولہ یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰو وَیُرْبِی الصَّدَقَاتِ ——— سورۂ بقرہ کی آخری آیات سود کے بارے میں ہیں۔ سود کی حرمت سے شراب کی حرمت کی طرف متوجہ ہو جانا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوق قرآنی اور قرآن کریم کے وسیع پھیلے ہوئے سایۂ علمی کی خبر دیتا ہے۔ (۲۰) وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

مَا مِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ کُتِبَ مَقْعَدُہٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُہٗ مِنَ الْجَنَّۃِ قَالُوْا اَفَلَا نَتَّکِلُ عَلٰی کِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ قَالَ اعْمَلُوْا فَکُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ ؎۳

(ترجمہ) حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر آدمی کا ٹھکانا جنت یا جہنم میں لکھا جا چکا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر ہم اپنے لکھے ہوئے پر اکتفا نہ کرلیں؟ اور عمل کو چھوڑ دیں۔ ارشاد فرمایا (نہیں) عمل کرو۔ ہر ایک شخص کو اسی چیز کی توفیق ہو گی جو اس کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت سے استشہاد فرمایا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:- ثُمَّ قَرَءَ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی۔ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی ؎۴

؎۱ پ النمل ع ۵ ؎۲ صحیح بخاری ص ۶۵۱ جلد ۲ ؎۳ متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۲۰ ؎۴ پ ۳۰ واللیل ع ۱

(ترجمہ) سو جس نے دیا اور ڈرتا رہا اور سچ جانا بھلی بات کو اسے ہم عنقریب پہنچائیں گے آسانی میں اور جس نے نہ دیا اور بے پرواہ رہا اور جھوٹ جانا بھلی بات کو، اسے ہم عنقریب پہنچائیں گے تنگی میں۔

آیت کریمہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استشہاد حدیث پر قرآن کریم کے پھیلے ہوئے وسیع سائوں کی خبر دیتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کا حضورؐ کی حدیث بیان کرتے وقت قرآن سے استشہاد کرنا

صحابہ کرامؓ کا عقیدہ تھا کہ بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور وہ تمام امور جن کو آپ نے اپنے سکوت سے سند بخشی، اسلام میں قانونی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن یہ سب حضرات جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سکھلایا اور اس کا بیان سمجھایا ہے۔ سو قرآن کریم کو وہ بلاشبہ منبع العلم اور اصل الاصول جانتے تھے اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ مضمون پر قرآن کریم کی کوئی آیت بھی پڑھ دیتے تھے۔ یہ اس لئے نہیں کہ اس آیت سے اس مضمون کو سند فراہم کرنے کی ضرورت تھی بلکہ اس لئے کہ قرآن و حدیث میں ایک لطیف ربط ہمیشہ اُمّت کے سامنے رہا ہے۔ فرمودۂ رسالت تو ہر حال میں حجت اور سند ہے لیکن اس پر قرآن کی سربراہی بھی اپنی جگہ قائم رہنی چاہیئے۔

صحابۂ کرامؓ حاملین قرآن تھے ان پر بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ کا سایہ تھا وہ جہاں بھی موقع مناسب سمجھتے قرآن کریم کی اس اصولی حیثیت کا راز کھول دیتے اور یہ ارتباط کبھی استشہاد کی صورت بھی اختیار کر جاتا۔

یہاں سے ہم چند روایات پیش کرتے ہیں جن میں مختلف صحابہ کرامؓ نے حدیث کی صحت کے بارے میں قرآن پاک کے حوالے دیئے

(۱) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

تَفْضُلُ صَلٰوةُ الْجَمِيْعِ صَلٰوةَ اَحَدِكُمْ وَحْدَهٗ بِخَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ جُزْءً وتجتمع ملائكة الليل وملائكة النهار فی صلوة الفجر [۵۱]

ترجمہ:- تم میں سے ہر شخص کی جماعت کی نماز تنہا نماز سے پچیس درجے (ثواب میں) زیادہ ہے۔ اور رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے فجر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔

اس حدیث کو پیش کرنے کے بعد حضرت ابوہریرہؓ نے قرآن کریم سے اس پر استشہاد فرمایا۔

ثم یقول ابو ھریرۃؓ اقرءوا ان قرآن الفجر کان مشھودا [۵۲]

ترجمہ:- پھر ابوہریرہؓ نے کہا اگر چاہو تو تم یہ آیت بھی پڑھ لو۔ ان قرآن الفجر کان مشھودا۔

... ... بیشک قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے ان کا روبرو ہونا یعنی فرشتوں کا سامنے ہونا۔

اس قسم کی روایات پتہ دیتی ہیں کہ صحابہ کرامؓ اور محدثین عظام نے ہمیشہ حدیث کو قرآن کے تابع سمجھا ہے۔

---

[۵۱] صحیح بخاری شریف جلد ۲ صہ ۶۵۱۔ [۵۲] سورہ بنی اسرائیل ع ۹ پ ۱۵۔

(۲) حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت والے مؤمنین کرام گناہگار مؤمنین کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کی درخواست کریں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے نکال لو ہر اس شخص کو جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو۔ ارشاد ہوگا۔

اخرجوا من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ المصنف عبدالرزاق جلد نمبر ۱۱ صفحہ ۴۱۱

اس حدیث کو پیش کرتے ہوئے حضرت ابو سعیدؓ نے قرآن کریم کی ایک آیت تلاوت فرمائی اور کہا:۔

فمن لم یصدق بھذا الحدیث فلیقرء ھذہ الایۃ ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ و ان تک حسنۃ یضعفھا ویؤت من لدنہ اجرا عظیما [۱]	ترجمہ:۔ پس جو شخص اس حدیث کی تصدیق نہیں کرتا اس کو چاہئے کہ اس آیت کو پڑھے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اس کو دوگنا کر دیتا

ہے اور اپنے ہاں سے بڑا اجر و ثواب دیتا ہے۔

یہ وہی مضمون ہے جو حدیث کا ہے سو اب تو حدیث کی تصدیق ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ وہ صحیح تھی۔ غور کیجئے صحابۂ کرامؓ کس اہتمام سے حدیث کی تائید میں قرآن لا رہے ہیں۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ حدیث، قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش تھی۔

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ مکثرین حدیث میں سے ہیں ان کی مرویات میں قرآن کریم سے بہت استشہاد ملتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا نَخَسَہُ الشَّیْطَانُ اِلَّا ابْنَ مَرْیَمَ وَاُمَّہُ [۲]	ترجمہ: ہر بچہ کو پیدائش کے وقت شیطان چھیڑتا ہے اور اس کے چھیڑنے سے بچہ چلاتا ہے۔ سوائے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ کے

حضرت ابو ہریرہؓ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کی، امام احمد روایت کرتے ہیں۔

ثُمَّ قَالَ اَبُوْھُرَیْرَۃَ اِقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ اِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ [۳]	ترجمہ: پھر حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا پڑھو اگر چاہو اِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے۔

قرآن پاک میں یہ دعا والدہ مریم کی زبان سے ذکر کی گئی ہے اس کی قبولیت کی خبر مذکورہ بالا حدیث سے ملی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے اتنی مناسبت سے بھی حدیث پر آیت سے استشہاد کر دیا اس میں حدیث کی حجیت اپنی جگہ قائم ہے

---

[۱] سورۃ النساء ع ۴ پ ۵ قال ابو سعید فان لم تصدقونی فاقرء وا ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ صحیح البخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۰۷ [۲] مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ [۳] آل عمران ع ۴ پ ۳۔

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔

لَيُنْتَزَعَنَّ هٰذَا الْقُرْآنُ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِكُمْ يُسْرَى عَلَيْهِ فِي لَيْلَةٍ
فَلَا يَبْقَى فِي قَلْبِ عَبْدٍ مِنْهُ وَلَا مُصْحَفٍ مِنْهُ شَيْءٌ وَيُصْبِحُ النَّاسُ
فُقَرَاءَ كَالْبَهَائِمِ ۱؎

یہ قرآن تمہارے سامنے سے لے لیا جائے گا۔ اس پر ایک رات آئے گی کہ کسی بندے کے دل میں اس کا باقی نہ رہے گا۔ نہ کسی تحریر میں اس سے کچھ باقی رہے گا لوگ صبح کریں گے اس طرح کہ چوپایوں کی طرح بالکل خالی ہوکر رہ جائیں گے۔
محدث عبدالرزاق روایت کرتے ہیں کہ اس پر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے یہ آیت پڑھی۔

ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللّٰهِ وَلَئِنْ شِئْنَا
لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ
ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا ۲؎

ترجمہ: اور اگر ہم چاہیں تو لیجائیں اس چیز کو جو ہم نے تجھ کو وحی بھیجی پھر تو نہ پائے اپنے واسطے اس کے لانے کو ہم پر کوئی ذمہ دار۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جو قرآن پاک کے بہت بڑے جلیل القدر عالم تھے ——— کس طرح حدیث پر قرآن پاک سے سند لائے ہیں۔ دور اول میں حدیث اور قرآن اسی طرح ایک دوسرے کو لازم تھے اور حدیث کو کبھی بھی قرآن کے مقابلے ایک متوازی ماخذ نہیں سمجھا گیا تھا۔ امیرالمؤمنین حضرت عمرؓ سے مروی ہے

(۵) اُطْلُبُوا الْفَضْلَ فِي الْبَاءَ — اللہ کا فضل نکاح کی راہ سے طلب کرو۔

بعض اوقات بیوی کی قسمت سے خاوند کے لئے رزق کی راہیں وسیع ہوجاتی ہیں۔ انسان مالی تنگی میں مبتلا ہو تو ایک علاج یہ بھی ہے کہ نکاح کی کوشش کرے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس راہ سے اس محتاج کو غنی کردیں۔
حضرت عمرؓ نے اس پر یہ آیت پڑھی۔ محدث عبدالرزاق ہی روایت کرتے ہیں۔

وَتَلَا عُمَرُ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ ۳؎ — ترجمہ: اگر وہ فقراء بھی ہوں تو انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے غنی کردے گا۔

دیکھئے حضرت عمرؓ کس لطیف پیرائے میں اپنے موقف پر قرآن سے سند لاتے ہیں۔ اس صورت حال میں یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ حدیث دراصل قرآن کی ہی صدائے بازگشت ہے
حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ کوئی مسلمان کسی کتابی سے خراج یا جبایہ پر زمین لے سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں ۴؎ اس پر آپ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "ثم تلا"

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۵؎ الآیۃ توبہ رکوع ۴ پ ۱۰ -

---

۱؎ المصنف لعبدالرزاق جلد ۳ ص ۳۶۲ ۲؎ پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۱۰ ۳؎ المصنف لعبدالرزاق ص ۱۷۱ ج ۶ والآیۃ من سورۃ النور ع ۴ پ ۱۸

حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اہل کتاب کی اس درجے میں توقیر بھی قرآن پاک کے اس منشاء کے خلاف ہے کہ وہ کسی بات میں ماتحت نہ رہیں تم ماتحت ہو جاؤ۔ "لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر۔ اور آخرت کے دن پر اور دین حق کو اختیار نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ ماتحت ہو کر مسلمانوں کو جزیہ ادا کریں۔"

(۶) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔

عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالشِّرْكِ بِاللهِ ؎۱ جھوٹی شہادت شرک کے برابر گناہ شمار کی گئی ہے۔

اور اس پر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے استشہاداً یہ آیت پڑھی جسمیں شرک اور جھوٹی قسم کو یکجا ذکر کیا گیا ہے

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ ترجمہ: سو بچتے رہو بتوں کی گندگی سے "شرک سے"

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ؎۲ اور بچتے رہو جھوٹی بات سے (جھوٹی قسم سے)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا یہ لطیف استدلال اس بات کی خبر دیتا ہے کہ اکابر صحابہ قرآن کی گہرائی میں اترے ہوئے تھے۔ حدیث اگر قرآن کے خلاف ایک متبادل راہ ہوتی تو حدیث کا لٹریچر قرآنی دولت سے اس قدر مالا مال نہ ہوتا۔

(۷) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت صلعم کی وفات پر خطبہ دیا اور فرمایا۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللهَ فَاِنَّ اللهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ ؎۳

ترجمہ: پس جو تم میں سے محمدؐ کی عبادت کرتا ہے تو محمدؐ تو انتقال فرما گئے اور جو تم میں سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے جو نہیں مرے گا۔

اور پھر استشہاداً یہ آیت پڑھی امام بخاریؒ اسے نقل کرتے ہیں۔

ثم تلا هذه الآية۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللهُ الشّٰكِرِيْنَ ؎۴

ترجمہ: اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک رسول ہیں، آپ سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے پھر کیا اگر وہ فوت ہو گئے یا مارے گئے تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا۔ وہ ہرگز اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور اللہ ثواب دے گا شکر گزاروں کو۔

دیکھئے حضرت صدیق اکبرؓ اس نازک موقع پر کس صفائی سے قرآن پاک سے استدلال کر رہے ہیں۔ حضورؐ کی وفات کے بعد یہ آپ کا پہلا خطبہ تھا۔ گویا صحابہ کرام کا حضورؐ کی وفات کے بعد سب سے پہلا اجماع قرآن پاک کی اساسی سربراہی تھا۔

(۸) ترجمان القرآن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اِنَّ الرَّحِمَ تُقْطَعُ ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رحمی

؎۱ المصنف جلد ۶ صفحہ ۹۳ ؎۲ سورہ حج ۳۶ پ ۱۷ ؎۳ المصنف جلد ۵ صفحہ ۴۳۲ ؎۴ آل عمران ۱۵ پ ۴

وَاِنَّ النِّعْمَةَ تُكْفَرُ وَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اِذَا قَارَبَ بَيْنَ الْقُلُوْبِ لَمْ يُزَحْزِحْهَا شَيْءٌ اَبَدًا ؎ رشتے ٹوٹ بھی جاتے ہیں اور نعمتوں کی ناشکری بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن اللہ عزّ وجل جب دلوں کو جوڑ دے تو پھر کوئی طاقت انہیں متزلزل نہیں کر سکتی۔

حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ نے پھر اس پر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "ثم قرأ ابن عباس رضؓ"

وَلَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؎ ترجمہ: اگر تو خرچ کر دیتا جو کچھ اس زمین میں ہے سارا تو ہرگز ان کے دلوں کو جوڑ نہ سکتا یہ خدا ہے جس نے اُن کے دل جوڑ دیئے۔

اس میں بتایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو جوڑ دیں تو کوئی شخص انہیں ایک دوسرے سے جُدا نہ کر سکیگا۔

(۹) لَا تَعْرِضْ مَا لَا يَعْنِيْكَ وَاحْذَرْ عَدُوَّكَ وَاعْتَزِلْ صَدِيْقَكَ وَلَا تَاْمَنْ خَلِيْلَكَ اِلَّا الْاَمِيْنَ وَلَا اَمِيْنَ اِلَّا مَنْ خَشِيَ اللّٰهَ ؎ (فاروق اعظم) ترجمہ: جو چیز تمہیں نہ چاہیئے اس کے دَرپے نہ ہونا اپنے دشمن سے بچ کر رہنا دوست سے بھی کنارہ کشی کرنا اور اپنے آپ کو امانتدار ساتھی سے مامون نہ جاننا اور کوئی شخص امانتدار نہیں سوائے اس کے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔

اس پر حضرت عمر رضؓ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ الفاطر ع ۴ پ ۲۲ ترجمہ: اللہ سے اس کے بندوں سے ڈرتے وہی ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔

(۱۰) ایک شخص کا یہودی باپ مر گیا وہ زندگی میں تو اسکی خدمت کرتا رہا لیکن اس کے جنازے میں نہ گیا مُحدِّث عبدالرزاق روایت کرتے ہیں کہ اس پر حضرت عبداللہ بن عباس نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ پ التوبہ ع ۲ ترجمہ: پھر جب کھل گیا حضرت ابراہیم پر کہ وہ دشمن ہے اللہ کا تو اس سے ایک طرف ہوگیا۔

دیکھا صحابہ کس طرح روزمرّہ کی ضروریات میں قرآن سے استشہاد کرتے تھے۔ حدیث کی راہ سے قرآن پاک تک رسائی ان کے لئے بڑی دولت سمجھی جاتی تھی۔

زندگی میں باپ کے مسلمان ہو جانے کی اُمید بھی تھی جو اُسکی وفات پر اُٹھ گئی نیز خدمت والدین انکی ضرورت پر موقوف ہے۔ ایمان پر نہیں۔ والدین غیر مسلم بھی ہوں اور خدمت کے محتاج ہوں تو اولاد پر اُن کا حق ہے۔ ہاں موت مسلم اور غیر مسلم میں اَبدی فاصلہ قائم کر دیتی ہے۔

؎ المصنف لعبدالرزاق جلد ۱۱ ص۱۷۱ ؎ الادب المفرد للبخاری ص۱۱۳ ؎ سورۃ انفال ع ۸ پ ۱۰ ؎ المصنف جلد ۱۱ ص۴۹۸

تابعین کرامؒ کا مضمون کو قرآن کی طرف لوٹانا

قرآن کی سربراہ حیثیت صرف عہد صحابہؓ تک نہیں رہی، اکابر تابعین بھی مسائل بیان کرتے وقت کبھی کبھی آیت کی تلاوت کر دیتے تھے اور یہ بات ان کے حلقۂ درس میں عام تھی کہ علم کے ماخذ میں قرآن شریف کو بلاشبہ سبقت حاصل ہے احادیث قرآن کریم کی شرح میں قرآن کے خلاف بغاوت نہیں نہ اس میں کوئی سازش ہے۔

(۱) ابن جریج کہتے ہیں انہوں نے حضرت عطاءؒ (۱۱۴ھ) سے تدبیر غلام کے بارے میں ایک مسئلہ پوچھا آپ نے اس کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پیش کی کہ اگر اس کے پاس اس غلام کے سوا اور کوئی مال نہیں تو اسے اپنے غلام کو کسی رقم پر آزاد ہونے کا عہد نہ دینا چاہیئے اور پھر اس مضمون کو قرآن کریم کی طرف لوٹاتے ہوئے ایک آیت پڑھ دی۔ سوال وجواب درج ذیل ہے۔ دیکھیئے المصنف جلد ۹ ص ۱۳۸

ایدبر الرجل عبدہ لیس له مال غیرہ قال لا ثم ذکر فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی العبد الذی دبر علی عهدہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اغنی عنه من فلان ثم تلا عطاء والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا

ترجمہ:- کیا کوئی شخص جس کے پاس ایک غلام کے سوا اور کوئی مال نہیں غلام کی تدبیر کر سکتا ہے (وصیت کردے کہ یہ میرے بعد آزاد ہے) آپ نے فرمایا نہیں اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ذکر کی جو آپ نے اپنے دور میں اس غلام کے بارے میں جو اپنے مالک کی وفات کے بعد آزاد ہونا تھا ارشاد فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس غلام سے اس مالک کی نسبت غنی ہے[۱]۔ پھر حضرت عطاءؒ نے اس پر یہ آیت پڑھ دی۔

" اور اللہ کے بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کریں تو نہ بے جا اڑائیں اور نہ تنگی[۲] سے کام لیں اور ہے اس کے بیچ میں درمیانی راہ۔

علماء تابعین کا انداز عمل بتاتا ہے کہ حدیث ان کے ہاں قرآنی عمومات کے سائے ہی میں پڑھی اور سنی جاتی تھی۔

(۲) امام تفسیر حضرت مجاہدؒ نے فرمایا[۳] کل مؤمن شہید، مومن کسی نہ کسی درجے میں شہید ہے۔ اس پر قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی عن مجاهد قال کل مؤمن شهید ثم تلا والذین اٰمنوا باللہ ورسله اولٰئک هم الصدیقون والشهداء عند ربهم[۴]

---

[۱] یعنی اس غلام کو اللہ کی راہ میں آزاد کرنے کی نسبت اسے اپنے وارثوں کا خیال کرنا چاہیئے کہیں وہ تو تنگدستی میں نہ گھر جائیں گے اللہ تعالیٰ غنی ہے اس کی راہ میں کچھ نہ بھی دیا جائے تو اس کا کچھ نقصان نہیں۔ [۲] پ ۱۹ سورۃ الفرقان ع ۳ [۳] المصنف جلد ۵ ص ۲۶۹
[۴] پ ۲۷ سورۃ الحدید ع ۲

ترجمہ۔ مومن شہید ہے آپ نے اس پر یہ آیت تلاوت کی وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ۔ ترجمہ اور وہ لوگ جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر وہی سچے ایمان والے اور شہید ہیں۔

حضرت مجاہدؒ کا یہ لطیف استدلال آپ کے سامنے ہے۔ دیکھا تابعینؒ حضرات کس طرح بات بات پر قرآن کریم سے تمسک کرتے تھے۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ حدیث قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش تھی۔

(۳) حضرت ابن جریجؒ نے حضرت عطاء سے پوچھا۔

اَلرَّجُلُ يُطَلِّقُ وَلَا يُبَيِّتُهَا اَيْنَ تَعْتَدُّ؟ مرد طلاق دے عورت کو اور رات گزارنے کی جگہ نہ دے تو عورت عدت کہاں گزارے۔ آپ نے فرمایا فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا الَّذِيْ كَانَتْ فِيْهِ "اپنے خاوند کے گھر جہاں وہ رہتی تھی۔ ابن جریج نے پوچھا اگر خاوند اجازت دیدے کہ وہ اپنے گھر والوں کے ہاں رہ سکیں آپ نے فرمایا نہیں (قَالَ لَا قَدْ شَرَكَهَا اِذًا فِي الْاِثْمِ) اس صورت میں اگر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس گناہ میں وہ خاوند بھی شریک ہو گا۔ یعنی وہ اپنے گھر والوں کے ہاں نہ جائے۔ اس پر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ثُمَّ تَلَا ـــــ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ [۱]

"پھر آیت پڑھی۔ اور نہ نکلیں وہ عورتیں جنہیں طلاق ہوئی" اپنے گھر سے مگر جو کریں صریح بے حیائی۔

ابن جریجؒ نے پوچھا کیا یہ آیت اس باب میں ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں [۲] یہ روز مرہ کے مسائل ہیں۔

آپ نے دیکھا تابعین حضرات اپنی اپنی ان ضروریات میں کس طرح قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حق یہ ہے کہ حدیث پر قرآن کے سائے بہت دور تک پھیلے گئے ہیں۔ اور صحابہؓ وتابعینؒ نے حدیث کو ہمیشہ قرآن کریم کے تحت سمجھا۔ حدیث قرآن کے خلاف کوئی متبادل ماخذ علم ہرگز نہ سمجھی گئی تھی۔

(۴) حضرت مجاہدؒ نے فرمایا عیسائی باندی سے نکاح نہ کیا جائے اور اس پر آیت سے استشہاد فرمایا۔

محدث عبدالرزاقؒ روایت کرتے ہیں۔

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ فِيْ مَمْلُوْكَةٍ نَصْرَانِيَّةٍ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَّتَزَوَّجَهَا الْمُسْلِمُ اَلَمْ تَسْمَعِ اللّٰهَ يَقُوْلُ مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ [۳]

ترجمہ: حضرت مجاہدؒ سے عیسائی باندی کے بارے میں مروی ہے کہ اس سے مسلمان نکاح نہ کرے۔ اس پر آپ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی اور کہا کیا نہیں سنا تم نے اللہ تعالیٰ کا فرمان وہ کہتا ہے مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ۔ "وہ جو تمہاری باندیاں ہیں مسلمان" پوری آیت یہ ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ [۴]

---

[۱] پ ۲۸ سورۃ الطلاق ع ۱۔ [۲] المصنف جلد ۷ ص ۳۳ [۳] المصنف جلد ۷ ص ۲۴۹ [۴] پ ۵ سورۃ ۴ ع ۱

مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ[۱] ترجمہ۔ اور جو تم میں سے مومن آزاد عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھے تمہاری ان باندیوں سے جو مسلمان ہوں نکاح کرلے۔ یہ کبار تابعینؒ حدیث کو قرآن کے مقابل ایک متوازی ماخذ علم سمجھتے تو کتب حدیث میں قرآن پاک سے اس طرح کے استدلال ہرگز نہ دیکھے جاتے۔ اس قسم کی روایات عملی طور پر بتارہی ہیں کہ حدیث کے لٹریچر میں قرآن کی سربراہی ہر پہلو سے مسلم رہی ہے۔

مرویات حدیث پر قرآن کے سائے محدثین کے ہاں مرویات حدیث کا قرآن پاک سے اتصال قائم کرنا ایک بلند پایہ علمی ذوق سمجھا جاتا ہے۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ جہاں تک ہوسکے اس کی قرآنی اصل کو ساتھ ساتھ ملحوظ رکھا جائے کبھی وہ حدیث کو روایت کرتے وقت اس مضمون کی قرآنی اصلیں بھی تلاش کرتے۔ اس وقت ہمارے سامنے محی السنۃ ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی ۵۱۶ھ کی شرح السنۃ رکھی ہے۔ اس کا باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ملاحظہ کیجئے اور امام بغویؒ کا ذوق حدیث دیکھئے۔

محدثین کے ہاں حدیث پر قرآن کے سائے کتنے گہرے ہیں۔ امام بغویؒ اسے اس طرح شروع کرتے ہیں

قال اللہ سبحانہ تعالیٰ۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ[۱]

ترجمہ۔ بے شک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی جس سے اللہ ہدایت کرتا ہے اس کو جو تابع ہوا اس کی رضا کا۔ سلامتی کی راہیں۔

(۲) وَقَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا[۲]

اور مضبوط پکڑو اللہ کی رسی کو سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو۔

حبل اللہ عهدہ وقال ابو عبید الاعتصام بحبل اللہ هو اتباع القرآن وترك الفرقة[۳]

ترجمہ:۔ اللہ کی رسی اللہ کا عہد ہے۔ ابوعبیدہؒ فرماتے ہیں اعتصام بحبل اللہ کا مطلب اتباع قرآن کرنا اور تفرقہ کو چھوڑنا ہے۔

(۳) وَقَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ[۴] يعنى اِتَّبِعُوا الْقُرْاٰنَ[۵] ترجمہ:۔ اور چلو بہتر بات پر جو اتری تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے۔ اور آگے بھی مختلف مواقع سے پندرہ کے قریب آیات قرآنی ذکر کی گئی ہیں۔

---

[۱] پ۶ المائدہ آیت ۱۵-۱۶ [۲] پ۴ آل عمران آیت نمبر ۱۰۳ [۳] شرح السنۃ للبغوی جلد نمبر ۱ ص

[۴] پ۲۴ الزمر آیت ۵۵ [۵] شرح السنۃ البغوی جلد ۱ ص۱۸۹

صحیح بخاری کا کتاب الجمعہ یوں شروع ہوتا ہے۔ باب فرض الجمعہ لقولہ تعالیٰ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ وذروا البیع ص۱۲۱ ـــــ ابواب الکسوف سے پہلے ہے باب قول اللہ عزوجل وتجعلون رزقکم انکم تکذبون ، ص۱۴۱ ـــــ کتاب الزکوٰۃ یوں شروع ہے۔ باب وجوب الزکوٰۃ وقول اللہ عزوجل واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ ، ص۱۸۶ ـــــ پھر اگلے صفحہ پر ہے۔ باب مانع الزکوٰۃ وقول اللہ تعالیٰ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ ص۱۸۸ ـــــ کچھ آگے چلیئے۔ باب قول اللہ تعالیٰ لا یسئلون الناس الحافا ..... للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ جلد ا ص۱۹۹

امام بخاریؒ کتاب المناسک (حج) کا آغاز یوں کرتے ہیں۔ باب وجوب الحج وفضلہ وقول اللہ تعالیٰ وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا جلد ا ص۲۰۵ ـــــ پھر آگے دیکھیئے باب فضل الحرم وقولہ انما امرت ان اعبد رب ھذہ البلدۃ التی حرمھا .... وقولہ اولم نمکن لھم حرما امنا ..... ان الناس فی المسجد الحرام سواء خاصۃ لقولہ ان الذین کفروا ویصدون عن سبیل اللہ والمسجد الحرام الذی جعلناہ للناس سواء العاکف فیہ والباد ، ص۲۱۶ ـــــ پھر اس سے آگے ہے۔ باب قول اللہ واذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا البلد امنا ص۲۱۷ ـــــ آگے چلیئے۔ باب فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی ، ص۲۲۸ باب رکوب البدن لقولہ والبدن جعلناھا لکم من شعائر اللہ ، ص۲۲۹ ـــــ پھر کتاب البیوع یوں شروع ہوتا ہے۔ وقولہ واحل اللہ البیع وحرم الربوا۔ وقولہ الا ان تکون تجارۃ حاضرۃ تدیرونھا بینکم باب ما جاء فی قول اللہ تبارک وتعالیٰ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ ـــــ وقولہ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ، ص۲۷۴

باب قصہ غزوہ بدر وقول اللہ تعالیٰ ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلہ .... وقولہ تعالیٰ واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم جلد ۲ ص۵۶۳ ـــــ باب قول اللہ تعالیٰ اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم ۲ ص۵۶۴ ـــــ باب قول اللہ عزوجل

ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء ۲ ص۲۵

ہم کہاں تک ان ابواب کا استقصاء کریں. جگہ جگہ احادیث کو قرآنی آیات کے تاج پہنائے گئے ہیں. صحیح بخاری کا پورا سلسلہ اسی طرح قرآن کے سائے میں آگے تک پھیلتا گیا ہے کتاب التفسیر تو اس کا ایک مستقل بڑا باب ہے. جس میں تقریباً ہر سورت کے تحت کچھ روایات پیش کی گئی ہیں. کیا اب بھی کوئی صاحب علم و دیانت یہ بات کہہ سکتا ہے کہ تدوینِ حدیث دراصل قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش تھی. جس کا مقصد لوگوں کو قرآن کریم سے دور کرنا تھا

——— سبحانک ھذا بہتان عظیم.

حضرت امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کے باب خود نہیں باندھے. اس لیے اب ہم سنن نسائی (۳۰۳ھ) کی طرف رجوع کرتے ہیں. قرآن کریم میں ہے :-

واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون (پ۹ الاعراف آخرین)

ترجمہ. قرآن کریم جب پڑھا جائے تو اس کی طرف پوری طرح کان دھرو اور چپ رہو. تاکہ تم پہ رحم کیا جائے.

اس میں کافروں کو بھی متنبہ کیا گیا ہے جو قرآن پڑھے جانے پر شور کرتے تھے اور لغو کلامی کرتے تھے کہ چپ رہو اور اسے سنو. ہو سکتا ہے تم رحمتِ خداوندی (دائرہ اسلام) میں آجاؤ. لیکن آیت چونکہ نماز کے بارے میں اتری تھی[1]

اس لیے مسلمانوں کو پابند کیا گیا کہ جب امام قرآن پڑھے (سورہ فاتحہ ہو یا اس کے بعد کی سورت)، تو مقتدی امام کی طرف کان لگائے رہیں خود نہ پڑھیں چپ رہیں ——— امام نسائیؒ اس آیت سے باب باندھتے ہیں اور اس کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ جب امام پڑھے تو تم چپ رہو. اذا قرأ فانصتوا. امام مسلمؒ اپنی صحیح میں حضرت

---

[1] حافظ ابن تیمیہؒ حضرت امام احمدؒ سے نقل کرتے ہیں. قال احمد اجمع الناس علی انھا نزلت فی الصلوٰۃ. فتاوی ابن تیمیہ جلد ۲ ص۱۴۲ امام تفسیر عبید بن عمیر (۷۴ھ) اور حضرت عطا بن ابی رباح (۱۱۴ھ) سے بھی اس طرح منقول ہے. انما ذالک فی الصلوٰۃ تفسیر ابن جریر جلد ۹ ص۱۱۰ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص۶۲۳

ابوہریرۃؓ کی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ صحیح ہے۔[1]

امام نسائی کا ترجمۃ الباب ملاحظہ ہو:۔

تاویل قولہ عزوجل واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون ـــ

اخبرنا الجارود بن معاذ الترمذی.... عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا۔ جلد ۱ صـ ۱۴۶

کتاب الحج میں ایک باب ملاحظہ ہو۔ قولہ عزوجل خذوا زینتکم عند کل مسجد۔ جلد صـ ۳۸

کتاب النکاح میں دیکھیں۔ تاویل قول اللہ عزوجل والمحصنات من النساء الا ما ملکت ایمانکم ۲ صـ ۹۴۔ تاویل قولہ تعالیٰ یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک ۲ صـ ۱۰۲ ـــ تاویل قولہ عزوجل ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ ۲ صـ ۲۰۰ ـــ تاویل قولہ تعالیٰ عزوجل وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط ۲ صـ ۲۳۹ ـــ تاویل قولہ عزوجل فمن عفی لہ من اخیہ شیٔ فاتباع بالمعروف ۲ صـ ۲۴۴ ـــ تاویل قول اللہ عزوجل ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون ۲ صـ ۳۰۵ ـــ تاویل قول اللہ عزوجل وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین جلد ۱ صـ ۳۱۸ ـــ تاویل قولہ عزوجل ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون جلد ۱ صـ ۳۴۵ ـــ قولہ عزوجل ولا تجھر بصلوٰتک ولا تخافت بھا۔ جلد صـ ۱۵۰

امام نسائی اپنی سنن کا آغاز ہی اس طرح کرتے ہیں:۔

ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن بحر النسائیؒ تاویل قولہ عزوجل اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق۔

سنن نسائی کی یہ بارہ شہادتیں بہ بانگ دہل کہتی ہیں کہ محدثین نے حدیث کو ہمیشہ قرآن کے ماتحت جگہ دی ہے اسے قرآن کے مقابل نہیں رکھا اور نہ حدیث کا مقصد لوگوں کو معاذ اللہ قرآن سے دور کرتا تھا۔ اگر حدیث لوگوں کو قرآن سے دور کرنے کی کوئی سازش ہوتی

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صـ ۱۷۴ امام مسلم نے حضرت ابوہریرۃؓ کی حدیث کو اپنی صحیح میں جگہ نہیں دی کیونکہ اس پر سب کا اتفاق نہ تھا۔ ہاں آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت سے اس حدیث واذا قرأ فانصتوا کو اپنی صحیح میں پوری سند سے روایت کیا ہے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے۔

تذ غائر حدیث کی ترتیب اس انداز میں نہ ہوتی جس کی پچیس نظائر صحیح بخاری سے بارہ نظائر سنن نسائی سے اور نو نظیریں امام بغوی سے ہم آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں ——

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں کئی دفعہ کتاب اللہ کی سبقت کا ذکر فرمایا ہے اور وہ احادیث انہی محدثین نے روایت کی ہیں، جن کے خلاف عجمی سازش کے کردار ہونے کا الزام ہے ۔ بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بو العجبیست - امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) کی شہادت بھی لیجئے ۔ حضور اکرم صلی اللہ وسلم طواف کی دو رکعتوں سے فارغ ہو کر سعی کے لئے نکلے تو آیت ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ - ورد زبان تھی ۔ آپ نے صفا سے سعی کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

نبدأ بما بدأ اللہ بہ فبدا بالصفا ورقیٰ علیہ حتیٰ رای البیت وکبر اللہ و وحدہ[1]

ترجمہ: ہم سعی وہاں سے شروع کرتے ہیں ۔ جہاں سے خدا تعالیٰ نے اس (حکم) کو شروع کیا ۔ آپ نے صفا سے اُسے شروع کیا کوہ صفا پر چڑھے اور آپ نے بیت اللہ شریف کو دیکھا اور تکبیر کہی اور اللہ رب العزت کی توحید کا کلمہ (لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ) کہا ۔

اب آپ ہی کہیں حدیث کا یہ طرز بیان اور محدثین کا یہ انداز روایت قرآن کریم کو ساتھ لے کر چلتا ہے یا یہ قرآن کریم سے دُور کرنے کی ایک سکیم ہے ۔ روایات میں ترکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وانی قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہ ان اعتصمتم بہ کتاب اللہ[2]

ترجمہ: اور میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اُسے تھام لیا تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ اللہ کی کتاب ہے ۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ صہ ۲۶۲ [2] ایضاً ج ۱ صہ ۲۶۳

کیسے احادیث میں بھی قرآن کریم کی طرف رغبت دلائی گئی ہے یا ان میں مسلمانوں کو قرآن سے دُور کیا گیا ہے؟

سنن ابن ماجہ کو دیکھئے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچا۔ دو لکیریں اس کی دائیں طرف لگائیں اور دو بائیں طرف اور خط اوسط (درمیانی لکیر) پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا۔ یہ اللہ کی سیدھی راہ ہے اور پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وانّ ھٰذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ۔[1]

ترجمہ: اور یہ ہے میری سیدھی راہ سو تم اسکی پیروی کرو اور دوسری راہوں پر نہ پڑو کہ وہ تجھے اس کی راہ سے بھٹکا نہ دیں۔

ان روایات کے ہوتے ہوئے کیا کوئی سمجھدار شخص یہ سوچ سکتا ہے کہ محدثین حدیث جمع کرنے میں لوگوں کو قرآن کریم سے دور کرنے کی سازش کئے ہوئے تھے۔

امام طحاوی (۳۲۱ھ) کی شرح معانی الآثار کو لیجئے۔ آپ کو اس کے خطبہ میں یہ الفاظ ملیں گے۔ لما یشھد لہ من الکتاب الناطق والسنۃ المجتمع علیہا۔[2]

کیا اس میں کتاب اللہ اولین درجے میں تسلیم نہیں کی گئی اور کیا سنت متواترہ اس کے ساتھ لازم نہیں رکھی گئی۔ حدیث کی تعلیم ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ دین کے اصل ماخذ کتاب اللہ اور سنت نبوی ہی ہیں۔

امام بیہقی (۴۵۸ھ) کی سنن کبریٰ کو لیجئے یہ کتاب الطہارت سے یوں شروع ہوئی ہے۔[3]

قال اللہ جل ثناءہ وانزلنا من السماء ماءً طھوراً (وقال) فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیداً طیباً۔ (پ ۵، المائدہ ع ۲)

حدیث کے داخلی مطالعہ میں آپ جتنے دور تک چلے جائیں گے۔ یہ حقیقت آپ سے ایک

---

[1] پ ۸ الانعام ع ۱۹ [2] طحاوی شریف جلد ۱ ص ۲ [3] سنن کبریٰ جلد ۱ ص ۲

لمحہ کے لئے اوجھل نہیں رہ سکتی کہ حدیث کتاب اللہ کی ہی ایک تذئیل اور اسی اجمال کی ایک تفصیل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے قرآن کریم کو ہمیشہ شریعت کا پہلا ماخذ اور حدیث کو اس کا دوسرا ماخذ سمجھا ہے۔ اور حدیث ہمیشہ قرآن کریم میں ہی جلوہ پیرا رہی ہے۔ قرآن اور حدیث دونوں کا مبداء ذات الٰہی ہے۔ وحی متلو اپنے ثبوت میں قطعی ہے اور وحی غیر متلو اگر متواتر نہ ہو تو یہ اپنے ثبوت میں ظنی ہے۔ ظنی کا حق ہے کہ وہ قطعی کے سایہ میں چلے اور تاریخ رسالت میں اس کے شواہد بے شمار ہیں۔

صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی دین کی بات سنتے یا آپ کو کوئی کام کرتے دیکھتے تو ان کے نزدیک یہ وحی غیر متلو اسی طرح قطعی ہوتی تھی، جس طرح وحی متلو قطعی ہے۔ لیکن جب یہ وحی غیر متلو خبر واحد کے طور پر آگے نقل ہوئی تو اس میں من حیث الثبوت ظنیت آگئی۔ اب اس کا مقام ماخذ شریعت میں بیشک دوسرا ہوگا، تاہم اس میں کسی شک اور تردد کی گنجائش نہیں کہ حدیث ہمیشہ قرآن کے سائے میں رہی ہے اور اسی کے سائے میں ابتک چل رہی ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک ــــــ

قرآن الحدیث سے ہماری مراد یہی ہے کہ حدیث کے موجودہ لٹریچر میں قرآن کریم کے بارے میں کیا تصوّر ملتا ہے اور کتب حدیث میں کیا باعتبار متن حدیث اور کیا باعتبار درجہ قرآن کریم کو کس مقام پر رکھا گیا ہے ــــــ تمت بالخیر۔

حجیّتِ حدیث

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد :

آج کے عنوان میں لفظ حدیث سے مراد تحریرات حدیث Documents of hadith نہیں. جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور تعلیمات محفوظ کی گئی ہوں۔ یہ عہد متاخر کی اصطلاح ہے[1]۔ نہ اس سے مراد وہ مرویات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثقہ راویوں کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ ثقہ راویوں کا نقل کردہ سرمایہ اپنی جگہ سند اور حجت ہے اور ہم اس موضوع پر انشاء اللہ العزیز آئندہ گفتگو کریں گے. آج کا موضوع حدیث کی قانونی حیثیت Authoritative position سے بحث کرنا ہے۔

حجیّت حدیث میں حدیث سے مراد

اس وقت موضوع کلام تحریر و روایت سے قطع نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا متن ہے اور حجیتِ حدیث کے عنوان میں ہم حدیث کو اس کے بالکل اس کے ابتدائی معنوں میں لے رہے ہیں. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اسے اپنی تعلیم کے لیئے استعمال فرمایا ہے[2] اور اس معنیٰ میں یہ لفظ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی

---

[1] آج کل حدیث کا لفظ حدیث کی کتابوں پر بھی بولا جاتا ہے اور اس سے مراد ہوتی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات حدیث اسی کی Narration ہے۔ [2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرۃؓ سے فرمایا۔ لقد ظننت یا اباھریرۃ ان لا یسألنی عن ھذا الحدیث احد اول منك مما رأیت من حرصك علی الحدیث (صحیح بخاری جلد ۱ ص۲۰) بقیہ اگلے صفحہ پر۔

استعمال ہوتا رہا ہے۔ صحابہ کرامؓ اسے ان معنی میں عام استعمال کرتے رہے۔ اور آج اسی معنی کے اعتبار سے ہم حجیت حدیث پر گفتگو کریں گے۔ آج کے موضوع میں حدیث اور سنت دونوں

حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نضر اللہ امرء سمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ غیرہ (جامع ترمذی جلد ۲ ص۹) حضرت مقدام بن معدیکربؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یوشک الرجل متکئا علی اریکۃ یحدث بحدیث من حدیثی فیقول بیننا وبینکم کتاب اللہ (سنن ابن ماجہ جلد ا ص۳) مشہور شیعہ محدث شیخ صدوق (۳۸۱ھ) ایک سوال کے جواب میں آنحضرت سے روایت کرتے ہیں۔ الذین یاتون من بعدی ویروون حدیثی وسنتی (معانی الاخبار ص۳۷۵) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فہو احد الکاذبین (صحیح مسلم جلد ا ص۶ جامع ترمذی جلد ۲ ص۹۳) ان روایات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی تعلیم کے لیے لفظ حدیث استعمال فرمانا بصراحت مذکور ہے۔

ے حضرت ابوہریرہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذارش کی۔ انی اسمع منک حدیثا کثیرا۔ (صحیح بخاری جلد ا ص۲۱) حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک خاتون نے حضور اکرم کی کی خدمت میں گذارش کی۔ ذھب الرجال بحدیثک فاجعل لنا من نفسک یوما ناتیک فیہ تعلمنا مما علمک اللہ۔ (صحیح بخاری جلد ۹ ص۱۲۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی تعلیمات کے لیے لفظ حدیث کا یہ استعمال عام تھا۔ شیعہ روایات میں بھی مذکور ہے کہ حضرت علیؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذارش کی۔ اعد علی حدیثک یا رسول اللہؐ۔ (اصول کافی جلد ۲ ص۲۵۳) اے اللہ کے رسولؐ آپ اپنی حدیث میرے لیے ایک بار پھر بیان فرمادیں ——— ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کی تعلیمات کے لیے لفظ حدیث کا استعمال ان دنوں عام تھا۔

ے حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ انہ لیمنعنی ان احدثکم حدیثا کثیرا ان النبیؐ قال من تعمد علی کذبا فلیتبوأ مقعدہ من النار (صحیح بخاری جلد ا ص۲۱) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ انا کنا نحفظ الحدیث والحدیث یحفظ عن رسول اللہؐ (سنن ابن ماجہ جلد ا ص۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اذا حدثتم بالحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فظنوا بہ الذی ھو اھیأ

سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہوگی اور اس اعتبار سے یہ موضوع آپ کی ہر سنت کو شامل ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعلیمات کے لیے سنت کا لفظ بھی عام استعمال فرماتے تھے[1]۔ سو اس وقت حدیث اور سنت کو ہم ایک معنی میں لے کر حجیت حدیث پر بحث کر رہے ہیں بس حجیت حدیث کے عنوان میں ہماری مراد خود حجیت پیغمبر AUTHORITY OF THE PROPHET ہے۔ جس کا حاصل آپ کی ذات گرامی کا قولاً فعلاً اور سکوتاً حجت اور سند ہونا ہے۔ امت مامور ہے کہ آپ کے نقش پا سے زندگی کی راہیں تلاش کرے۔

اس تنقیح سے وہ شکوک وشبہات ایک طرف رہ جاتے ہیں جو بعض گوشوں میں کتب حدیث اور ان کی تدوین پر کیے جاتے ہیں۔ کتب حدیث کا سند AUTHORITY ہونا خبر واحد SINGLE REPORT کا اعتبار اور عدم اعتبار اور سند متصل اور سند مرسل کی تفصیل یہ سب علمی موضوعات ہیں اور ان پر آئندہ کسی وقت گفتگو ہوگی۔ یہ موضوعات اعتقادی نہیں، فقط ایک علمی درجہ رکھتے ہیں۔

والذی ھو اھدیٰ والذی ھو اتقیٰ (سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۴۵) حضرت علی المرتضیٰ سے بھی یہ لفظ اس طرح منقول ہے۔ شیعہ روایات میں حضرت علیؓ کا ارشاد مذکور ہے۔ اذا حدثتم بحدیث فاسندوہ الی الذی حدثکم۔ (اصول کافی جلد اول صفحہ ۵۲)

[1] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ نبیہ۔ (مؤطا امام مالک صفحہ ۳۶۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اصوم و افطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲) ایک حدیث میں فرمایا۔ من احیی سنۃ من سنتی قد امیتت بعدی کان لہ من الاجر مثل من عمل بھا۔ (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۹۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین رواہ ابو داؤد (معالم السنن للخطابی جلد ۴ صفحہ ۳۰۰) شیعی محدث شیخ صدوق بھی روایت کرتے ہیں اور اس میں لفظ سنت اس طرح لاتے ہیں لا عذر لکم فی ترک سنتی۔ (معانی الاخبار صفحہ ۱۵۵) علامہ کلینی نے بھی روایت کیا ہے۔ من رغب عن سنتی فلیس منی (اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۸۵) جس نے میری سنت سے گریز کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

حجیت پیغمبر ایک اعتقادی مسئلہ ہے

حجیت پیغمبر یعنی پیغمبر کی اتھارٹی Authority ایک اساسی اور اعتقادی موضوع ہے۔ قرونِ اولیٰ کے معتزلہ کا انکارِ حدیث بھی محض ایک علمی اختلاف تھا کہ خبرِ واحد حجت ہے یا نہیں؟ حجیت پیغمبر کے اساسی اور اعتقادی موضوع کا انکار نہ تھا۔ قرونِ اولیٰ کے ان اختلافات میں خود پیغمبر کی ذاتِ گرامی کبھی زیرِ بحث نہیں آئی تھی نہ حجیتِ پیغمبر سے اسلام کی تیرہ سو سالہ تاریخ میں کبھی کسی مسلمان نے انکار کیا تھا۔ حافظ ابن حزم (۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:۔

اہل سنت، خوارج، شیعہ، قدریہ تمام فرقے آنحضرتؐ کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں برابر قابلِ حجت سمجھتے رہے یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع کے خلاف کیا۔[1]

معتزلہ کا انکار حجیتِ پیغمبر کا انکار نہ تھا

معتزلہ کا یہ خلاف سرمایہ حدیث کی اخبار احاد Single reports سے اختلاف تھا حجیت پیغمبر کا انکار نہ تھا۔ ان کے شیخ ابو علی جبائی نے حدیث کی صحت کے لیے عزیز ہونے کی شرط لگائی ہے[2] جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اصولاً حجیت پیغمبر کے قائل تھے۔ ہاں عقلی فکر و نظر کو زیادہ سے زیادہ راہ دینے کے لیے خبرِ واحد کے انکار کی آڑ لینا ان کا ایک علمی حربہ تھا۔ بعض اوقات یہ اس تاویل سے حدیث کا انکار کر جاتے تھے۔ کہ یہ مضمون ان کے زعم میں قرآن پاک کی فلاں آیت کے خلاف ہے[3] لہٰذا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں

---

[1] الاحکام جلد ۱ ص۱۱۴ [2] دیکھئے تدریب الراوی للسیوطی ص۲۱۔ البتہ معتزلی مفکر جناب ابو الحسین مصری از روئے عقل عبادات میں خبرِ واحد کی پیروی کے قائل تھے۔ (الاحکام للآمدی جلد ۲ ص۷۵)

[3] گنہگار مسلمانوں کی شفاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت واضح اور محکم روایات سے ثابت ہے۔ مگر معتزلہ یہ کہہ کر ان سب احادیث کا انکار کر دیتے ہیں کہ یہ سب احادیث قرآنی ارشاد فما تنفعهم شفاعة الشافعين۔ (پ۲۹ المدثر ع۲) کے خلاف ہیں۔ حالانکہ یہ آیت اپنی جگہ خود متشابہ

ہو سکتا۔ اس اندازِ فکر سے ہمیں علمی سطح پر بہت اختلاف ہے لیکن ہم یہ بات پُورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس میں پیغمبر کی Authority حیثیت کا ہرگز انکار نہیں حجیت پیغمبر کا موضوع کہیں بھی اور کبھی بھی اسلام میں اختلافی نہیں رہا۔

حجیّت پیغمبر صرف نظامِ حیات تک نہیں

جہاں تک لفظ حجیت کا تعلق ہے۔ یہ ایک قانونِ تعبیر ہے۔ حجیت پیغمبر سے مراد یہ ہے کہ پیغمبر کی ذات ہر قانونی باب Legal position میں امت کے لیئے سند ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ پیغمبرِ خدا کی ہر بات ماننے بغیر صرف اسلامی نظام کی تکمیل نہ ہو گی۔ بلکہ پیغمبرِ خدا کی ہر بات اصولاً تسلیم کیئے بغیر ایمان بھی قائم نہیں رہتا۔ پیغمبرِ خدا کی ہر بات کو حجت اور سند تسلیم کرنا صرف ایک نظام کی تکمیل ہی نہیں تقاضائے ایمان بھی ہے۔ اور اس کا اصُولاً اقرار نہ کرنا کفر ہے۔ پس لفظ حجیت نظامِ حیات سے آگے جاکر نجاتِ آخرت تک کو موضوع بناتا ہے۔ آپ اگر ایک ایسے ملک میں رہ رہے ہوں۔ جہاں اسلامی نظامِ حیات نافذ نہیں اور وہاں آپ بحالاتِ حضورؐ کی تعلیمات کو حجت اور سند نہیں مانتے تو آپ مسلمان نہیں رہ سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو حجت اور سند ماننا اساسِ ایمان ہے اور اس کے بغیر آخرت میں کسی کی نجات نہیں۔ پس آپ کی OBEDIENCE محض ایک حاکم کی پیروی اور اطاعت نہیں۔ اس سے مختلف ہو گی۔ ایک حاکم کی تعمیل احکام محض ایک انتظامی مسئلہ ہے۔ مگر پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ارشاد ایک ایمانی مسئلہ بھی ہے۔ جس سے اصولاً منہ پھیرنا کفر ہو گا۔ قرآن پاک نے اسے متعدد

اور محتاجِ تاویل تھی۔ اس سے کفار مراد لیئے جا سکتے ہیں۔ کافر کے حق میں کسی کی شفاعت قبول نہ ہو گی۔ تفصیل کے لیئے دیکھئے اعلام الموقعین لابن القیم جلد ۲ صـ۲۲۱) قرآن کریم میں شفاعت بالاذن کا اقرار پُوری صراحت سے دوسری جگہ موجود ہے۔ من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ۔ (پ۳ البقرہ ع۱) کون ہے جو اس کے ہاں کسی کی شفاعت کر سکے ؟ ہاں اس کے اذن سے کر سکے گا۔ یہ صورت مستثنیٰ ہے اور یہ اذن بھی صرف مسلمانوں کے لیئے ہو سکے گا۔

عنوانوں سے پیش کیا ہے۔ ہم یہاں اُب صرف دس عنوانوں سے ذکر کرتے ہیں۔

قرآن کی پہلی شہادت کہ پیغمبر سے رُوگردانی کفر ہے

① قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین[1]

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے اس خاص رسول کی اطاعت کرو۔ سو اگر یہ منہ پھیریں تو بے شک اللہ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت صرف ایک حاکم کی حیثیت سے نہیں، ایک پیغمبر کی حیثیت سے ہے۔ حاکم کی اطاعت نہ کرنا ایک جُرم تو ہے لیکن کفر نہیں لیکن قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے منہ پھیرنے کو کفر قرار دے رہا ہے۔ پس یہ آیت ایک حکم حاکم کی حجیت کا سبق نہیں دے رہی حجیت پیغمبر کا عقیدہ بیان کر رہی ہے اور حق یہ ہے کہ آپ کی اطاعت امت پر بایں اعتبار فرض ہے۔ کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں اور اللہ کے بندوں پر اللہ کی حجت ہیں اور آپ سے روگردانی اللہ کے ہاں کفر ہے۔

اللہ کے پیغمبر کی اطاعت شرک نہیں

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ پیغمبر کی اطاعت صرف بایں جہت نہیں کہ آپ کو اللہ کا پیغمبر مان لیا جائے۔ آپ کو پیغمبر ماننا دراصل اللہ کی ہی اطاعت ہے کہ اس نے پیغمبر بھیجا اور امت نے اسے مانا۔ پیغمبر کی اطاعت کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی ہر بات کو اصولاً اپنے لیے حجت اور سند سمجھا جائے اور اس سے اصولاً منہ پھیرنا کفر تسلیم کیا جائے۔ قرآن کریم کی اس آیت نے امت پر دو اطاعتیں فرض کی ہیں۔ ایک اللہ کی اور دوسری پیغمبر کی۔ جو پیغمبر کی اطاعت کرتا ہے وہ آپ کو پیغمبر خدا مان کر پہلے اللہ کی اطاعت کر چکا اور اس اعتبار سے آپ کی اطاعت اللہ کی ہی اطاعت ہے۔ اس کی اطاعت کے ساتھ شرک نہیں۔ پیغمبر کو ہر بات میں اگر خدا کا نمائندہ Allah's representative تسلیم کیا جائے تو اس کی اطاعت میں

---

[1] پ ۳ آل عمران ع ۴۔

شرک کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ پیغمبر کی ہر بات خدا کی بات شمار ہوگی۔ لیکن شریعت کو اگر خدا اور اس کے رسول میں تقسیم کیا جائے کہ کچھ باتیں خدا نے فرض کیں اور کچھ اس کے پیغمبر نے، کچھ چیزیں خدا نے حلال کیں اور کچھ اس کے پیغمبر نے کچھ چیزیں اللہ نے حرام کیں اور کچھ اس کے پیغمبر نے، اور ان تصریحات میں یہ اعتقاد رکھا جائے کہ آپ اپنی طرف سے تحلیل و تحریم کا اختیار رکھتے تھے کہ جسے چاہیں حرام کردیں اور جسے چاہیں حلال کردیں۔ تو اس قسم کے عقیدہ سے اطاعت رسول بے شک شرک قرار پائے گی۔ کیوں کہ اس صورت میں موضوع اطاعت صرف اللہ کا حکم نہیں رہا۔ ایک مقابل کا حکم بھی یہاں جگہ پاگیا ہے۔

قرآن کریم کی دوسری شہادت کہ رسُول کی اطاعت اللہ کی ہی اطاعت ہے

(۲) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولی فما ارسلناك علیهم حفیظا۔[1]

ترجمہ۔ جو اس رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ بے شک اللہ کی اطاعت کر چکا اور جس نے روگردانی کی سو ہم نے آپ کو اس پہ نگران نہیں بھیجا۔

اس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ کی ہی اطاعت ہے۔ اللہ ہی نے رسول کو احکامات دیئے کہ وہ انہیں اس کے بندوں تک پہنچائیں اور اسی نے حکم دیا کہ اس کے رسول کی اطاعت کی جائے۔ سو ہر پہلو میں حلال و حرام اور اوامر و نواہی کا مصدر خدا کی ہی ذات رہی اور پیغمبر اس کے ترجمان ہوئے۔ سو اس میں شرک کا کوئی پہلو ہرگز نہیں ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ یہاں اطاعت رسول کو مضارع میں اور اطاعتِ خداوندی کو ماضی میں لایا گیا ہے کہ ہر دو اطاعتیں مستقل ہیں۔ سو ہمیں یہ حق نہیں کہ پیغمبر کے احکام کی اصل قرآن کریم میں تلاش کرتے رہیں۔ کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو یہ حکم کہاں اور کیسے دیا تھا۔ اس لیئے کہ پیغمبر خدا کی بات آگے پہنچانے میں بالکل معصوم ہیں۔ ان سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ پس ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ پیغمبر کی کسی بات کی پڑتال کے درپے ہوں۔ یہ قرآن کا کھلا انکار ہو

---

[1] پ۵ النساء ع ۱۱

گا. آپ کی اطاعت صرف بایں معنی نہیں کہ آپ کو اللہ کا پیغمبر مان لیا جائے. بلکہ آپ کی اطاعت آپ کی ہر بات کو اصولاً خدا کی بات ماننا ہے اور اپنے لیئے اسے سند جاننا ہے۔

قرآن کی تیسری شہادت کہ امرِ رسول کی مخالفت کرنا عذابِ خداوندی کو دعوت دینا ہے

قرآن پاک مومن کی اس ذمہ داری کو ایک دوسرے مقام پر اطاعتِ رسول کی بجائے امرِ رسول کے واجب التسلیم ہونے کے عنوان سے ذکر کرتا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ اطاعت رسول در اصل یہ ہے کہ ہر امرِ رسول کے آگے تسلیم و انقیاد ہو۔ سو ذاتِ رسول کو صرف تسلیم کرنا کافی نہیں۔ امرِ رسول کو تسلیم کرنا اس کے ساتھ لازم ہے اور امرِ رسول کی مخالفت کرنا اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے:-

(۳) فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبہم فتنۃ او یصیبہم عذاب الیم۔[1]

ترجمہ۔ سو ڈریں وہ لوگ جو آپ کے امر کا خلاف کرتے ہیں کہ آپڑے ان پر کچھ خرابی یا آلے ان کو عذاب دردناک۔

یہاں یہ بات بھی واضح ہوئی کہ امرِ رسول کی اطاعت حکم حاکم کی اطاعت سے اصولاً مختلف ہے۔ حکم حاکم کی مخالفت سے صرف قانون کی گرفت سخت ہوتی ہے کوئی عذاب نہیں اترتا۔ لیکن امرِ رسول کی مخالفت سے بسا اوقات عذاب بھی نازل ہوئے ہیں. قرآن کریم آپ کی ہر بات تسلیم کرنے کو اور دل سے تسلیم کرنے کو تقاضائے ایمان قرار دیتا ہے۔

قرآن کی چوتھی شہادت کہ مومن کو امرِ رسول کی مخالفت کا حق نہیں

(۴) وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لہم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً۔[2]

ترجمہ۔ اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب مقرر کردے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام تو انہیں اپنے کام کا کوئی اختیار

---

[1] پ ۱۸ النور ع ۹ [2] پ ۲۲ الاحزاب ع ۵

باقی رہے اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اس کے رسُول کی، سو وہ
بھولا راہ سے صریح چوک کر۔

یہاں قضاء رسُول کے تسلیم کرنے سے یہ مراد نہیں کہ پیغمبر کو پیغمبر مان لیا جائے۔ پیغمبر مان
لینے کا اقرار خود لفظ مومن اور مومنۃ میں پہلے سے موجود تھا۔ یہاں اس پیغمبر کے ہر فیصلے کو
تسلیم کرنا ہر مومن کے لئے تقاضائے ایمان قرار دیا جا رہا ہے۔ امر رسول کی اطاعت نہ صرف
اقرار رسالت ہے اور نہ یہ حکم حاکم کی اطاعت ہے۔ بلکہ اس کا تعلق اوّلی ایمان کے ساتھ
ہے۔ حاکم کی اطاعت بنا بر حکومت ہوتی ہے لیکن امر رسول کی اطاعت خدا تعالیٰ کی اطاعت
اور آخرت کی مغفرت کے لیئے ہے اور یہ ایمان کا تقاضا ہے۔

قرآن کی پانچویں شہادت کہ اللہ سے تعلق اطاعتِ رسول سے ہی قائم ہو سکتا ہے

⑤ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم۔[1]
ترجمہ۔ آپ کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اطاعت کرو
اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت ایمان کا جزو لازم ہے۔ ایمان والوں کی علامت یہ ہے کہ انہیں
اللہ تعالیٰ سے بہت محبت ہوتی ہے۔ والذین اٰمنوا اشد حبا للہ۔[2] اس محبت کو قرآن کریم
نے اطاعتِ رسول سے وابستہ کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ خدا پر ایمان اطاعتِ رسُول
کے جذبہ صادقہ کے بغیر کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔ ایمان کے لیئے صرف آپ کو رسول مان لینا ہرگز
کافی نہیں ہر ہر بات میں آپ کی اطاعت کا ارادہ شرط ہے۔

اطاعتِ پیغمبر کی ذمہ داری صرف اس کی تصدیق سے ادا نہیں ہوتی۔ آپ کے ساتھ
مومنین کسی مجلس میں جمع ہوں تو آپ کی اجازت کے بغیر انہیں مجلس سے اُٹھنے تک کی اجازت
نہیں، قرآن کریم میں ہے ۔

---

[1] پ۳ آل عمران ۴۔ [2] پ۲ البقرہ ع ۲۰۔

قرآن کی چھٹی شہادت کہ ہر گوشہ زندگی میں اذن رسالت درکار ہے۔

انما المؤمنون الذین اٰمنوا باللّٰہ ورسولہ واذا کانوا معہ علی امر جامع لم یذھبوا حتی یستاذنوہ۔ ان الذین یستاذنونک اولٰئک الذین یؤمنون باللّٰہ ورسولہ فاذا استاذنوک لبعض شانھم فاذن لمن شئت منھم واستغفر لھم اللّٰہ۔ ان اللّٰہ غفور رحیم۔[1]

ترجمہ۔ ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر۔ اور جب ہوں اس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے۔ اس کی اجازت کے بغیر ـــــ بے شک جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں سو وہی ہیں جو مانتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ـــــ پھر جب وہ آپ سے اجازت مانگیں اپنے کسی کام کے لیئے تو آپ اجازت دے دیا کریں۔ ان میں سے جس کو چاہیں اور استغفار چاہیں اللہ سے ان کے لیئے۔ بے شک وہ ہے بخشنے والا بہت رحم کرنے والا۔

حافظ ابن قیمؒ اعلام الموقعین میں رقمطراز ہیں :۔

جب اللہ تعالیٰ اسے بھی ایمان کے لیئے لازم قرار دیتے ہیں کہ مومن جب آپ کے ساتھ (کسی مجلس میں) جمع ہوں تو آپ سے اجازت لیئے بغیر کہیں نہ جائیں تو یہ بات ایمان کے لیئے بدرجہ اولیٰ لازم ہوگی۔ کہ مومنین کوئی بھی قول اور کوئی علمی مسلک آپ کی اجازت کے بغیر اختیار نہ کریں اور (ظاہر ہے کہ) آپ کی اجازت کا علم انہی احادیث سے ملے گا جو آپ سے مروی ہیں کہ آپ نے کسی بات کی اجازت دی ہے یا نہ؟[2]

قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب آپ کے حکم کے بغیر کسی امر جامع سے جانا بھی درست نہیں تو آپ کی اجازت کے بغیر محض اپنی رائے سے کوئی شرعی حکم اختیار کرنا کیسے

---

[1] پ النور ع ۹ [2] اعلام الموقعین جلد ۱ صـ۴۳

درست ہو سکے گا۔ آپ کی اطاعت کو لازم جاننے کا اقرار ایمان کے لوازم میں سے ہے۔ حافظ ابن قیمؒ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

جو شخص کتب سیرت اور روایات صحیحہ میں اہل کتاب اور مشرکین کے آپ کی رسالت کی شہادت دینے اور آپ کو سچا کہنے اور اس شہادت کے انہیں داخل اسلام نہ کرنے کے واقعات پر غور کرے گا۔ وہ جان لے گا کہ اسلام صرف آپ کے پہچان لینے یا صرف پہچان لینے اور اقرار کرنے کا نام نہیں بلکہ اسلام اس سے ماوراء پہچان، اقرار، انقیاد و فرمانبرداری کے لیے جھکنا اور آپ کی اطاعت اور آپ کے دین کو ظاہراً اور باطناً لازم پکڑنے کا نام ہے[1]

معلوم ہوا کہ ایمان میں تصدیق و اقرار کے ساتھ انقیاد اور التزام طاعت ہی ایک ایسی حقیقت ہے جو ایمان و کفر کے مابین ایک حد فاصل ہے جسے عبور کیے بغیر خدا کی بادشاہی میں کوئی داخل نہیں ہوسکتا۔ یہ انقیاد اور التزام طاعت کسی شرط سے مشروط نہیں۔ رسول بھیجے ہی اسی لیے جاتے ہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ[2]

ترجمہ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اسی لیئے کہ اس کی حکم الٰہی کے تحت تابعداری کی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول معصوم ہوتے ہیں۔ پیغمبر معصیت کرے تو وہ معصیت اُمت کے لیئے شریعت بنے گی۔ یہ بات منظورِ باری تعالیٰ نہیں کہ معصیت شریعت بنے۔ اسی لیئے حکمت باری متوجہ ہوئی کہ پیغمبروں سے معصیت صادر نہ ہو اور نہ کوئی لغزش باقی رہے۔ پس اس نے ان برگزیدہ ہستیوں کو شانِ عصمت بخشی اور مقام رسالت سے بعید ٹھہرایا کہ اس سے کوئی خیانت سرزد ہو۔

ما کان لنبی ان یغل[3] کسی نبی کے لائق نہیں کہ وہ کسی قسم کی خیانت کرے۔

یہ آیت مقام نبوت کو ہر قسم کی خیانت سے نیت کی ہو یا عمل کی پاک قرار دے رہی ہے۔

---

[1] زاد المعاد جلد ۳ صفحہ ۵۵ [2] پ۵ النساء ع ۹ [3] پ۴ آل عمران ع ۱۷ آیت ۱۶۱

عصمت رسالت تقاضا کرتی ہے کہ رسول جس بات کا حکم دے وہ یقیناً بھلی ہو اور جس کام سے روکے وہ یقیناً بُرا ہو۔ جس چیز کی اجازت دے وہ طیب ہو اور جس چیز کو حرام بتلائے وہ خبیث ہو۔ قرآن کریم اس نہج کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں ذکر کرتا ہے۔

یأمرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث۔ پ الاعراف ع ۹

ترجمہ۔ وہ حکم کرتا ہے ان کو اچھی باتوں کا اور روکتا ہے اُن کو بُرے کاموں سے اور حلال ٹھہراتا ہے ان کے لیئے سب پاک چیزیں اور حرام ٹھہراتا ہے ان پر سب ناپاک چیزیں۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول کی اطاعت مستقل ہے کسی شرط سے مشروط اور کسی قید سے مقید نہیں۔ ہاں یہ نیت ضرور ہے کہ آپ کی ہر بات اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر آپ کی ہر بات امّت کے لیئے حجّت اور سند ہے۔ خواہ اس کی اصل قرآن کریم میں ملے یا نہ۔ امّت اس بات کی مکلّف نہیں کہ امر رسول کی اصل قرآن کریم میں تلاش کرے۔ آپ کی ہر بات کے لیئے کسی اور دلیل کی تلاش اور ضرورت نہیں ہے۔

مجتہدین اور اولی الامر کی اطاعت اس بات کی متقاضی ہے کہ اس کی اصل کتاب و سنّت میں موجود ہو۔ کیوں کہ وہ حضرات بذاتِ خود حجّت اور سند نہیں ہوتے اور اُن سے بحالات اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فیصلے سے اختلاف کیا۔ اس کی گرانی بھی دل میں رکھنا انسان کو خدا کی بادشاہی سے باہر کر دیتا ہے۔ قرآن پاک میں اولی الامر کی اطاعت اطاعتِ رسُول کے تابع ہے۔ کیوں کہ اولی الامر معصوم نہیں مگر اطاعت رسول اطاعتِ خداوندی سے مشروط نہیں۔ رسول خود معصوم ہیں۔ اللہ تعالٰی نے انہیں بذاتِ خود حجت اور سند بنایا ہے اور ان کی اطاعت مستقل ٹھہرائی ہے۔

قرآن کی ساتویں شہادت کہ رسول کی اطاعت حاکم کی اطاعت سے مختلف ہے،

(۱) اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاٰخر۔ پ النساء ۵۹

ترجمہ۔ اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور اُن کا جو تم میں سے اولی الامر ہوں ـــــــ پھر اگر کسی بات میں جھگڑ پڑو تو اس کو لوٹاؤ اللہ کی طرف اور رسول برحق کی طرف، اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔

یہاں تین اطاعتیں فرض بتلائی گئیں۔ ۱۔ اللہ کی اطاعت۔ ۲۔ رسول پاک کی اطاعت۔ ۳۔ اولی الامر کی اطاعت ـــــــ مگر لفظ اطیعوا صرف دو بار لائے۔ الرسول کے لئے لفظ اطیعوا مستقل طور پر وارد ہوا۔ مگر اولی الامر کی اطاعت اسی اطیعوا کے ماتحت رکھی گئی۔ جو الرسول پر داخل تھا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اولی الامر کی اطاعت میں تو شرط ہے کہ خدا اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف نہ ہو۔ ان کی اطاعت کے تابع ہو۔ لیکن رسول کی اطاعت میں یہ شرط نہیں لگائی گئی۔ کیونکہ اس کی ہر بات اللہ کے حکم سے ہوگی اس کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ رسول کی ہر ہر ادا اور ہر ہر بات پر خدا کی حفاظت کا پہرہ ہوتا ہے۔ سو پیغمبر کی اطاعت اور ایک حاکم کی اطاعت میں جوہری فرق ہے اور یہ بات آیات گذشتہ کے ضمن میں بھی اجمالاً ذکر کر دی گئی ہے۔ اطاعت رسول کی اس حیثیت کو ہم ذرا اور واضح کرتے ہیں:۔

① حاکم کی اطاعت آخرت کی رحمت کو لازم نہیں۔ پیغمبر کی اطاعت سے آخرت کی رحمت ملتی ہے۔[1]

② حاکم کی اطاعت گناہوں کی بخشش کا سبب نہیں۔ پیغمبر کی اطاعت سے گناہ بھی بخشے جاتے ہیں۔[2]

③ حاکم کی اطاعت نہ کرنے سے عذاب نہیں ہوتا۔ پیغمبر کی اطاعت نہ کرنے سے عذاب اُترنے کا اندیشہ ہے۔[3]

④ حاکم کی اطاعت ایک مسئلہ انتظامی ہے۔ مگر پیغمبر کی اطاعت کا اقرار تقاضائے ایمانی ہے۔

⑤ حاکم کی اطاعت صرف انتظامی امور تک محدود ہے۔ مگر پیغمبر کی اطاعت زندگی کے ہر دائرے میں لازم ہے۔

---

[1] پ۱۸ النور آیت ۶۲ [2] پ۱۸ النور ع ۹ آیت نمبر ۶۳ [3] پ۲۲ الاحزاب ع ۵

(۶) حاکم کی اطاعت اس کی موت کے بعد لازم نہیں پیغمبر کی اطاعت اس کی موت کے بعد بھی لازم رہتی ہے۔

(۷) حاکم کی اطاعت خدا کی اطاعت شمار نہیں ہوتی۔ مگر پیغمبر کی اطاعت خدا کی اطاعت کہلاتی ہے[۱]

(۸) حاکم کی اطاعت ضروری نہیں کہ راہ صواب اور صحیح راہ ہو۔ مگر پیغمبر کی ہر بات لازماً درست اور راہِ صواب ہے۔

(۹) حاکم کے ہر فیصلے کے خلاف اپیل ہو سکتی ہے۔ مگر پیغمبر کے فیصلے کے خلاف کہیں اپیل نہیں ہو سکتی۔[۲]

(۱۰) حاکم سے اس کے فیصلے کی دلیل پوچھی جا سکتی ہے۔ مگر پیغمبر سے اس کے فیصلے کی دلیل مانگی نہیں جا سکتی۔ پیغمبر کا فیصلہ خود ایک دلیل ہے۔ ہاں آپ سے کسی بات کی تشریح کی درخواست کی سکتی ہے۔[۳] یہ طلب علم ہے پیغمبر کی بات سے ٹکراؤ نہیں نہ اس کے حق ہونے میں کوئی تردد ہے۔

قرآن کی آٹھویں شہادت کہ بدوں انقیاد ایمان ہی قائم نہیں ہوتا۔

(۸) فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليما۔[۴]

ترجمہ۔ سو قسم ہے تیرے رب کی یہ لوگ کبھی ایماندار نہیں ہو سکتے۔ جب تک تجھے ہر اس بات میں جو ان میں اختلاف پکڑے اپنا منصف نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلے کے بارے میں نہ پائیں اپنے جی میں کوئی تنگی ــــ اور قبول کریں اسے خوشی سے۔

اس آیت نے واضح طور پر بتلا دیا کہ پیغمبر کی اطاعت صرف ایک حکم اور منصف Arbiter کی حیثیت سے نہیں پیغمبر کی حیثیت سے ہے۔ ا حکم کے فیصلے کو ماننا ایک قانونی تقاضا ہے۔ اس پر ایمان موقوف نہیں۔ مگر پیغمبر کے فیصلے کو ماننا ایمان کا تقاضا ہے۔

---

[۱] پ۵ النساء ع ۱۱ [۲] پ۲۲ الاحزاب ع ۵ [۴] پ۵ النساء آیت نمبر ۶۵

۲. حکم کے فیصلے کے بارے میں دل میں گرانی ہونی کوئی عیب نہیں۔ مگر پیغمبر کے فیصلے کے خلاف دل میں گرانی رکھنا ایمان سے محروم کر دیتا ہے۔ ہر پیش آمدہ بات میں پیغمبر کو حکم تسلیم کر لینا یہ بنا بر حکومت نہیں بنا بر رسالت ہے۔ آپ کے ہر فیصلے کے آگے تسلیم و انقیاد لازم ہے۔ آیت ہذا اپنے سیاق و سباق کے مطابق اطاعت رسول کی فرع ہے۔ اس آیت سے پہلی آیت میں یہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔

ترجمہ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لیئے کہ اسکی بات حکم الٰہی سے مانی جائے۔ اگلی آیت میں اس ضابطے کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے لازم ہونے پر منطبق کیا گیا ہے اور پھر اس رکوع کا اختتام و من یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم پر کیا گیا ہے۔ جس میں ان لوگوں کی (جن پر اللہ کا انعام ہے) یہ صفت ذکر کی گئی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

اہل اسلام اس پر متفق ہیں کہ پیغمبر کا حکم ہونا اس کے قاضی ہونے کی حالت میں محدود نہیں Judge in his Chair بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہر فیصلے کو حجت اور سند قرار دیا ہے اور آپ کی اطاعت کو مطلقاً فرض ٹھہرایا ہے۔ امام شافعیؒ اس آیت کے عموم سے استدلال کرتے ہیں اور آپ کی اطاعت کو فرض قرار دیتے ہیں[1]۔ مشہور شیعہ محدث علامہ کلینی بھی امام جعفر صادقؓ سے اس آیت کا عموم اسی طرح روایت کرتے ہیں[2]:

> اگر لوگ ایک اللہ کی عبادت کریں نمازیں قائم کریں زکوٰۃ دیں بیت اللہ شریف کا حج بھی کریں اور رمضان کے روزے بھی رکھیں پھر ایسی چیز کو جسے اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول نے مقرر کیا ہو۔ کہیں کہ صحیح بات اس کے برعکس ہے یا یہ بات اپنے دل میں رکھیں تو وہ اس بات سے مشرکین ٹھہریں گے۔ پھر اس پر حضرت امام نے یہ آیت تلاوت کی۔ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجاً

---

[1] کتاب الام جلد ۷، صفحہ ۲۵۱ [2] اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۳۹

مما قضيت ويسلموا تسليما[۱]

معلوم ہوا کہ رسول پاکؐ کا ہر ہر فیصلہ حجت اور سند ہے۔ آپ جس چیز کی اجازت دیں۔ اسے اپنانا اور جس چیز سے روکیں اس سے رُکنا ضروری ہے۔

قرآن کی نویں شہادت کہ پیغمبر کا ہر حکم واجب القبول ہے۔

(۹) ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا[۲]

ترجمہ۔ جو چیز تمہیں اللہ کا رسول دے اُسے لے لو اور جس چیز سے تمہیں روکے اس سے رُک جاؤ۔

اتاکم الرسول صرف مادی چیزوں غنائم وغیرہ کے لیے ہی نہیں۔ علم دینے، بات کہنے اور درجہ ومقام دینے کو بھی ایتاء سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت[۳]

ترجمہ۔ اللہ بلند کرتا ہے ان کے لیے جو تم میں سے ایمان لائے اور دیئے گئے علم، درجات۔

اوتوا العلم کے الفاظ آپ کے سامنے ہیں۔ اتیناہ الحکمۃ کے الفاظ بھی ملاحظہ کیجئے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:۔

اتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب[۴]

ترجمہ۔ ہم نے اسے تدبیر اور بات کی قوت فیصلہ دے رکھی تھی۔

کیا یہاں قول پر ایتاء کا لفظ نہیں آیا۔ اگر یہاں آ سکتا ہے تو ما اتاکم الرسول میں رسول کی ساری باتیں کیوں نہیں آتیں۔ ومن یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا میں کیا عطائے حکمت کے لیے ایتاء کا لفظ نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون کی جب حضرت حضرت خضر سے ملاقات ہوئی تو اُسے یوں ذکر فرمایا:۔

---

[۱] پ النساء آیت ۶۵ [۲] پ۲۸ الحشر آیت ۷ [۳] پ۲۸ المجادلہ آیت ۱۱ [۴] پ۲۳ ص آیت ۲۰

فوجدا عبداً من عبادنا اتینٰہ رحمۃً من عندنا و علمناہ من لدنا علماً۔[1]

ترجمہ۔ پھر ان دونوں نے پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں سے جس کو ہم نے حکمت دی تھی اور اسے اپنے پاس سے علم دیا تھا۔

تو یہاں حکمت کو لفظ اتینا سے بیان نہیں کیا گیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:۔

و اتیناہ الحکم صبیاً وحناناً من لدنا و زکوٰۃ و کان تقیاً۔[2]

ترجمہ۔ اور ہم نے اس کو بچپن میں ہی حکم کرنا دیا اور اپنی طرف سے شوق دیا اور دی پاکیزگی اور تھا وہ بچنے والا۔

کیا یہاں حکم کی بات طبیعت کے شوق، مزاج کی پاکیزگی کو لفظ ایتاء سے بیان نہیں کیا ہے؟

یہ آیات اس بات کے شواہد ہیں کہ اتاکم کے لفظ کچھ مادی چیزوں سے ہی خاص نہیں۔ علم حکمت اقوال اور بات کہنے کو بھی اس سے تعبیر کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح غنائم تقسیم فرماتے تھے علم بھی بانٹتے تھے اور ہر کسی کو اپنے اپنے ظرف کے مطابق ملتا تھا۔ محدثین حدیث انما انا قاسم و اللہ معطی کو باب غنائم میں بیان کرتے ہیں تو وہ اسے باب العلم میں بھی لاتے ہیں۔ ہاں باب الرزق میں اسے کسی نے روایت نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) اس طبقے کے استاد تھے جنہیں حضرت عمرؓ انتم رأس العرب وجمجمتھا کے الفاظ[3] سے یاد کرتے ہیں۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ آپ لفظ ایتاء کے عربی اطلاق سے نا آشنا تھے؟ نہیں ـــــ آپ نے آیت اتاکم الرسول سے حدیث پر واضح انداز میں استدلال کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

لعن اللہ الواشمات والمتوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ۔[4]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ بدن کو گودنے والی گدوانے والی بالوں کو نچوانے والی اور (افزائش حسن کے لئے دانتوں کو ریتی سے) رگڑوانے والی عورتوں پر لعنت کرے۔

آپ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ فلاں فلاں

---

[1] پ۱۵ الکہف آیت ۶۵ [2] پ۱۶ مریم آیت ۱۳ [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳ [4] مشکوٰۃ ص ۳۸۱

عمل کی عورتوں پر لعنت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

مالی لا العن من لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن ھو فی کتاب اللہ[1]

ترجمہ: میں کیوں ان پر لعنت نہ کروں جن پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور جو قرآن کریم میں ملعون ٹھہرے۔

وہ عورت حیران ہوئی اور کہا میں نے قرآن پڑھا ہے لیکن میں نے کہیں یہ آیت نہیں پڑھی۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ نے فرمایا:۔

لئن کنت قرأتیہ لقد وجدتیہ۔ اما قرأت ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا[2]

ترجمہ: اگر تو نے قرآن پڑھا ہوتا تو تو اس میں یہ آیت پا لیتی۔ کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا—— رسول جو تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔

اس سے پتہ چلا کہ آیت ما اتاکم الرسول فخذوہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ احکام و اوامر کو شامل ہے اور آپ کی تعلیمات کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں ہم آپ کی کسی بات سے سرتابی کرسکیں۔

حضرت یزید بن عبدالرحمٰن ر ہ کی عظمتِ قدر سے کون واقف نہیں۔ آپ نے ایک مُحرم شخص (احرام والے مسلمان) کو سِلے ہوئے کپڑوں میں دیکھا۔ آپ نے اسے اس سے منع فرمایا[3]—— اس نے آپ سے کہا کیا یہ قرآن پاک میں ہے؟ آپ نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی:۔

ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔

ترجمہ: رسول جو تمہیں دے وہ لے لو اور جس بات سے روکے اس سے رک جاؤ۔

معلوم ہوا کہ ما اتاکم الرسول سے حجیتِ حدیث پر استدلال کیا جاسکتا ہے اور لفظ اتیا۔ کچھ مادی چیزوں سے خاص نہیں ہے۔

---

[1] رواہ البخاری ومسلم [2] پ ۲۸ الحشر [3] ترجمان السنہ جلد ا صفحہ ۱۱

قرآن کریم میں یہاں مثبت اور منفی دونوں پیرائے ہیں۔ مثبت کو اتاکم سے اور منفی کو نہاکم سے تعبیر فرمایا ہے۔ کسے معلوم نہیں نہی کا لفظ امر کے مقابلہ میں آتا ہے۔ یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر کس نے نہیں پڑھا۔ قرآن کریم نے یہاں ما اتاکم الرسول کو ما نہاکم عنہ کے مقابلہ اور فخذوہ کو فانتھوا کے مقابلہ میں ذکر کیا ہے۔ سو اس بات میں کسی تردد کی گنجائش نہیں ہے کہ ما اتاکم یہاں ما امرتکم بہ کے معنی میں ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ تعلیمات کو شامل ہے۔ یہ وہ ہدایت ہے جو آپ اللہ کی طرف سے لائے اور یہی وہ پیغام ہے جو آپ نے امت کو دیا۔ قرآن کریم نے اسی کی تائید کی اور فرمایا۔ ما اتاکم الرسول فخذوہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اتاکم کو امرتکم بشیء سے ذکر کیا ہے اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اس آیت میں اتاکم واقعی امرکم کے معنوں میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اقرع بن حابس نے حضورؐ سے سوال کیا۔ کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ حج زندگی میں ایک دفعہ فرض ہوتا ہے۔ ہاں نفلی حج اس کے علاوہ ہے۔ وہ پھر بھی ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایسے ہی ایک سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

فاذا امرتکم بشیء فاتوا منہ ما استطعتم و ما نھیتکم عن شیء فدعوہ۔[1]

ترجمہ۔ جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو تم اس پر جہاں تک تم سے ہو سکے عمل کرو اور جب کسی چیز سے تمہیں روکوں تو تم اسے چھوڑ دو۔

قرآن کریم میں ما اتاکم الرسول میں ما کو نکرہ لایا گیا اور حدیث میں بھی اذا امرتکم بشیء میں بشیء کو نکرہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں حکم آ گئے اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق یہ کہا سکتا ہے کہ وہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ ما کے عموم نے ہر اس بات کو جو حضورؐ لے کر آئے اپنے اندر سمو لیا اور شیء کا نکرہ ہونا ہر حکم نبوی کو شامل ہو گیا ۔۔۔ حاصل اینکہ یہ حدیث اور یہ آیت ایک کلیدی درجہ رکھتی ہیں جس سے احادیث

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۴۳۲

نبوی اور سنن رسالت کے جملہ خزانے کھلتے ہیں۔

قرآن کی دسویں شہادت کہ حضورؐ ہر بات میں ایک عمدہ نمونہ ہیں۔

⑩ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاٰخر و ذکر اللہ کثیرا۔[1]

ترجمہ۔ بے شک تم لوگوں کے لیے اس رسول میں ایک عمدہ نمونہ موجود ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ کے پاس حاضر ہونے کا یقین اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہو اور خدا کو کثرت سے یاد کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہر کار خیر میں نمونہ ٹھہرے تو اب مومن کا ہر کام رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری سے مشروط ہوگیا۔ نماز و زکوٰۃ کی ہر ادا عمل رسول اور حکم رسول کے تحت آگئی۔ نماز کا طریقہ اور زکوٰۃ کا نصاب کیسے معلوم تھا؟ —— ان احکام پر عمل کی راہیں کن مسلمان کو معلوم تھیں؟ ظاہر ہے کسی کو معلوم نہ تھیں۔ یہ عمل رسول اور حکم رسول ہی تھا جنے نماز اور زکوٰۃ کو لائق عمل بنایا۔ اطاعت رسول کے بغیر یہ دونوں حکم ناقابل عمل تھے۔ اس لیے نماز اور زکوٰۃ کے ساتھ اطاعت رسول کی ہدایت کی گئی۔

واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون۔[2]

ترجمہ۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو —— اور رسول کی فرمانبرداری کرو —— تاکہ تم پر مہربانی ہو۔

یہاں اطیعوا اللہ کا ذکر نہیں —— اللہ کے دو حکم نماز اور زکوٰۃ کے مذکور رہتے۔ ان پر عمل کی راہ بجز اطاعت رسول کے کوئی نہ تھی۔ اس لیے اس آیت میں صرف اطیعوا الرسول کہا تاکہ نماز اور زکوٰۃ کی راہ تمہیں معلوم ہو جائے۔ معلوم ہوا جس طرح نماز و زکوٰۃ خدا کے حکم ہیں۔ اطاعت رسول بھی اسی طرح بالاستقلال ایک حکم ہے۔

آیت لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اپنے عموم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] پ ۲۱ الاحزاب آیت ۲۱ [2] پ ۱۸ النور آیت ۵۶

کے ہر عمل کو شامل ہے اور آپ اپنے تمام اقوال و اعمال میں ہمارے لیے عمدہ نمونہ ہیں۔ اس پر صحابہ کرام رضؓ اور اکابر تابعین کی نہایت عمدہ شہادتیں ہمارے پاس موجود ہیں۔

۱۔ حضرت قتادہؒ (۱۱۸ھ) کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے۔ پہننے سے منع کرنا چاہا ایک شخص نے کہا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ؟ فرمایا۔ بلیٰ۔ کیوں نہیں؟ ـــ [آپ اس کپڑے کو کسی اور مصلحت سے منع کرنا چاہتے تھے۔ یہ نہیں کہ اسے ناجائز سمجھتے تھے] اس پر آپ نے اس ارادے کو ترک فرما دیا۔ روایت میں ہے:
فترکہا عمر[1]

۲۔ یعلیٰ بن امیہ حنظلی صحابی کہتے ہیں میں حضرت عمرؓ کے ساتھ طواف کر رہا تھا۔ آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ میں بیت اللہ کی جانب تھا اور حضرت عمرؓ میرے ساتھ ساتھ تھے جب ہم رکن غربی کے پاس پہنچے۔ میں نے آپ کا ہاتھ کھینچا کہ آپ رکن غربی کا استلام کریں۔ آپ نے پوچھا تجھے کیا ہوا۔ میں نے کہا کیا آپ استلام نہیں کریں گے؟ آپؓ نے فرمایا۔ کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف نہیں کیا؟ میں نے کہا۔ بلیٰ (کیوں نہیں) انہوں نے کہا کہ تو نے آپ کو ان غربی رکنوں کا استلام کرتے دیکھا ہے؟ میں نے کہا۔ نہیں ـــ آپ نے فرمایا:۔

الیس لک فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسوۃ حسنۃ؟ قلت
بلیٰ ـــ قال فابعد عنک۔[2]

ترجمہ۔ کیا تمہارے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں اسوۂ حسنہ نہیں؟ میں نے کہا کیوں نہیں ـــ آپ نے فرمایا پھر اس سے دور رہو۔

۳۔ ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے زیادہ قرآن سمجھنے والا کون ہوگا۔ آپ سے زیادہ قرآن کریم کے سیاق و سباق پر کس کی نظر تھی۔ آپ نے جب یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص قسم کے ساتھ اپنے اوپر وہ چیز حرام کرے جو اللہ نے اس کے لیے حرام نہیں فرمائی تو اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا یہ کفارۂ یمین ہے وہ چیز اس پر حرام نہ ہو سکے گی ـــ اس پر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔[3]

---

[1] المصنف لعبد الرزاق جلد ۱ ص۳۸۲ [2] ایضاً جلد ۵ ص۴۴ [3] صحیح البخاری جلد ۲ ص۷۹۲ صحیح مسلم ص

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا:۔

من نذران ینحر نفسه او ولده فلیذبح کبشاً ـــــ ثم تلا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔[1]

ترجمہ۔ جس نے نذر مانی کہ اللہ کے لیے اپنے آپ کو یا اپنے بیٹے کو ذبح کرے گا اسے اس کے لیے ایک مینڈھا قربانی میں دینا ہوگا (اپنے آپ کو یا اپنے بیٹے کو ذبح نہ کرے) اس پر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ـــــ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

۵۔ اسوۃ الکاملین عمدۃ العارفین حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر میں تھے۔ آپ نے بعض لوگوں کو سفر میں سنتیں پڑھتے دیکھا۔ آپ نے پوچھا یہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ عرض کیا گیا سنتیں پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے کہا اگر تم نے سنتیں پڑھنی ہوتیں تو فرض نماز میں قصر کا حکم کیوں ہوتا؟

حججت مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فکان لا یسبح بالنهار وحججت مع ابی بکرؓ فکان لا یسبح بالنهار وحججت مع عمرؓ فکان لا یسبح بالنهار وحججت مع عثمانؓ فکان لا یسبح بالنهار ثم قال ابن عمرؓ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔[2]

ترجمہ۔ میں نے حضورؐ کے ساتھ سفر حج کیا ہے۔ آپ دن کو سنتیں نہ پڑھتے تھے میں نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بھی حج کیا ہے آپ بھی دن کو سنتیں نہ پڑھتے تھے۔ میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ حج کیا وہ بھی دن کو سنتیں نہ پڑھتے تھے۔ میں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ بھی حج کیا وہ بھی دن کو سنتیں نہ پڑھتے تھے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔[3]

صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فلم یزد علی رکعتین فی السفر حتی قبضه اللہ ثم صحبت ابابکرؓ فلم یزد علی رکعتین ثم صحبت عمرؓ فلم یزد علی رکعتین ثم صحبت عثمانؓ فلم یزد علی رکعتین حتی قبضهم اللہ واللہ یقول لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ سنن ابن ماجہ ص۷۶

---

[1] المصنف لعبدالرزاق ج۸ ص۴۶۷ [2] المصنف لعبدالرزاق ج۲ ص۵۵۷ صحیح مسلم ج۱ ص۲۴۲ [3] صحیح البخاری ج۱ ص۱۴۹

ترجمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں آپ سفر میں ہمیشہ دوگانہ پڑھتے کچھ اور نہ پڑھتے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوئی۔ پھر میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ رہا۔ آپ بھی سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ پھر میں حضرت عمرؓ کے ساتھ رہا آپ نے بھی سفر میں دو رکعت ہی پڑھیں۔ پھر میں حضرت عثمانؓ کے ساتھ رہا۔ آپ نے بھی سفر میں دو رکعت پر کبھی زیادتی نہ کی۔ یہاں تک کہ یہ سب حضرات دُنیا سے اٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں بیشک تمہارے لیے حضورؐ کے عمل میں عمدہ نمونہ موجود ہے۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صرف حضورؐ کے عمل کو ذکر نہیں فرمایا۔ اس عمل کے امت میں باقی رہنے کو بھی ذکر کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سنّت میں تسلسل امت سے وہ قوت قائم ہوتی ہے۔ کہ اب اس میں کسی نسخ اور ضعف کا احتمال نہیں رہتا۔

۶۔ حضرت نافع کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس سال جس سال حجاج نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پر چڑھائی کی حج کے لیے نکلے۔ آپ سے گذارش کی گئی جنگ ہونے والی ہے کہیں آپ اس کی زد میں نہ آجائیں۔ وہ آپ کو روک نہ دیں۔ آپ نے فرمایا:۔

لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة ــــ اذا اصنع كما صنع رسول الله صلى الله عليه وسلم اشهدكم انى قد اوجبت عمرة (وقال) ماشان الحج و العمرة الا واحد اشهدكم انى قد جمعت حجة مع عمرة۔[2]

ترجمہ۔ بیشک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی میں اسوۂ حسنہ (عمدہ نمونہ) موجود ہے ــــ میں اسی طرح کروں گا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (جب وہ حدیبیہ کے مقام پر رک جانے سے پہلے روک دیئے گئے تھے) کیا تھا۔

۷۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں ہم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مسئلہ پوچھا کہ اگر کسی شخص نے عمرہ میں بیت اللہ شریف کا طواف تو کرلیا لیکن صفا مروہ کی سعی نہ کی۔ کیا وہ حلال ہو سکتا ہے؟

قدم النبي صلى الله عليه وسلم فطاف بالبيت سبعا وصلى خلف المقام ركعتين وطاف بين الصفا والمروة سبعا وقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة[3]

---

[1] سنن ابن ماجہ صفحہ ۷۶ [2] صحیح بخاری جلد صفحہ ۲۴۳ [3] صحیح بخاری جلد صفحہ ۲۴۲

آپ نے فرمایا، نہیں حضورؐ نے طواف کے بعد دو رکعت پڑھیں اور ساتھ ہی صفا و مروہ کی سعی کی۔

۸۔ ایک شخص نے حجرِ اسود کے بوسہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استلام کرتے اور بوسہ دیتے دیکھا ہے۔ اس نے پوچھا اگر ہجوم زیادہ ہو بھیڑ ہو اور استلام مشکل ہو؟ —— آپ نے فرمایا :۔

اجعل ارأیت بالیمن۔ رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستلمہ ویقبلہ۔[1]

ترجمہ۔ اگر کو تو یمن میں پھینک میں نے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرِ اسود کا استلام کرتے اور بوسہ دیتے دیکھا ہے۔

۹۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا۔ ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھے گا اتفاق سے اس کے بعد فوراً عید آگئی۔ کیا وہ عید کے دنوں میں روزہ رکھے۔ آپ نے فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید کا روزہ نہ رکھتے تھے نہ اسے پسند فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس موقعہ پر پھر یہ آیت تلاوت فرمائی —— لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔[2]

۱۰۔ امام زین العابدین نے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح اپنے ایک آزاد کردہ غلام سے کر دیا اور اپنی ایک کنیز کو آزاد کرکے خود اس سے نکاح کر لیا۔ خلیفہ عبدالملک نے انہیں ایک خط لکھا اور خاندانی شرافت یاد کرائی آپ نے اُسے لکھا :

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ قد اعتق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفیۃ بنت حیی وتزوجہا و اعتق زید بن حارثۃ و زوجہ ابنۃ عمہ زینب بنت حجش"[3]

اس قسم کی متعدد مثالیں کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ و تابعین نے اس آیت کو کسی ایک واقعہ یا صورتِ حال سے خاص نہیں کیا۔ بلکہ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ تعلیمات و ہدایات کے لیے ایک کلیدی آیت سمجھا ہے۔ آپ کی ساری شریعت اور جملہ اوامر و نواہی اس آیت کے تحت امت کے لیے ایک عمدہ نمونہ عمل ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک عمل کو اپنے لیے دلیل قرار دیا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ا صـ ۲۱۸، ۲۱۹ [2] ایضاً صـ ۲۹۲ [3] طبقات ابن سعد جلد صـ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں ہیں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا حجر اسود کو بوسہ دے رہے ہیں اور فرماتے ہیں. میں نے اگر حضورؐ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا[1]

زیاد بن جبیر کہتے ہیں ایک شخص اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا. حضرت عبداللہ بن عمرؓ وہاں سے گزرے اور آپ نے اسے ایسا کرتے دیکھا. آپ نے فرمایا اسے کھڑا کر کے نحر کر. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہی تھا۔ سنۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم[2]

قرآن کریم کے اس کھلے حکم (کہ حضورؐ کی ذات گرامی میں تمہارے لیے اسوۂ حسنہ اور قابل اعتماد نمونہ ہے) سے تنگ آکر منکرین حدیث ایک نئی چال چلے اور عمل رسول اور اسوۂ رسول میں فرق کر دیا۔ اس موڑ کا سنگ میل حافظ اسلم جیراجپوری ہیں۔ وہ کہتے ہیں اسوۂ رسول متواتر ہے اور عمل رسول کے لیے متواتر ہونا ضروری نہیں۔

قرآن کریم کی اس آیت (لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ) کو جس طرح صحابہؓ سمجھے اس کے تحت حضورؐ کا ہر ہر عمل امت کے لیے قابل اعتماد نمونہ ہے۔ قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں کبھی اس میں کسی قسم کی تفصیل نہیں کی گئی. تمام امور میں آپ کو اسوۂ حسنہ کہا گیا ہے۔ جو احکام مجمل تھے. حضورؐ اپنے عمل میں ان کے تشکیل دہندہ تھے۔ ان تفصیلات کے ثبوت میں تو درجے ہو سکتے ہیں کہ متواتر ہے یا خبر واحد. مگر اس میں کہیں کوئی فرق نہیں ملتا کہ فلاں امور میں عملی تشکیل حضورؐ کے ذمہ تھی اور فلاں فلاں باتوں کی تفصیل اب مسلمانوں کی مرکزی اسمبلی طے کرے گی. حافظ اسلم صاحب خود لکھتے ہیں :-

> بے شک قرآن کریم نے ان تفصیلات کو اپنے ذمہ نہیں لیا. مگر اس نے اپنے احکام کی عملی تشکیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کی ہے ----
>
> وہ عملی نمونے بسلسلہ تواتر چلے آرہے ہیں اور بالکل یقینی ہیں[3]

یہاں سوال یہ ہے کہ جن احکام کی تشکیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کی گئی تھی. وہ شریعت کے کسی خاص بات سے متعلق تھی یا تمام ابواب سے ---- پہلی صورت میں بتلایئے کہ بقیہ ابواب کی تشکیل آخر کس کے سپرد رہی ---- جس موضوع کی تشکیل آنحضرت

---

[1] صحیح بخاری جلد ا صہ ۲۱۸ [2] صحیح بخاری جلد ا صہ ۲۳۱ [3] علم حدیث صہ ۳۶

صلی اللہ علیہ وسلم نے کی (جیسا کہ اسلم صاحب کا خیال ہے نماز وغیرہ کی) تو کیا یہ تمام تشکیل بطریق تواتر ہم تک منقول ہے؟ اگر تمام کی تمام بطریق تواتر منقول نہیں تو جو رہ گئی اس کی تکمیل کی اب کیا صورت آپ تجویز کریں گے؟ کیا یہ حق آپ قومی اسمبلی کو دیں گے؟ اور کیا ہر ملک کی قومی اسمبلی اپنے اپنے ہاں ایک امت کے علیحدہ علیحدہ فیصلے کرے گی؟ ــــــ دوسری صورت میں اگر تمام ابواب عمل کی تشکیل آپ ہی کے سپرد تھی. تو پھر کیا اس تفصیل کو تواتر کے ساتھ منقول نہ ہونا چاہیئے تھا؟ اگر یہ تشکیل ہم تک بطریق تواتر نہیں پہنچی تو پھر آپ سوچیں کہ آپ کا مفروضہ ہی تو کہیں غلط نہیں ہو گیا جو اسوۂ حسنہ کو تواتر سے خاص کر رہا ہے۔ ہمارے نزدیک شریعت کے ہر ہر باب کی عملی تشکیل کا تواتر بہت زیادہ تامل کا محتاج ہے۔ تمام ابواب تو درکنار ایک نماز ہی کو لیجیے۔ رکعات، فرائض اور قیام و رکوع و سجود کی ترتیب کے علاوہ اس کی کسی ایک صورت عمل کے متعلق تواتر کا دعوے نہیں کیا جا سکتا ہے۔

محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم مدنیؒ اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

نماز کو چھوڑ کر اب ذرا زکوٰۃ کی طرف توجہ فرمایئے۔ یہاں وہ کون سی تشکیل ہے جس کو عہد نبوت سے لے کر آج تک برابر متواتر کہا جا سکتا ہے. مدتیں ہو گئیں کہ حیوانات کی زکوٰۃ، عشر و خراج کے مسائل کا تخم ہی مٹ چکا ہے حتیٰ کہ آج ہندوستان میں کسی کو یاد نہیں رہا کہ شریعت میں کبھی حیوانات کی زکوٰۃ بھی لی گئی تھی۔ اکثر مسائل طلاق، عدت، نفقہ و سکنیٰ اور ایلاء کی عملی تشکیل کا حال بھی یہی ہے. اسی طرح جہاد کا تمام باب غنائم کی سب تفصیلات فدیہ اور قیدیوں کے جملہ احکام، تدبیر و کتابت، ام ولد اور عتق کے سب مسائل کا ہندوستان میں نام و نشان تک نابود ہو چکا ہے تواتر تو کجا ــــــ یہی حال معاملات میں بیع و شراء، رہن و وقف کا ہے۔ حدود و تعزیرات کا تو (ماسوائے سعودی عرب کے) دنیا کے کسی خطہ میں نفاذ ہی نہیں۔ بلکہ خود مسلمان کہلانے والوں کو کفار کی اتباع میں ان کی مشروعیت پہ اعتراض ہے۔ اسلم صاحب تو دین کی بنیاد متواتر اسوۂ حسنہ پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہاں ہمیں

تواتر کی بجائے آج اس کا وجود ہی نظر نہیں آتا۔ کاش امت محمدیہ اگر اس اسوۂ حسنہ پر تواتر کے ساتھ نہ سہی متفرقاً ہی عمل کرتی تو مسلمانوں کو اپنے زوال کا یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا ــــ پس یا تو اسلم صاحب کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ قرآن خود اپنا بیان آپ ہے۔ اس کو کسی اور بیان کی احتیاج ہی نہیں اور اگر یہ احتیاج مسلم ہے تو پھر اس کو کسی ایک باب کے ساتھ مقید کرنا صحیح نہیں اور اگر مخصوص کیا ہے تو اس کے تواتر کا دعویٰ صحیح نہیں ــــ جو شخص دین کی تشکیل کے متعلق تواتر کا دعوے کرنا چاہتا ہے۔ اس کے یہ خوشنما اور خوش کن الفاظ موجودہ دین کی صورت عمل کے لیے تخریب کا کام تو کر سکتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے لیے کسی انداز فکر میں کارآمد نہیں ہو سکتے۔ [1]

اسلم صاحب جیراجپوری نے عمل رسول اور اسوۂ رسول میں فرق کر کے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ بلکہ دین کے ثبوت میں تشکیک کے ایسے کانٹے بکھیرے ہیں کہ مسلمانوں کے اس خصوصی امتیاز کو ہی مٹا دیا ہے۔ جو بقول اسپنگر اس امت کو دوسری امتوں کے بالمقابل حاصل تھا۔

(۱۱) قرآن کریم کی گیارہویں شہادت کہ پیغمبر کی مخالفت اسکے طریقہ پر نہ چلنا ہے

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ و یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولیٰ ونصله جهنم وساءت مصیرا۔

ترجمہ۔ اور جو شخص اس رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ حق اس پر واضح ہو چکا اور وہ مسلمانوں کی راہ چھوڑ کر کسی اور طرف ہو لے تو ہم (دنیا میں) اسے جانے دیں گے جدھر وہ مڑا اور (آخرت میں) اسے جہنم پہنچائیں گے اور بُری جگہ ہے جانے میں۔

یہاں رسول کے حکم کی ایک عملی راہ بتائی ہے ــــ وہ کیا؟ جس پر صحابہ کرامؓ چل نکلے تعلیم رسول عملی تشکیل پا گئی۔ جو شخص اس عملی تشکیل کے خلاف چلے گا۔ وہ رسول کی مخالفت کا

---

[1] ترجمان السنۃ جلد ۱ ص۱۲۷ ؛ تفسیر تیسیر ج۲ پ۵ النساء آیت ۱۱۵

مجرم ٹھہرے گا اور آخرت میں اس کا ٹھکانہ جہنم ہے ــــ جب صحابہؓ کی راہ کے خلاف چلنا مخالفت رسول ہے۔ تو خود حضورؐ کے حکم کو نہ ماننا کس درجے کی مخالفت رسول ہوگا۔ یہ آپ سو چیں ــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر بات مسلمانوں کے لیے واجب التسلیم ہے۔ کسی ایک بات کا انکار بھی مخالفت رسول کو مستلزم ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ اس آیت پر لکھتے ہیں :۔

جب کسی کو حق بات واضح ہو چکے۔ اس کے بعد بھی حکم رسول کی مخالفت کرے اور سب مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جدی راہ اختیار کرے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مخالفت کا ذکر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا بیان ہے اور اسے اتباع غیر سبیل المومنین کے مقابل ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوا یہاں مخالفت سے مراد آپ کے راستے کی اتباع چھوڑنا ہے اور آپ کی مخالفت خود اللہ رب العزت کی مخالفت ہوگی۔ سبیل مومنین کو اس لیے حجت ٹھہرایا ہے کہ یہ حضرات خود عمل رسالت کے گواہ تھے اور ذات رسالت خود ان کے لیے رضائے الٰہی کا نشان تھی۔

یہی مضمون اس آیت میں مذکور ہے :۔

وکذلک جعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شہداء علی الناس ــــ ویکون الرسول علیکم شہیدا۔[1]

ترجمہ۔ اور ہم نے تمہیں ایسی جماعت بنا دیا ہے جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں پر حق کے گواہ رہو اور تمہارے لیے یہ رسول حق کے گواہ ہوں۔

(۱۲) قرآن کریم کی بارہویں شہادت کہ حضورؐ کے بیان پر حلال و حرام کے فیصلے ہیں۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات و

---

[1] پ البقرہ ع ۱۷ آیت ۱۴۳

یحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم۔[1]

ترجمہ۔ وہ لوگ جو اتباع کریں گے اس رسول اُمی کی ـــــ جس کو وہ اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں تورات و انجیل میں ـــــ وہ حکم کرتا ان کو نیک کام کا اور روکتا ہے بُرے کام سے ـــــ اور حلال کرتا ہے ان کے لیے پاک چیزیں اور حرام ٹھہراتا ہے ان پر گندی چیزیں اور اتارتا ہے ان سے ان کے بوجھ اور دکھولتا ہے) ان کے طوق جو اُن پر پڑے تھے۔

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے مدتوں پہلے ان کی اتباع کی بشارت دی گئی۔ بتایا گیا کہ حضورؐ کی اتباع اور تابعداری جو لوگ کر پاتے ہیں ان پر اللہ رب العزت دنیا و آخرت کی راہیں کھولے گا اور وہ دونوں جہانوں کی اچھائی پالیں گے ـــــ اب کہیں پیغمبر صرف پیغام رسانی کے لیے آتے ہیں۔ یا ان کی اتباع بھی ان کی امتوں پر لازم ٹھہرتی ہے۔ اگر اتباع رسول امر مامور بہ نہ ہوتا تو اللہ رب العزت اس پیرایہ مدح میں اس کا ذکر نہ فرماتے۔

اس آیت میں تحلیل و تحریم کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے۔ حالانکہ تحلیل و تحریم کا حق صرف اللہ رب العزت کا ہے۔ معلوم ہوا اللہ رب العزت کی طرف سے تحلیل و تحریم آپ کے ذریعہ ہی ظاہر ہوئی ہے۔ قرآن کریم نے جن چیزوں کو حرام فرمایا۔ ان کے علاوہ اور بہت سی چیزیں حرام ہیں۔ ان کا پتہ کہاں سے ملے گا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ـــــ گندم کی بیع گندم سے کمی بیشی کے ساتھ یہ سود ہے۔ یہ کس سے پتہ چلے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ـــــ یہ ان کی شان میں ہے۔ یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث ـــــ اگر آپ کی زبان مبارک اور عمل رفیع امت کے لیے سند اور دلیل نہ ہوتے اور آپ کی حدیث اور سنت مسلمانوں کے لیے حجت نہ ہوتی تو قرآن کریم کا پیرایہ بیان یہ نہ ہوتا۔ اور حلال و حرام کے بیان کی آپ کی طرف نسبت نہ ہوتی۔

محقق ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں: الحاکم لا خلاف فی انہ اللہ رب العالمین۔[2]

ترجمہ: علماء میں اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حاکم صرف اللہ رب العالمین ہی ہے۔

---

[2] التحریر جلد ۲ صفحہ ۲۹ لابن الہمام

اور علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں :-

ان التحلیل والتحریم من عند الله لا مدخل فیه لبشر فیه[1]

ترجمہ بے شک کسی چیز کو حلال کرنا اور حرام کرنا اللہ کی طرف سے ہے. کسی انسان کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

وسر ذلك ان التحليل والتحريم عبارة عن تكوين نافذ في الملكوت ان الشئ الفلاني يؤاخذ به اولا يؤاخذ به فيكون هذا التكوين سببا للمؤاخذة وتركها وهذا من صفات الله تعالى واما نسبة التحليل والتحريم الى النبي صلى الله عليه وسلم فبمعنى ان قوله امارة قطعية لتحليل الله تعالى وتحريمه[2]

تحلیل و تحریم کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس لیے ہوئی ہے کہ آپ کا کہنا اس بات کا قطعی نشان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات قابل مؤاخذہ نہیں اور یہ بات قابل مواخذہ ہے حرام ہے لائق گرفت ہے۔ اور اس چیز پر گرفت نہیں یہ حلال ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ آپ کی زبان حق تعالیٰ کی ترجمان ہے اور دین کے باب میں آپ جو کچھ کہتے ہیں خدا کی طرف سے کہتے ہیں. خدا اور آپ کی ہر کہی ہوئی بات ہم پر خدا کی حجت ہے. تحلیل و تحریم کسی انسان کا حق نہیں. آپ تحلیل و تحریم کے فیصلے خدا کی نیابت میں کرتے تھے۔

خنزیر اور کتے بلے کا حرام ہونا یہ سب خدا کے حکم سے تھا. یہ کہنا درست نہیں کہ حرام چیزیں اللہ اور رسول نے بانٹ رکھی تھیں. اس دور کے ایک صاحب لحم الخنزیر کی تشریح میں لکھتے ہیں :-

"رب کی مرضی تھی کہ سؤر کا گوشت میں حرام کروں اور اس کے باقی اجزاء میرے حبیب حرام فرمائیں. اس نے صرف سؤر کو حرام کیا باقی کتا بلا وغیرہ اس کے حبیب نے"[3]

اس سوچ پر جو تحلیل و تحریم میں خدا اور رسول میں حصے کرے ہم سوائے افسوس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۱۲ صفحہ ۲۱ [2] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ صفحہ ۴۶ [3] نور العرفان صفحہ ۲۹ گجرات

حفاظتِ حدیث

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفی۔ امابعد:

لفظ حفاظت سے مراد

آج کے عنوان میں حفاظت سے مراد یہ نہیں۔ کہ اس میں کوئی غلطی نہ لگے۔ بلکہ مراد یہ ہے۔ کہ اس میں غلطی راہ نہ پائے۔ جب بھی غلطی لگے یا کوئی بات رہ جائے تو اس کی اصلاح واتمام کے تمام ذرائع اور وسائل موجود ہوں۔ اور وہ وسائل ضرورت کے موقعہ پر میسّر بھی آسکیں۔ حفاظتِ حدیث کے موضوع کو سمجھنے کے لیئے پہلے یہ بات ذہن میں صاف ہونی چاہیئے۔ کہ قرآن کریم کی حفاظت کس طرح سے ہے۔

قرآن کریم کی حفاظت کس طرح سے ہے

آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا ذمّہ لیا ہوا ہے۔ لیکن کیا آپ نے کسی حافظ یا قاری کو تلاوت میں بھولتے یا متشابہ لگتے نہیں سنا؟ کیا بعض نادان قرآن کریم کو غلط نہیں پڑھتے؟ کیا کسی کاتب سے قرآن پاک کی کتابت میں کبھی کوئی غلطی نہیں ہوئی؟ اور کیا کسی پریس میں کوئی زیر وزبر کی فروگذاشت نہیں پائی گئی؟ ان سب سوالوں کا جواب ایک ہی ہے کہ غلطی لگ جانا اور بات ہے اور غلطی کا راہ پا جانا اور بات ہے جب تک کوئی غلطی راہ نہ پا جائے Established نہ ہوجائے ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ قرآن کی حفاظت نہیں رہی یا قرآن کریم سے خدائی حفاظت کا ذمّہ اب اُٹھ گیا ہے۔ (معاذاللہ) بلکہ جب کوئی غلطی کرتا ہے تو اسے روک دیا جاتا ہے۔ ٹوک دیا جاتا ہے۔ اور اس غلطی کی اصلاح کر دی جاتی ہے۔ کوئی بدنیت ہو تو اس کی تردید کر دی

دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن پاک صحیح پڑھنے والے صحیح لکھنے والے صحیح یاد رکھنے والے اور صحیح بیان کرنے والے ہمیشہ غالب اور واضح رہے ہیں۔ تلاوت ہو یا قرأت۔ کتابت ہو یا طباعت کہیں کوئی غلطی قائم نہیں رہی۔ نہ راہ پا سکی ہے۔ قرآن کریم کی ابدی حفاظت کا خود اللہ رب العزت نے تکفل فرمایا ہوا ہے۔

حدیث کی حفاظت کس طرح ہوئی

جب تلاوت و قرأت میں بھول چوک حفاظتِ قرآن کو مجروح نہیں کرتی۔ تو نقل ورِوایت کی کسی غلطی سے یا راوی کی بھول چوک سے بھی حفاظتِ حدیث مجروح نہیں ہوتی۔ جس طرح غلط تلاوت پر ٹوکنے اور لقمہ دینے والے ہر جگہ اور ہر دَور میں ملتے ہیں۔ ضعیف اور نامکمل روایات پر راویوں کی بھول چوک کو نمایاں کرنے والے محدثین بھی ہر دَور میں حفاظتِ حدیث کی خدمت سرانجام دیتے آئے ہیں۔ مبتدعین اور ملحدین نے جب بھی موضوع و منکر اور شاذ و متروک روایات کا سہارا لیا اور عقائد باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ کو ان کا پانی ملا۔ تو محدثین کرام نے کبھی ان خودرَو پودوں پر بہار نہیں آنے دی۔ اہل حق باطل پر جاء الحق وزھق الباطل کی ضرب سے ٹوٹ پڑے۔

سو جو شخص ضعیف و منکر روایات کے سہارے کل ذخیرۂ احادیث کو مشکوک سمجھتا ہے۔ وہ اس شخص سے کچھ زیادہ فاصلے پر نہیں۔ جو تلاوت اور قرأت کی بعض عام غلطیوں کے باعث حفاظتِ قرآن ہی سے منکر ہو یا اسمیں شک کرنے لگے قرآن کریم کی ابدی حفاظت کا تکفل خود قرآن پاک میں مذکور اور آیت کریمہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون[1] میں مزبور ہے۔ اس کا ترجمہ ہے "بے شک ہم نے ہی ذکر نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"

یہاں قرآن کریم کو لفظ ذکر سے ذکر کیا گیا ہے۔ الفاظ معنی سے ہی نصیحت بنتے ہیں۔

---

[1] پ ۱۴ سورۃ الحجر ع ۱

قرآن کس چیز کا نام ہے

قرآن کریم کس چیز کا نام ہے؟ الفاظ کی اس خاص ترکیب کا جو وحی الٰہی میں ہے۔ اور انسان اس جیسے نظم الفاظ سے عاجز ہے۔ اس نظم الفاظ میں جو معنی مراد ہیں وہ بھی قرآن کی ذات ہیں۔ اصول کی مشہور کتاب نور الانوار میں ہے :۔

هو (القرآن) اسم للنظم والمعنی جمیعاً۔

ترجمہ۔ قرآن ایک خاص ترتیب الفاظ اور ان کے معنی مراد کے مجموعے کا نام ہے۔

اس کے یہ معنی خاص قرآن پاک کی ذات ہیں اور ان سے امان اٹھنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ قرآن کریم کی حفاظت نہ رہی۔ (معاذ اللہ) سو یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ حفاظتِ قرآن کا الٰہی وعدہ اس کے معنی مراد کو شامل نہ ہو

حفاظتِ قرآن کا مطلب

قرآن پاک کی یہ حفاظت کیا الفاظِ قرآن پاک تک محدود ہے؟ یا قرآن پاک کے مطالب بھی اس آیت کی رو سے پوری طرح محفوظ ہیں؟ جواب یہ ہے کہ قرآن پاک ہر پہلو سے محفوظ ہے۔ یہ نظم و معنی کے مجموعہ کا نام ہے اور اس کا نظم مراد اور معنی مراد ہر دو، خدا کے زیرِ حفاظت ہیں۔ پورے قرآن پر خدا کی حفاظت کا وعدہ ہے۔ کوئی کتنی ہی غلط تفسیر کیوں نہ کرے یا غلط مطالب کیوں نہ بیان کرے۔ اس پر رد کرنے اور ٹوکنے والے اہل علم ہر دور میں موجود رہے ہیں اور ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ محرفین کے ہاتھوں یہ کتابِ عزیز معنوی تحریف کا شکار ہو جائے اور وہ تحریف اس میں راہ پا جائے۔ اس کتاب کی کلی ابدی حفاظت خدا کے ذمے ہے۔ اور وہی اس کا محافظ ہے۔ حفاظت سے یہی مراد ہے۔ اور حفاظت ہمیشہ سے اس کے الفاظ و معانی کو شامل رہی ہے۔

صرف الفاظ کی حفاظت بے معنی ہے

قرآن کریم میں اگر معنوی تحریف کو راہ دی جائے اور حفاظت صرف نقوش کتابیہ کے تحفظ تک محدود ہو تو قرآن کی ابدی حفاظت کی بشارت ایک بے معنی بات ہو کر رہ جائے گی۔ الفاظ کی حفاظت خود مقصود نہیں ہوتی۔ ان کا تحفظ محض اس لیے ہوتا ہے کہ وہ معانی و مطالب کی حفاظت کا ذریعہ بن سکیں۔ الفاظ کا تحفظ، معانی کی صحت کے لیے ہے۔ اور حق یہی ہے کہ الفاظ کی ابدی حفاظت کی طرح اس کے معانی و مطالب کا تحفظ بھی اس وعدۂ الٰہی اور عظیم پیشگوئی میں منطوی ہے۔ اسی لیے اس وعدۂ الٰہی میں اسے لفظ ذکر سے ذکر کیا گیا ہے۔ جو ساتھ ساتھ معانی پر بھی دلالت کر رہا ہے۔

حفاظتِ قرآن کا ایک اہم پہلو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی تشریح و توضیح کرنے کے خدا کی طرف سے مامور تھے [1] قرآن پاک میں بہت سے احکام ہیں۔ جو بہت مجمل صورت میں بیان ہوئے جیسے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و توضیح کو ان مجمل احکام کے ساتھ نہ ملایا جائے۔ اس وقت تک ہم معلوم نہیں کر سکتے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس چیز کا مکلف ٹھہرایا ہے۔ ان مجمل احکام کی وہ تفصیل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً اختیار کی، اگر محفوظ نہ رہی ہو اور اس "بیانِ رسول" کے محفوظ رہنے کی کہیں کوئی ذمہ داری نہ ہو۔ تو ان صورتوں میں قرآن پاک کی ان آیات سے جو کہ مجمل ہیں۔ مگر صریح نہیں۔ کبھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہو گا اور قرآن کریم کے بہت سے احکام جن کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں مکلف کیا ہے یکسر معطل ہو کر رہ جائیں گے۔ نتیجہ لازم یہ ہو گا۔ کہ ہم ان مقامات میں خدا تعالیٰ کی صحیح مراد نہ جان سکیں گے [2] کیا اس سے حفاظتِ قرآن سے امان نہ اُٹھ گئی؟ اور حفاظتِ قرآن مجروح نہ ہوئی۔

---

[1] وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم پ النحل ع ۶ [2] الاحکام لابن حزم جلد ۱ صفحہ ۱۲۱

یہ صورتِ حال قرآن پاک کی ابدی حفاظت کو بُری طرح متاثر کرے گی۔ پس ہم اس اقرار پر مجبور ہیں۔ کہ قرآن پاک کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اس کی وہ تفصیل بھی پوری طرح محفوظ ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً اختیار فرمائی۔ اسے بیان کیا یا اسے دوسروں کے سامنے منظوری بخشی۔ گویہ سکوت سے ہو۔ سو ہمیں اس یقین سے چارہ نہیں۔ کہ حفاظتِ قرآن حفاظت حدیث کو بھی شامل و لازم ہے۔ ورنہ حفاظتِ قرآن کا وعدہ بھی بے کار اور بے سود ہو کر رہ جائے گا۔ اور یہی سمجھا جائے گا۔ کہ قرآنی حفاظت کا وعدہ محض ایک لفظوں کا کھیل ہے۔ اور قرآن اپنے مفہوم کو قطعی شکل میں محفوظ رکھنے میں فیل ہے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)۔ ظاہر ہے کہ کوئی صاحبِ علم اس کی تائید نہ کر سکے گا۔

حفاظتِ حدیث کا قرآنی عنوان

اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کے کئی نام ہیں۔ جب اس کے الفاظ اور ان کی قرأت پر نظر ہو تو قرآن کا نام زیادہ ممتاز ہے۔ جس کی اصل قرأت اور پڑھنا ہے ——— جب اسے باطل کے مقابلہ میں دیکھا جائے تو یہ فرقان ہے۔ جس کا کام حق و باطل میں فرق کرنا ہے ——— جب اس کی معنوی حیثیت پر نظر کی جائے تو اس کا نام ذکر ہے۔ جس سے فہم بیدار ہوتا ہے اور حقیقت کھلتی ہے ——— اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کے قرآنی عنوان میں اس کا نام قرآن یا فرقان کے بجائے الذکر ذکر فرمایا ہے۔ جو بجائے خود اس کتاب کی معنوی حفاظت کی ایک دلیل ہے۔

ارشاد ہوتا ہے :۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون [1]

"بیشک ہم نے ہی یہ سمجھی جانے والی بات اتاری ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

پس اللہ تعالیٰ نے الذکر کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا ہے۔ وہ حفاظتِ قرآن تک

---

[1] پ ۱۴ سورۃ الحجر ع ۱

محدود نہیں۔ الفاظِ قرآن کے ساتھ ساتھ اس بیانِ قرآن کو بھی شامل ہے۔ جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے مامور تھے ــــــــ قرآن کریم واضح کرتا ہے۔ کہ الذکر قرآن کریم کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس تبیین و توضیح کو بھی شامل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی تفصیل و تشریح کے لیے بالعمل اختیار فرمائی:۔

وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم[1]

ترجمہ۔ اور اتارا ہم نے آپ کی طرف الذکر کہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کر سکیں۔ جو ان کی طرف اتارا گیا ہے۔

یہاں ما نزل الیھم سے مراد تو قرآن پاک ہے اور بیانِ پیغمبر سے مراد قرآن پاک کی وہ تفصیل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیاناً اور عملاً اختیار فرمائی تھی۔ اور اسے ہی حدیث کہتے ہیں۔ اس آیت سے پتہ چلا کہ الذکر قرآن پاک کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کی تبیین کو بھی شامل ہے۔ اور اس کی وہ تفصیل و تشریح جو حضورؐ کے ذریعہ ہوئی وہ بھی ایک عطیہ ربانی اور نزول آسمانی ہے اور اللہ رب العزت نے ہی اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا ہے۔ حافظ ابن حزم (۴۵۷ھ) لکھتے ہیں:۔

تمام اہل لغت اہل شرائع کا اس پر اتفاق ہے کہ جو وحی بھی (خواہ متلو ہو یا غیر متلو جیسا کہ انزل اللہ علیك الکتاب والحکمۃ[2] میں دونوں کو ذکر فرمایا) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی وہ اللہ کی طرف سے اُتارا ہوا ذکر ہے اور یہ پوری وحی الٰہی اللہ کی حفاظت میں ہے۔ ..... جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آیت حفاظت میں الذکر کا مصداق صرف قرآن کریم ہے اور وہ بھی الفاظ کی حد تک ان کا دعوے یہ بالکل غلط ہے۔ جس پر کوئی دلیل نہیں۔ ..... لفظ الذکر کا مصداق ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ الفاظ ہوں یا معنی۔ قرآن ہو یا سنت دونوں وحی الٰہی ہیں۔ قرآن کی مراد سنت ہی سے تو واضح ہوتی ہے[3]

---

[1] پ۱۴ النحل ع ۶ [2] پ۵ النساء ع ۱۷ [3]

قرآن وسنت کا علم رکھنے والے ہی اہل ذکر ہیں اور وہی اس آیت میں مراد لیئے گئے ہیں۔ اور انہی کا حق ہے۔ کہ امت قرآن پر عمل پیرا ہونے میں ان سے ہدایت پائے۔ قرآن حکیم میں ہے:۔

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۝[1]

ترجمہ۔ تم اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو۔ اگر تم (کسی بات کو) نہیں جانتے

کیا یہاں ہدایت کا سبب اہل ذکر کو نہیں ٹھہرایا گیا؟ کیا اہل ذکر سے مراد صرف الفاظ قرآن کے حافظ ہیں؟ اور کیا صرف حافظ دین میں پیدا ہونے والے ہر سوال کا جواب بن سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو یقین کیجئے کہ ذکر سے مراد یہاں صرف سطح الفاظ نہیں۔ الفاظ اپنی تمام گہرائی اور گیرائی کے ساتھ مراد ہیں۔ اور اس پورے قرآن کو خدائی حفاظت شامل ہے۔ الحمدللہ حفاظتِ ذکر کا یہ وعدہ حفاظت قرآن کے پہلو سے حفاظ و قراء مفسرین اور اہل حق کے ذریعہ پورا ہوا اور حفاظت حدیث کے پہلو سے ائمہ حدیث اور فن حدیث کے ناقدین کے ہاتھوں تاریخ کے ہر دور میں پورا ہوتا رہا۔ فجزاہم اللہ عنا احسن الجزاء۔

گروہ ایک جویا تھا علم نبی کا — لگایا پتہ اس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا — کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا

کیئے جرح و تعدیل کے وضع قانوں
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

(حالی)

حدیث کی حفاظت کا لازم وعدہ

حفاظتِ ذکر کے عنوان میں الفاظِ قرآن اور بیان قرآن ہر دو کی حفاظت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ بیان قرآن کی حفاظت کے ضمن میں حدیث کس طرح محفوظ رہی۔ اسے سمجھنے کے لیئے حضرت امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) کے اس بیان پر غور کیجئے:۔

سنت کا سب ذخیرہ مجموعی طور پر محدثین کے پاس موجود ہے۔ گو

---

[1] پ۱۴ النحل ع ۶۔ پ۱۷ الانبیاء ع ۱

بعض محدثین کے ہاں زیادہ اور بعض کے ہاں کم۔ لیکن اگر تمام محدثین کی حدیثوں کو یکجا کیا جائے تو سنت کا پورا ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے۔ ہاں ہر محدث کی جمع کردہ ذخیرۂ احادیث کو الگ الگ لیا جائے۔ تو ہر محدث سے کچھ نہ کچھ حدیثیں رہ گئی ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ جو حدیثیں ایک محدث سے رہ جاتی ہیں وہ دوسرے کے ہاں مل جاتی ہیں[1]

حضرت امام شافعیؒ کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے۔ کہ حدیث مجموعی طور پر ہمیشہ سے محفوظ رہی ہے۔ اور بعض روایات اور جزئیات میں اختلاف اس مجموعی حفاظت میں کبھی حارج نہیں رہا۔ یہ دوسری صدی کے آخری دور کی شہادت ہے۔ اور اس وقت تک ابھی امام بخاری اور امام مسلم جیسے ائمہ فن نے اپنی نادرہ روزگار کتابیں تالیف نہ کی تھیں تیسرے دور میں جب صحاح ستہ جیسی گرانقدر تالیفات مرتب ہو گئیں۔ تو حدیث اس وقت ایک ایسے دور حفاظت میں داخل ہو چکی تھی۔ کہ اس پر قطعی حفاظت کا لفظ بغیر کسی تاویل کے پورا اترتا تھا۔

اگر یہ قطعیت ان ائمہ صحاح سے اوپر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک متواتر ہو (یعنی حضورؐ کی کچھ احادیث امت کو آگے اسی تواتر یقین سے پہنچی ہوں۔ جس طرح صحابہ کرامؓ کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشۂ عمل قطعی اور یقینی تھا) تو بے شک اس پر اسی طرح ایمان لانا ضروری تھا۔ اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ حدیث بھی ایک پہلو سے قرآن ہی ہے کیونکہ یہ قرآن کا عملی بیان اور اس کے مجملات کی ہی توضیح و برہان ہے۔

حضرت قاضی عیاض (۴۴۵ ھ) لکھتے ہیں:۔

وکذالك نقطع بتکفیر کل من کذب و انکر قاعدۃً من قواعد الشرع و ما عرف یقیناً بالنقل المتواتر من فعل الرسولؐ ووقع الاجماع المتصل علیہ کما انکر وجوب الصلوٰات الخمس وعداد رکعاتہا و سجداتہا[2]

---

[1] رسالہ امام شافعیؒ صد۳۴ [2] الشفاء جلد ۲ صک۲۸ مصر

ترجمہ۔ اور اسی طرح ہم ہر اس شخص کو جو شریعت کے قواعد میں سے کسی قاعدے کا انکار کرے اور حضورؐ کے اس فعل کا انکار کرے جو یقین اور تواتر سے معلوم ہو چکا ہو اور اس پر اجماع پورے تسلسل سے چلا آیا ہو قطعی طور پر کافر جانتے ہیں۔ جیسے وہ شخص جو پنجگانہ نمازوں کی فرضیت اور ان کے عدد رکعات کا منکر ہو کافر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے ذریعہ یہ وحی الٰہی کی حفاظت ہے۔ حدیث کی حفاظت نے اور کتنے پیرائے اختیار کیے اور عمل رسول کن کن راہوں سے امّت کے لیے پگڈنڈی بنتا رہا اور امّت کے قافلے کس طرح سے اس راہ پر چلتے آئے۔ اب اس کی کچھ تفصیل کی جاتی ہے۔

حفاظتِ حدیث کی عملی صُورتیں

ہم مسلمان قرآن کریم میں حفاظت حدیث کا وعدہ دیئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ بے شک اپنے اس وعدہ کو پُورا کیے ہوئے ہیں۔ یہ اس کا تکوینی فیصلہ ہے اور قرآن میں اس کی تشریعی خبر موجود ہے۔ بے شک ہم اللہ کے اس وعدے پر قائم ہیں۔ لیکن جو اسباب اس کے لیے عملاً واقع ہوئے۔ اور ان کے ذریعہ یہ ارادہ الٰہی پُورا ہوا۔ وہ امور ہمارے لیے سنگِ میل کا درجہ رکھتے ہیں۔

① قرآنی ہدایت میں

قرآن کریم نے ہدایت فرمائی کہ مسلمانوں کو ہر وہ بات قبول کرنی چاہیئے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور ہر اس بات سے مجتنب رہنا چاہیئے۔ جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہو ——— ارشاد ہوتا ہے:۔

ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔[1]

---

[1] پ۲۸ ما اتاکم الرسول ۔ الحشر ع ۱

ترجمہ۔ جو کچھ تمہیں یہ رسول دیں اسے لے لو اور جس بات سے بھی وہ تمہیں روکیں تم رُک جاؤ۔

اور یہ بھی فرمایا:۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر۔[1]

ترجمہ۔ بے شک تمہارے لیئے رسول اللہ میں ایک اچھا نمونہ ہے۔ یہ اس اس کے لیئے جو اللہ سے ملنے اور آخرت کا یقین رکھتا ہو۔

ان آیات کی روشنی میں صحابہ کرامؓ کو پوری فکر رہی۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی امر آپ کی کوئی نہی ۔۔۔۔ اور آپ کا کوئی اُسوہ ان سے اوجھل نہ رہنے پائے قرآن پاک کی اس ہدایت سے حفاظت حدیث کی عملی فکر پیدا ہوئی اور اس کے ساتھ ایک اور ہدایت اُتری۔ جس نے امت کے لیئے تحقیق و تبیین کی راہیں کھول دیں ۔۔۔۔۔۔ ارشاد ہوا:۔

یاایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا۔[2]

ترجمہ۔ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی غلط کار شخص کوئی خبر لے کر آئے تو اسے اچھی طرح معلوم کر لیا کرو۔

اس میں بتایا گیا۔ کہ ہر کس و ناکس کی روایت قابل قبول نہیں۔ فاسق کوئی بات کرے تو اسے مزید تحقیق کے بغیر بلا تبیین قبول نہ کر لیا کرو۔ اسے بلا تحقیق ہرگز نہ لینا چاہیئے۔

یہاں یہ بھی نہیں فرمایا کہ اسے رد کر دیا کرو ۔۔۔۔۔۔ کسی راوی کے کمزور ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اسے کلیتہً رد ہی کر دیا جائے۔ بلکہ دوسرے ذرائع اور قرائن سے اس کی مزید تحقیق لازم ہوگی اور بسا اوقات ایسا بھی ہوگا۔ کہ ان دوسرے شواہد سے اس کمزور راوی کی روایت بھی قابل قبول ٹھہرے ۔۔۔۔۔۔ ہاں اسے

---

[1] پ ۲۲ الاحزاب ع ۲ [2] پ ۲۶ الحجرات ع ۱

بلاتحقیق قبول کرلینا ہرگز درست نہیں۔ یہ آیت اگرچہ ایک دوسرے واقعہ میں نازل ہوئی تھی۔ لیکن الفاظ کا عموم اسے ایک اصول ہدایت کے طور پر پیش کرتا ہے اور حق یہ ہے کہ یہی قرآنی ہدایات آگے حفاظت حدیث کا عملی سبب بنیں۔

② نقل وروایت میں

کسی بات کی صحیح نقل درروایت کے لیئے کون سے اسباب ہو سکتے ہیں۔ کہ بات اس نقل وروایت میں پُوری طرح محفوظ ہے اور اس میں کوئی تبدیلی ہونے نہ پائے۔ یہاں تک کہ اس پر پُورا اعتماد کیا جا سکے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیئے وہ تمام انداز اختیار کیئے۔ جو عملی طور پر اس باب میں اختیار کیئے جا سکتے تھے۔

① آپ نے صحابہ کے ذمے لگایا کہ وہ آپ کی باتیں آگے لے جاتے رہیں، گو ایک بات ہی کیوں نہ ہو۔

② آپؐ نے چند صحابہ کے ذمہ تبلیغ حدیث کی محنت نہ لگائی۔ بلکہ ہر ایک حاضر صحابی کے ذمہ لگایا کہ وہ غائبین تک آپ کی باتیں لے جائیں۔ اور تبلیغِ حدیث کریں۔

③ ہر نقل درروایت میں آپ کی خواہش رہی۔ کہ بات ان لوگوں کے ذریعے آگے پہنچے۔ جو اسے زیادہ سمجھنے کے اہل ہوں۔ تاکہ بات کا مفہوم برقرار رہے۔

④ آپ نے اس پر شدید نکیر فرمائی۔ کہ کوئی شخص جان بُوجھ کر آپ کے ذمہ کوئی ایسی بات لگائے جو آپ نے نہ کہی ہو۔

⑤ آپ نے اس پر بھی شدید نکیر فرمائی۔ کہ کوئی شخص آپ کی کسی بات کو چھپائے۔ شریعت میں کتمانِ علم کو اصُولی درجے میں ایک بڑا گناہ قرار دیا گیا۔

⑥ بعض صحابہ کو ان کی طلب پر احادیث لکھنے کی بھی اجازت دی۔ تاکہ انہیں یاد رہے اور وہ آگے پہنچا سکیں۔

⑦ عورتوں کے لیئے مستقل تعلیم کا اہتمام فرمایا۔ تاکہ ان میں بھی نقل درروایت کا سلسلہ چلے۔ اور تاریخ گواہ ہے۔ کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے

کس قدر روایات کا بوجھ اٹھایا اور کس محنت سے یہ ذخیرہ علم آگے امت تک پہنچایا۔

ذخیرۂ حدیث میں ان تمام پہلوؤں پر مشتمل روایات ملتی ہیں ـــــ اور ان سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آنحضرتؐ کو کس اہتمام سے حفاظت حدیث کی فکر تھی۔ دُنیا نے پھر عملاً دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو کس اخلاص اور جانفشانی سے اپنی زندگیوں کا موضوع بنایا۔ اب ہم ساتوں امور کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشادات پیش کرتے ہیں۔

(۱) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ (۶۲ھ) کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بلّغوا عنّی ولو اٰیۃ [۱]

اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ ایک ایک بات کے بارے میں چاہتے تھے۔ کہ آگے پہنچ جائے۔ یہاں عنّی کا لفظ بتا رہا ہے کہ اس سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی تھیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ (۶۴ھ) کہتے ہیں۔ کہ حضورؐ کو تعلیم امت کی اتنی فکر تھی کہ آپؐ نے صحابہ کو وصیت فرمائی:-

ان الناس لکم تبع وان رجالا یاتونکم من اقطار الارض
یتفقّھون فی الدّین واذا اتوکم فاستوصوا لھم خیرًا [۲]

ترجمہ۔ آئندہ آنے والے لوگ تمہارے پیچھے لگنے والے ہوں گے اور بے شک لوگ تمہارے پاس دنیا کے کناروں سے دین سیکھنے کے لیے پہنچیں گے۔ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو انہیں اچھی باتیں بتلانا۔

یہ بات تو خود طالبین کے بارے میں ہوئی۔ رہی یہ بات کہ خود پہنچ کر تعلیم دیں۔ اس کے بارے میں مالک بن حویرث (۹۴ھ) کہتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ارجعوا الٰی اھلیکم فعلّموھم [۳]

ترجمہ۔ اپنے گھروں کو جاؤ تو انہیں تعلیم دو۔

(۲) حضرت ابوبکرہؓ (۹۴ھ) کہتے ہیں۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع

---

[۱] مشکوٰۃ صفحہ ۳۲ عن البخاری [۲] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۸۹ [۳] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۲

کے دن میدان عرفات میں انسانی حقوق کا جو چارٹر پیش کیا اس میں آپ نے یہ بھی فرمایا تھا:۔

الا لیبلغ الشاھد الغائب فان الشاھد عسٰی ان یبلغ من ھو ادعی لہ منہ[1]

ترجمہ۔ خبردار : چاہیئے کہ جو میرے پاس حاضر ہے وہ میری باتوں کو اس حد تک پہنچائے۔ جو اس وقت مجھ سے غائب ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حاضر اسے اس شخص تک پہنچادے۔ جو اس سے بھی زیادہ اسے یاد رکھنے والا ہو۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر صحابی آپ کے سامنے ہر وقت حاضر نہ ہوتا تھا کبھی کوئی حاضر ہوتا اور کبھی غائب۔ حاضرین غائب تک آپ کی تعلیمات پہنچاتے تھے۔

③ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا:۔

نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثاً فحفظہ حتّٰی یبلغہ غیرہ فرب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ ورب حامل فقہ لیس بفقیہ[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز فرمائے جس نے ہم سے کوئی حدیث سُنی اسے یاد رکھا۔ یہاں تک کہ اسے کسی اور تک پہنچا دیا۔ کئی ایسے بھی علم کو اُٹھانے والے ہوتے ہیں جو اسے ان تک پہنچا دیں۔ جو ان سے زیادہ دین کی سمجھ رکھتے ہوں اور کئی ایسے بھی علم کو اٹھانے والے ہوتے ہیں جو خود فقیہ نہیں ہوتے۔

حضرت انس بن مالکؓ (۹۱ھ) کہتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کلام فرماتے تو آپ کی پُوری کوشش ہوتی۔ کہ لوگ اچھی طرح سمجھ جائیں۔

④ اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلثاً[3]

ترجمہ۔ آپ جب کوئی کلمہ ارشاد فرماتے تو اسے تین تین دفعہ دُہراتے۔

تین دفعہ دُہرانے کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی احادیث

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صد ۲۶ ص ۲۷ [2] جامع ترمذی جلد ۲ صد ۹۰ [3] صحیح بخاری جلد ۱ صد ۲۲

کو انمٹ نقوش کی طرح چھوڑنا چاہتے تھے۔ بھولے سے بھلائی نہ جاسکیں اور صفحۂ قلب سے مٹائی نہ جاسکیں۔

④ حضرت زبیرؓ (۳۶ھ) کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من کذب علی فلیتبوأ مقعدہ من النار۔[1]

ترجمہ۔ جو شخص (جان بوجھ کر) مجھ پر کوئی جھوٹ باندھے اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے (یعنی یہ کام وہ جہنم میں جانے کے لیئے کر رہا ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ مجھ پر جھوٹ لگانا ایسا نہیں جیسے تم میں سے کسی پر کوئی جھوٹ لگائے ——— اگر آپ کی حدیث ہمیشہ کے لیئے سند اور حجت نہ ہوتی۔ تو آپ پر جھوٹ باندھنا اتنا بڑا گناہ نہ ہوتا ——— اور حدیث کو اس کی اصل صورت میں نقل کرنے کا یہ اہتمام نہ ہوتا۔

⑤ حضرت ابوہریرہؓ (۵۷ھ) کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

من سئل عن علم ثم کتمہ الجم یوم القیٰمۃ بلجام من نار۔[2]

ترجمہ۔ جس سے علم کی کوئی بات پوچھی جائے اور وہ اسے چھپائے اُسے قیامت کے دن آگ کی لگام میں جکڑا جائے گا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ (۳۲ھ) کہتے ہیں:۔

لو وضعتم الصمصامۃ علی ھٰذہ (واشار الی قفاہ) ثم ظننت انی انفذ کلمۃ سمعتھا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل ان تجیزوا علی لانفذتھا۔[3]

ترجمہ۔ اگر تم تلوار میری اس گردن پر رکھ دو پھر بھی مجھے پتہ ہو کہ پیشتر اس کے کہ تم اسے مجھ پر چلا دو۔ میں ایک ایسی بات جو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی بیان کر سکوں گا تو میں اسے ضرور کہہ دوں گا (یعنی اتنے نازک وقت میں بھی روایت حدیث سے نہ رکوں گا)

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص۲۱ [2] جامع ترمذی جلد ۲ ص۹۳ [3] صحیح بخاری جلد ۱ ص۱۶

(۶) ایک انصاری حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں آپؐ سے حدیث سنتا ہوں اور بھول جاتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ استعن بیمینک۔[1] (اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لے لیا کرو) یعنی لکھ لیا کرو۔ روایت میں یہ بھی ہے کہ واومأ بیدہ للخط۔ کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ بھی فرمایا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیث کی حفاظت کا کس قدر اہتمام فرمایا ہے۔

(۷) عورتیں امت کا نہایت لائق احترام طبقہ ہیں اور یہی نئی نسلوں کی پہلی استاذ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی نقل و روایت میں شرف تلمذ بخشا۔

(۳) صحابہؓ کی درایت میں

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (د ۶۷ھ) نے حفاظت حدیث کی عملی صورت یہ بیان کی۔ کہ راوی اپنی ذات میں (اپنے ضبط میں) اور دین میں (اپنی دیانت میں) قابل بھروسہ ہونا چاہیئے۔ آپ سے پوچھا گیا۔ فکیف بما جاء من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ترجمہ۔ سو اس باب میں کہ وہ حدیث رسول بیان کرے۔ کیا ہونا چاہیئے)۔ تو آپ نے فرمایا:۔

ما اخذ تموہ عمن تأمنونہ علی نفسہ ودینہ فاعقلوہ۔[2]

ترجمہ۔ جو تم ایسے شخص سے لو جسے تم اس کی ذات (اہلیت) میں اور اس کے دین (دیانت) میں لائق بھروسہ سمجھتے ہو تو اسے جان لیا کرو۔

ہاں جب عقائد میں بدعت و الحاد راہ پالے تو پھر اخبار احاد سے پرہیز کی جائے۔ اس لیے کہ عقائد دلائل قطعیہ یقینیہ سے ثابت ہوتے ہیں۔ اور ان کے لیئے قرآن کریم اور حدیث متواتر ہی روشنی کے دو مینار ہیں۔ بدعت و الحاد کے اندھیروں میں خبر واحد سے چلنا صحابہ کرامؓ کی درایت کے خلاف تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ھ) فرماتے ہیں:۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۰ [2] الوجیز صفحہ ۱۱

انا کنا نحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ لم یکن یکذب علیہ فلما رکب الناس الصعب والذلول ترکنا الحدیث عنہ۔[1]

ترجمہ۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کیا کرتے تھے اور ان دنوں حضورؐ پر جھوٹ نہ باندھا جاتا تھا جب لوگ آپ پر رطب و یابس کہنے لگے تو ہم نے آپ سے روایات لانا چھوڑ دیا۔ (کہ کہیں غلط کار لوگ بھی اس طرح حضورؐ کا نام لے کر اپنی باتیں نہ کہنے لگیں)۔

حضرت ابوہریرہؓ (۵۷ھ) نے فرمایا:۔

ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذونہ۔[2]

ترجمہ۔ بے شک یہ علم "دین" ہے۔ سو تم دیکھو کہ تم کن لوگوں سے دین لے رہے ہو۔

حضرت امام سیرینؒ نے بھی یہی بات کہی:۔

ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم۔[3]

راوی میں نظر کرنا مقدمہ الواجب واجب کے قبیل سے خود دین ہے۔
پھر اہلِ حق کی یہی کاوش رہی۔ کہ کسی غیر محتاط آدمی سے حضورؐ کے نام پر کوئی بات قبول نہ کی جائے۔

حضرت عقبہ بن نافع (ھ) اپنے بیٹوں کو نصیحت فرماتے تھے۔

یا بنی لا تقبلوا الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا من ثقۃ۔[4]

ترجمہ۔ اے میرے بیٹو! تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کوئی بات کسی سے نہ لو۔ جبتک کہ وہ شخص قابل اعتماد نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (۱۸۱ھ) نے بھی کہا:۔

الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔[5]

ترجمہ۔ سند لانا بھی دین کا ہی کام ہے اگر سند لانا نہ ہو تو جو شخص جو چاہے کہتا رہے۔

---

[1] تمہید ا ص۴۳ [2] تمہید ا ص۴۵ [3] صحیح مسلم ا ص۱۱ [4] تمہید ا ص۴۵ کفایہ ص۲۱ [5] صحیح مسلم ص۱۲

صحابہ کی یہ درایت اس کے حقیقی پہلوؤں میں تھی، حضورؐ نے کیا فرمایا اور کیا کیا۔ اس بارے میں ان کی پوری کاوش تھی۔ کہ صحیح نتائج ان کے ہاتھ لگیں، اصولِ روایت اُن کے ہاں اصولِ درایت پر مبنی تھے۔ جہاں تک متن حدیث کا تعلق ہے اسے وہ اپنی درایت میں نہ اُتارتے۔ صرف اکابر صحابہ جو اپنے علم وفہم میں نہایت ممتاز سمجھے جاتے۔ وہ کبھی روایات کو قرآن سے منطبق کرتے اور ان پر درایۃً بحث کرتے۔ لیکن یہ مقام ہر ایک صحابی کا نہ تھا۔ نہ ہر ایک کا اجتہاد اس درجے کا تھا۔ کہ وہ حضورؐ کے ارشادات میں ان دقیق مباحث میں پڑیں۔ ایسے مباحث کہیں کہیں حضرت عمرؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاں ملتے ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ (۵۸ھ) فرماتی ہیں:۔

این انت من ثلاث من حدثکھن فقد کذب۔ من حدثك ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم رأی ربه فقد کذب ثم قرأت لا تدرکه الابصار وھو یدرك الابصار وھو اللطیف الخبیر وما کان لبشر ان یکلمه اللہ الا وحیا او من وراء حجاب ومن حدثك انه یعلم ما فی غد فقد کذب ثم قرأت وما تدری نفس ماذا تکسب غدا ومن حدثك انه کتم فقد کذب ثم قرأت یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك الآیۃ۔[1]

ترجمہ۔ تم ان تین باتوں میں کہاں ہو؟ جو کوئی تمہارے پاس یہ بیان کرے اس نے درست نہیں کہا۔ جو تمہیں یہ کہے کہ حضورؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے صحیح نہیں کہا۔ حضرت ام المومنین نے اس پر یہ آیت پڑھی۔ ”آنکھیں اسے پا نہیں سکتیں اور وہ آنکھوں کو پائے ہوئے ہے اور وہ ہے باریک بین خبر والا“ ـــــ اور پڑھا ”اور یہ کسی انسان کے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۷۵ مصر

لیئے نہیں کہ خدا اس بندے سے ان تین صورتوں کے علاوہ کلام کرے۔ ۱. اشارہ سریعہ۔ ۲. پردہ کے پیچھے سے۔ ۳. کسی فرشتے کو بھیج کر"۔۔۔۔۔۔ اور جو کوئی تم سے یہ بیان کرے کہ آپ جانتے تھے کل کیا ہونے والا ہے۔ اس نے بھی درست نہیں کہا اور آیت پڑھی" اور کوئی جی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا"۔۔۔۔۔۔ اور جو کوئی تم سے یہ بیان کرے کہ آپ نے دین کی کوئی بات چھپائی (تقیہ کرتے رہے) سو اس نے بھی غلط کہا اور آیتہ پڑھی" اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اسے آگے ضرور بیان کر دیں۔"

آپ نے دیکھا حضرت ام المومنین کس طرح حدیث کو قرآن کے سائے میں لا رہی ہیں۔ حدیث وہی صحیح ہے جو قرآن سے نہ ٹکرائے۔ اکابر صحابہ کئی دفعہ حدیث بیان کرتے ہوئے اس پر قرآن کریم کی آیت پڑھ دیتے تھے۔ اس قسم کی روایات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ صحابہ نے حدیث کی حفاظت کا ایک یہ بھی انداز اختیار کیا تھا کہ وہ قرآن سے نہ ٹکراتی ہو۔

ایک اصولی نکتہ

یہ کن لوگوں کا مقام ہے کہ روایت کو درایت پر پرکھیں؟ جن کا قرآنی علم اس کے مبادیات کے ساتھ نہایت اونچا ہو۔ مختلف اقسام آیات پر مجتہدانہ نظر رکھتے ہوں۔ تاریخ قرآن سے پورے واقف ہوں اور فہم امت کی روشنی میں انہوں نے قرآن پاک سمجھا ہو۔۔۔۔۔۔ ان کے لیئے ضروری ہے کہ عربیت اور اسلوب عرب میں ملکہ راسخ رکھتے ہوں اور صحابہ کرام اور اکابر تابعین کی تفسیرات پر بھی ان کی پوری نگاہ ہو۔۔۔۔۔۔ درایت محض عقلی توجیہات کا نام نہیں۔ یہ خود ایک فن ہے جس کے اپنے آداب ہیں۔

جہاں تک ہمارے تجربے کا تعلق ہے۔ اس زمانے میں کوئی ایسا شخص نہیں پایا گیا جو علمی طور پر اس درجے میں ہو کہ قرآنی درایت سے روایات حدیث کو پرکھ سکے۔ اس زمانے

میں حدیث کی پرکھ، اس کی اسناد اور امت کے تعامل کی راہ سے ہی ہوسکتی ہے مفتی محمد عبدہ مصری، سرسید احمد خاں، مولوی چراغ علی، علامہ رشید رضا، علامہ مشرقی، تمنا عمادی، اسلم جیراجپوری اور علامہ اقبال میں سے کسی کا یہ علمی مقام نہ تھا کہ ائمہ اربعہ کی طرح شان اجتہاد رکھتے ہوں اور روایات حدیث میں قرآنی درایت کی رو سے رداً اور قبولاً بحث کرسکیں علامہ اقبال کی کاوش یہی رہی کہ جس طرح بھی بن پڑے مسلمانوں کو اس لائن میں لا کھڑا کریں۔ جو پہلوں سے چلی آرہی ہے۔

من کجا نغمہ کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار مے کشم ناقہ بے زمام را (اقبال)

تاہم اس سے انکار نہیں کہ اکابر صحابہ کرام اور مجتہدین عظام کے ہاں حدیث کی حفاظت کی ایک یہ صورت بھی کارفرما رہی۔ کہ حدیث ہمیشہ قرآن کے تابع رہے اور یہ کہیں قرآن سے ٹکرا نہ پائے۔

۴ صحابہؓ کے اعمال میں

حدیث کی حفاظت صحابہ کے عمل میں اس انداز سے رہی کہ ان کے اعمال تعلیمات محمدی کی عملی تصویر سمجھے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صراطِ مستقیم کے تعین میں اپنے صحابہ کو بھی ہمیشہ ساتھ رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکمیل شریعت کے کئی مدارج سے گزرے تھے۔ شریعت کی وہ آخری صورت کون سی ہے "جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت علی" کہا جا سکے اور شریعت قرار دیا جائے؟ وہ منفرد روایات سے نہیں صحابہ کے عمل سے معین ہو سکے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شریعتِ قائمہ اور اپنی غیر منسوخ احادیث کی نشاندہی کے لیے معیارِ صحت حضراتِ صحابہ کا عمل ہی بتاتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جس حدیث کے ساتھ صحابہ کا عمل ہوگا۔ وہی حدیث "شریعتِ باقیہ" ہوگی۔ یہ صرف صحابہ کا عمل ہے۔ جس کے ذریعے حفاظتِ حدیث قائم ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی تو صحیح راہ والے وہی ہوں

گے۔ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوں گے۔ فرمایا ما انا علیہ واصحابی۔
(یعنی جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ ہوں)۔ معلوم ہوا کہ اعمال اصحاب حفاظت حدیث کے عملی پیمانے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی باب میں روایات مختلف منقول ہوں۔ تو صحابہ کے عمل سے ہی صحیح راہ عمل کا تعین ہو سکے گا۔

حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) نے امام مالکؒ (۱۷۹ھ) اور امام محمدؒ (۱۸۹ھ) کا تاریخی فیصلہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے:۔

روی محمد بن حسن عن مالك بن انس انه قال اذا جاء عن النبی صلی الله علیه وسلم حدیثان مختلفان و بلغنا ان ابا بکر و عمر عملا باحد الحدیثین و ترکا الآخر کان فی ذلك دلالة ان الحق فیما عملا به۔[1]

ترجمہ۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف روایتیں پہنچیں اور ہمیں یہ بات بھی پہنچے۔ کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے ان میں سے ایک پر عمل کیا اور دوسری کو چھوڑا ہے۔ تو اس میں یہ راہ ملتی ہے۔ کہ سنت قائمہ وہ ہے جس پر ان دونوں نے عمل کیا ہے۔

امام ابوداؤد السجستانی (۲۷۵ھ) صحاح ستہ کی معروف کتاب سنن ابی داؤد میں لکھتے ہیں:۔

اذا تنازع الخبران عن النبی صلی الله علیه وسلم نظر الی ما عمل به اصحابه من بعده۔[2]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب دو حدیثیں مختلف منقول ہوں تو دیکھا جائے گا کہ آپ کے بعد آپ کے صحابہ نے عمل کس پر کیا؟

حافظ عبدالرحمٰن ابوزرعۃ الدمشقی (۲۸۱ھ) امام وکیع بن الجراح سے روایت کرتے

---

[1] التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید جلد ۲ ص ۲۵۳ [2] سنن ابی داؤد مع البذل جلد ۱ ص ۲۷۶

ہیں کہ حدیث کے یاد کرنے اور اسے حفظ رکھنے پر عمل سے بھی مدد لی جاتی تھی۔ کہ اس پر عمل کیا گیا اور وہ یاد رہ گئی۔ یہ عمل امت میں مسلسل رہا تو حدیث بھی مسلسل رہی۔ وکیع روایت کرتے ہیں :۔

کان یستعان علی حفظ الحدیث بالعمل بہ۔[1]

ترجمہ۔ حدیث کے حفظ کرنے میں عمل سے بھی مدد لی جاتی رہی ہے۔

امام امام ابوبکر حصاص رازی (۳۷۰ھ) کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ احادیث کے اختلاف کا حل عمل سلف کی روشنی میں کیا جانا چاہیئے۔ فرماتے ہیں :۔

اذا کان متی روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبران متضادان وظہر عمل السلف باحدھما کان الذی ظہر عمل السلف بہ اولی بالاثبات۔[2]

ترجمہ۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف حدیثیں منقول ہوں اور سلف (صحابہ کرام) کا عمل ایک پر ہو تو جس پر سلف کا عمل پایا گیا۔ وہ حدیث اثبات مسئلہ میں مقدم ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے کل اعمال حسنہ کو ستاروں کی روشنی بتا کر انہیں اپنی ذاتِ گرامی سے وابستہ کرلیا۔ اب گویا ان کے اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے گرد حفاظت کا پہرہ دے رہے ہیں اور ان کی پیروی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا :۔

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم۔[3]

ترجمہ۔ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی تم نے اقتدا کی ہدایت پائی۔

محدثین کے ہاں یہ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ میں ہے اور تلقی بالقبول میں تو یہ اول درجہ کی روایات میں سے ہے۔

آثار صحابہ ساتھ نہ ہوں تو محدثین جمع حدیث کی جملہ کوششوں کو ضائع سمجھتے تھے۔ حضرت صالح بن کیسان کہتے ہیں : میں اور زہری جمع حدیث کی محنت میں اکٹھے تھے۔

---

[1] تاریخ ابی زرعۃ جلد ۱ صفحہ ۳۱۱ [2] احکام القرآن جلد ۱ صفحہ ۷ طبع ۱۳۴۷ھ البہیۃ المصریہ [3] مشکوٰۃ صفحہ ۵۵۴ دہلی

جب ہم نے مرفوع احادیث لکھ لیں تو زہری کہنے لگے ہم آثار صحابہ بھی لکھیں گے. وہ لکھتے گئے اور میں نے انکار کر دیا. وہ کامیاب ہوئے اور میری محنت ضائع ہوئی۔

فکتب ولم اکتب فانجح وضیعت[1]

ترجمہ. وہ لکھتے رہے اور میں نہ لکھ سکا وہ کامیاب رہے اور میں ضائع ہوا۔

⑤ فروع فقہیہ میں

احادیث احکام جس طرح فروع فقہیہ میں محفوظ ہوئیں اس کی مثال نہیں ملتی. مجتہدین کی پوری کوشش ہوتی. کہ احادیث احکام میں راویوں کی پڑتال اور دیکھ بھال کچھ سخت رہے. حفاظت حدیث میں یہ فکر ہر باب میں کارفرما رہی. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دین عالمگیر ہے اور قیامت تک کے لیئے ہے اور زندگی کے ہر دور کو شامل ہے قرآن کریم کی آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں لاکھوں ایسے مسائل اصولی طور پر لپیٹے ہوئے ہیں. جن تک مجتہدوں کی نظر ہی پہنچ سکتی ہے ہر ایک کی نہیں. مجتہدین کرام کتاب و سنت کی اسی گہرائی میں غوطے لگاتے رہے اور آیات و احادیث کی روشنی میں ان جزئیات کا حل تلاش کرتے رہے. جو واضح اور صریح الفاظ میں پہلے سے مروی نہ ہوں. اجتہاد یعنی اصل سے فرع تک حکم پہنچانے میں ان کی پوری محنت کارفرما ہوتی تھی.

اس سے پتہ چلتا ہے. کہ احادیث کے مظان و محال اور اس کی دلالتوں اور اضافتوں کی حفاظت فروع فقہیہ میں ایک عجیب شان سے جلوہ گر رہی. احادیث کی حفاظت جس طرح محدثین کے ہاں نقل و روایت کے ذریعہ جاری رہی. فقہاء کرام کے ہاں فروع و احکام کے ضمن میں ساری ہے. امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) ایک بحث میں لکھتے ہیں:۔

وکذالک قال الفقہاء وھم اعلم بمعانی الحدیث[2]

ترجمہ. اور اسی طرح فقہاء نے کہا ہے اور یہ لوگ (فقہ کے ماہرین) ہی حدیث کے

---

[1] المصنف لعبدالرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۸ [2] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۳۰۲

معنوں کو زیادہ جانتے ہیں۔

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) احمد بن محمد بن خالد البرانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حلال و حرام سے متعلق ایک مسئلے میں استفسار کیا۔ حضرت امام نے اس مسئلے میں اسے فقہاء کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حدیث کا حاصل فقہاء سے ہی ملتا تھا۔ حضرت امام نے اسے فرمایا:۔

سل عافاك الله غيرنا سل الفقهاء وسل ابا ثور۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تجھے عافیت بخشے۔ کسی اور سے پوچھ۔ فقہاء سے سوال کر۔ ابو ثور سے پوچھ لے۔

⑥ مسالک کی وسعت میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح عقائد و اصول کو قطعیت بخشی ہے کہ ان میں کسی اور معنی و مفہوم کی گنجائش نہیں۔ اسی طرح آپ نے فروع اعمال میں بھی پوری وسعت اختیار فرمائی۔ بعض دفعہ ایک ایک موضوع پر کئی کئی طرح عمل فرمایا۔ فروع میں توسع اختیار کیا یا زمانے کے اختلاف سے اعمال کے مختلف پیمانے اختیار فرمائے بعض لوگوں نے اسے تعارض سمجھا اور ان میں ترجیح کے درپے ہوئے۔ بعض نے دونوں کے علیحدہ علیحدہ محل تلاش کیے اور تطبیق کی راہ اختیار کی۔ اسی سے مختلف مسالک عمل بنے اور ہر مسلک کے لیے کوئی نہ کوئی اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام سے مل گئی۔

اسلام کی اس وسعت عمل کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا اور ہر ہر عمل کے گرد محنت ہونے لگی۔ مختلف ائمہ کے مسالک میں مختلف احادیث زیر عمل ہیں۔ ان کی اسانید اور رواۃ پر کلام بھی ہوتا رہا۔ لیکن یہ ضرور ہے۔ کہ ان فروع فقہیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت کچھ اس طرح رہی۔ کہ ان کا کوئی ذخیرہ بھی نظر انداز

---

[1] بغدادی جلد ۲ صفحہ ۶۶

نہ ہونے پایا۔ ہر امام نے اور اس کے پیروؤں نے اپنے اپنے مسلک کو زیادہ موجہ اور راجح کرنے کے لیے احادیث احکام پر بہت محنت کی اور ان ابواب میں تنقید و تفحص اور بڑھتا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن و آثار اور زیادہ نکھریں اور آپکے زیادہ اعمال کی وسعت میں حدیث ہر پہلو سے منضبط اور محفوظ ہوتی چلی گئی۔

(۷) دین کے تسلسل میں

آپ سن آئے ہیں۔ کہ اللہ رب العزت نے ہم سے دین کی حفاظت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ دین کی یہ حفاظت مسلسل ہے اور ہم ہر ہر قرن اور ہر ہر دورِ حیات میں اللہ کے اسی وعدہ پر ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا تزال طائفة من امتي قائمة بامر الله لا يضرهم من خذلهم او خالفهم حتى ياتي امر الله[1]

ترجمہ۔ میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ اس کی مخالفت کرنے والے اسے کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے یہانتک کہ قیامت قائم ہوجائے

اس حدیث میں دینِ اسلام کا تسلسل قیامت تک ممتد بتلایا گیا ہے۔ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح (متصل) ہیں۔ بعثت انا والساعة كهاتين[2]۔ اور ساتھ دو انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔ سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام اور اہلِ اسلام قیامت تک رہیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ الجهاد ماض مع البر والفاجر الى يوم القيمة۔ جہاد قیامت تک باقی رہے گا۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ دین قیامت تک رہے گا۔ اور یہ کہ اس کے ماننے والے بھی قیامت تک رہیں گے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

وفيه ايضاً بشرى ببقاء الاسلام واهله الى يوم القيمة لان من لازم بقاء الجهاد بقاء المجاهدين وهم المسلمون وهو مثل

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۴۳ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۰

الحدیث الآخر لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق... الحدیث[1]

ترجمہ۔ اس حدیث میں اسلام اور مسلمانوں کے قیامت تک باقی رہنے کی بشارت ہے۔ جہاد کا قیامت تک کو باقی رہنا اس بات کو لازم ہے کہ مجاہدین بھی اس وقت تک موجود ہوں گے اور ظاہر ہے کہ وہ مسلمان ہی ہو سکتے ہیں یہ اس حدیث کی طرح ہے جس میں اس امت کے ایک طبقہ کے حق پر رہنے کی قیامت تک کے لیئے بشارت ہے۔

دین کا یہ تسلسل ایک تکوینی سبب ہے جس کے ذریعہ دین کی حفاظت رہی۔ یہ تسلسل امت کے اعمال میں رہا ہے۔ جس کی جزئیات بدوں احادیث کوئی شکل اختیار نہیں کرتیں۔ سو حدیث کی حفاظت جن اسباب سے ہوئی۔ ان میں دین کا تسلسل اور تعامل امت ایک نہایت مؤثر ذریعہ بنا رہا ہے۔

⑧ عشقِ رسولؐ کے سائے میں

صحابہؓ کا عشقِ رسولؐ بھی حفاظتِ حدیث میں بڑا مؤثر عامل رہا ہے۔ عہدِ اوّل میں عشقِ رسالت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا کو علم و عمل کے پیمانوں میں محفوظ رکھا اور عقیدت و جذبات کے اس انداز نے بھی حفاظتِ حدیث میں ایک بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ قرآن کریم نے حضورؐ کے بارے میں تعلیم دی تھی :۔

تؤمنوا باللہ ورسولہ و تعزروہ و توقروہ۔[2]

ترجمہ۔ تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر۔ اور اس رسول کی تعظیم اور توقیر کرو۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تعظیم و توقیر کے اس دربار میں حضورؐ کے سامنے اپنی آواز دبی رکھتے۔ یہ دربارِ رسالت کا اجلال و احترام تھا۔

ان الذین یغضون اصواتہم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن

---

[1] فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۴۲ [2] پ ۲۶ الفتح ع ۱

اللہ قلوبھم للتقوٰی[1]

ترجمہ۔ بیشک جو لوگ اپنی آوازیں حضورؐ کے سامنے پست رکھتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں کو پرہیزگاری کے لیئے پرکھ لیا ہے۔

اِدھر سے تعظیم و توقیر تھی اور اُدھر سے رحمت و عطوفت کا ہاتھ ہر ایک کے لیئے بڑھ رہا تھا۔ رحمۃ للعالمین کا دامنِ رحمت ہر سمت اپنا سایہ ڈالے تھا۔ فَبِمَا رحمۃٍ مّن اللہ لِنتَ لَھُم[2]۔ یہ خدا کی مہربانی ہے کہ آپ ان کے لیئے نرم دل ہوئے۔

تعظیم واکرام کا جواب جب رحمت و رأفت سے ملے تو محبت جذبات میں ڈھلتی ہے۔ عقلی محبت جذبات کے سایوں میں عشقِ رسالت کا عنوان تیار کرتی ہے۔ یہ خدا کی شانِ کریمی ہے۔ کہ اس نے صحابہ کے دلوں میں اس راہ سے حضورؐ کی محبت پیدا کر دی اور اس جذبۂ محبت نے نہ صرف حضورؐ کی پیروی امت کے لیئے آسان کر دی۔ بلکہ حضورؐ کا ہر عمل عشق و محبت کے اس سائے میں محفوظ ہونے لگا۔ آپؐ کا ہر عمل اُن کی زبانوں پر بھی اُترا۔ اور اُن کے عمل میں بھی ڈھلا۔ اور اس سے حفاظتِ حدیث کے جملہ اسباب پیدا ہوتے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امت سے طلبِ محبت کی ہرگز کوئی ضرورت نہ تھی۔ آپ ان سے اپنی محبت اسی لیئے چاہتے تھے۔ کہ آپ کی پیروی اُن کے لیئے آسان ہو جائے۔ جس سے محبت ہو۔ انسان پھر اُس کی اداؤں کی نقل میں بھی لذت محسوس کرتا ہے کسی نے خوب کہا ہے۔

ان المحب لمن یحب یطیع۔

ترجمہ۔ محبت کرنے والا محبوب کے نقشِ پا پر چلتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جذبۂ محبت کو اور جلا بخشی اور کھل کر فرمایا۔

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہٖ وولدہٖ والناس اجمعین[3]

ظاہر ہے کہ یہ تجویز بھی امت پر مشقتِ پیروی کو آسان کرنے کے لیئے تھی۔ محبت ایک ایسا سلسلہ ہے جس سے پہاڑ کھودنے میں بھی مشقت نہیں لذت ملتی ہے۔ دل میں

---

[1] پ۲۶ الحجرات ع۱ [2] پ۴ آل عمران ع۱۷ [3] مشکوٰۃ صد۱۲ عن البخاری و مسلم

کسی کا بسیرا ہے۔ تو اس کے لیئے یہ مشقت جھیلی جا رہی ہے۔

؎ کسی کی یاد میں یہ لٹ مزے ستم کے لیئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی لمبے سفر کے دوران مختلف مقامات پر جو نماز پڑھی صحابہ نے ان مواضع واماکن کو بھی اپنی یادوں میں محفوظ رکھ لیا۔ حالانکہ نماز نماز ہے وہ جہاں بھی ادا ہو۔ لیکن خدام آقا کے عشق و محبت میں اس قدر آگے جا چکے تھے۔ کہ آپ نے اگر کہیں اتفاقاً بھی پڑاؤ ڈالا تو اس جگہ کی یاد صحابہ کے دلوں میں کبھی بھی محو نہ ہو سکی۔ امام بخاریؒ نے الصحیح میں اس پر باب باندھا ہے۔

باب المساجد التی علی طرق المدینة والمواضع التی صلی فیها النبی صلی اللہ علیہ وسلم [1]

ترجمہ۔ وہ سجدہ گاہیں جو مدینہ کی راہوں میں بنیں اور وہ مقامات جہاں اس دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے۔

موسیٰ بن عقبہؒ کہتے ہیں میں جلیل القدر تابعی حضرت سالمؒ کو دورانِ سفر ان مقامات کو تلاش کرتے دیکھا۔ جہاں وہ نماز پڑھیں۔ اور بیان کرتے سنا۔ کہ ان کے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ان مقامات پر نماز پڑھتے تھے اور فرماتے تھے۔

انه رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی تلك الامکنة [2]

ترجمہ۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مقامات پر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

ان مقامات پر نماز کسی تخصیص کے لیئے نہ تھی۔ حضورؐ ان مقامات پر اتفاقاً اُترتے رہے۔ لیکن صحابہؓ کے جذباتِ محبت کو دیکھیئے۔ کہ انہوں نے آپ کی ان یادوں کو بھی تاریخ میں محفوظ کر لیا۔ یہاں تک کہ کبار تابعین بھی پھر ان راہوں میں اُترنے لگے۔

اس تفصیل سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے۔ کہ حدیث کی حفاظت میں عشقِ رسالت نے بھی ایک بھرپور کردار ادا کیا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری جلد ۱ ص ۶۹ [2] ایضاً

⑨ سند کے اہتمام سے

تابعینؒ کے آخری دور میں پھر سُنی سنائی باتیں چلنے لگیں تو علماء تابعینؒ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی بات کو آگے بیان کرنے میں سند لانے کا پورا اہتمام کیا اور دین کی بات لانے کے لیئے سند لانے کو بھی دین ٹھہرایا۔ امام ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ) نے کہا۔ نقل کرنے والوں کی پہچان رکھنا بھی دین میں سے ہے۔ دیکھ لیا کرو کہ بات کس سے لے رہے ہو۔ اس اہتمام نے علم اسناد کو بہت اہمیت دی۔ اس سے علم اسماء الرجال پیدا ہوا۔ سند کے اس اہتمام نے بھی حفاظتِ حدیث میں ایک بڑا کردار ادا کیا ہے

حفاظت حدیث کے مختلف پیرایوں میں ان نوؑ امور کا بہت دخل رہا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ امت کے پاس حدیث کا لائق اعتماد ذخیرہ انہی وجوہ سے موجود اور زیر عمل رہا ہے اور اس کی حفاظت ہر دور میں خود دین کی حفاظت سمجھی گئی ہے۔

شیعہ کے ہاں حفاظت حدیث

شیعہ کے ہاں نبوت کے بعد امامت خدا کے بندوں پر خدا کی حجت سمجھی گئی ہے امام وحی باطنی (وحی غیر متلو) سے خدا کی رضا اور عدم رضا پر مطلع ہوتا ہے اور عملاً معصوم ہوتا ہے شیعہ کے جب تک گیارہ امام زندہ رہے حضورؐ کی تعلیمات ان کے ہاں ائمہ کے وجود سے محفوظ رہیں ـــــ ان کے عقیدہ میں ائمہ معصومین کو تقیہ کے ادوار سے بھی گزرنا ہوتا تھا اور اس صورت حال میں ان کے اقوال و اعمال مختلف اور متعارض رہتے تھے لیکن ائمہ کی اصل تعلیمات تک ان کا ایک مخفی تواتر قائم تھا جسے ان کے علمائے خاصہ ہی پہچانتے تھے گیارہویں امام کی وفات (۲۶۰ھ) کے بعد بارھویں امام کسی غار میں جا چھپے پھر ان کے اور شیعہ علماء کے مابین سفراء کام کرتے رہے ـــــ وقت کے انقلابات سے پھر یہ سلسلہ سفارت بھی ٹوٹ گیا اور بقول علامہ تقی مجلسی (۱۰۷۰ھ) ان روایات کا تواتر جاتا رہا ـــــ پھر ان کے محدثین اٹھے جو راویوں کی جانچ پڑتال سے اپنی روایات کو جمع کرنے لگے ـــــ سو ان کے ہاں حفاظت حدیث ان تین مرحلوں سے گزرتی ہے۔

تدوین حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد:

حدیث کی ضرورت اور حجیت سے ہم فارغ ہو چکے ہیں اور یہ موضوع تفصیل سے آپ کے سامنے آ گئے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیئے قابل اعتماد علمی ذخیرہ کہاں موجود ہے اور یہ ذخیرہ علم کن کن مراحل سے گزر کر اس مقام پر پہنچا ہے کہ اس پر علمی اطراف سے اعتماد کیا جا سکے۔

تدوین کی ضرورت

حجیت حدیث کا تقاضا تھا کہ حدیث مدون کی جائے اسے محفوظ کیا جائے۔ اس کے مطالب کھلے رکھے جائیں۔ اس سے استنباط کے چشمے پھوٹیں اور ان سے اجتہاد کی راہیں بھی معلوم ہوں۔ دین اسلام اولادِ آدم پر خدا کی آخری حجت اور شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کے لیئے آخری شریعت ہے تو اس دین و شریعت کا قیامت تک کے لیئے باقی رہنا بھی ضروری ہے۔ پس لازم تھا کہ جوں جوں یہ تقاضا شدید ہوتا جائے تدوین حدیث کے عملی اسباب سامنے آتے جائیں اور حدیث جمع ہوتی جائے۔

قرآن کریم کے لکھا جانے سے یہ بات از خود ظاہر ہے کہ علم کی پوری حفاظت لکھا جانے سے ہی ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی آیت اترتی تو آپ کاتب کو بلا کر ارشاد فرماتے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں مقام پر لکھ لو۔ قرآن کریم اسی ترتیب سے پڑھا جاتا اور لکھا جاتا تھا جس ترتیب سے حضورؐ اس کے لکھنے کی ہدایت فرماتے قرآن کریم کی تحریرات Documents نے تحریر حدیث کی فکر بھی پیدا کر دی تھی۔ اگرچہ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر مرحلہ آپ کا ہر ارشاد اور آپ کی ہر ادا حدیث تھی۔ تاہم ان دنوں اندیشہ تھا کہ تحریر حدیث کے اہتمام میں کہیں تحریر قرآن دب کر نہ رہ جائے اور ہو سکتا تھا۔ کہ ایسے حالات میں جب کہ عرب ابھی ابھی جاہلیت سے نکلے ہیں تعلیم و تعلم کا عام رواج نہیں۔ تحریرات قرآن اور تحریرات حدیث آپس میں کہیں غلط ملط Mix نہ ہو جائیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ تحریرات قرآن کی طرح تحریرات حدیث کی بھی عبادت کے طور پر تلاوت ہونے لگے یہ مصلحت کا تقاضا تھا کہ تحریر قرآن کے دور تک تحریر حدیث پر عام حلقوں میں پابندی رہے۔ صرف اُنہی حضرات کو اجازت ہو جو ان حدود و فروق میں پورے طور پر محتاط رہیں۔ علم کی حدود اور زبان کو پہچانتے ہوں اور انہیں محفوظ رکھنے کا پورا اہتمام ملحوظ رکھ سکیں۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ جب حدیث اسلام میں قانونی طور پر حجت ہے۔ تو اسے محفوظ بھی ہونا چاہیئے تھا اور دیگر مصالح کتنی ہی کیوں نہ ہوا صُولاً تحریر حدیث کی اجازت ہونی چاہیئے تھی۔ عمومی اجازت نہ سہی لیکن جن صحابہ کے علمی حلقوں میں ان تحریرات کے غلط ملط ہونے کا اندیشہ نہ ہو انہیں تحریر حدیث کی اجازت دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تحریر قرآن کے دور تک تحریر حدیث پر پابندی ہونے کے باوجود یہ تقاضا اصولاً باقی رہا اور اس احساس کے تحت بعض صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تحریر حدیث کی اجازت بھی مانگی اور آپ نے انہیں یہ اجازت مرحمت فرمائی۔

تحریر حدیث کی اجازت

(۱) ایک انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں آپ سے حدیث سُنتا ہوں تو بھول جاتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ استعن بیمینک[1] "اپنے ہاتھ سے مدد لو" یعنی لکھ لیا کرو۔ روایت میں ہے۔ واومأ بیدہ للخط۔ کہ آپ نے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ فرمایا ـــــ یہ آپ کی طرف سے حدیث لکھنے کی اجازت تھی۔

(۲) یمن کا ایک شخص ابُو شاہ فتح مکہ کے موقع پر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا جب اس

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۰۷

نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان سُنا تو گذارش کی کہ حضورؐ مجھے لکھ دیجئے۔ آپ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ یہ بیان ابُوشاہ کے لیئے قلم بند کردو:۔

اکتبوہ لابی شاہ [۱] ابُوشاہ کے لیئے یہ باتیں لکھ دو۔

حضورؐ نے اس روایت میں صریح طور کتابت حدیث کا اہتمام فرمایا اور اُس کے لیئے صحابہ کو امر کیا۔[۲]

(۳) حضرت ابو رافع نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث لکھنے کی اجازت مانگی تھی۔ آپ نے انہیں بھی اجازت دے دی تھی۔ آپ کا یہ مجموعہ حدیث اتنا معتمد تھا کہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی اس مجموعہ سے روایات نقل کر لیا کرتے تھے۔ حضرت سلمی کہتے ہیں:۔

رأیت عبداللہ بن عباسؓ معہ الواح یکتب علیہا عن ابی رافع شیئاً من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [۳]

ترجمہ: میں نے عبداللہ بن عباس کو دیکھا، لکھنے کی تختیاں ان کے پاس تھیں اُن پر وہ ابی رافع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ افعال لکھ رہے تھے۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ میں آپ کی احادیث روایت کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں۔ تو میں اپنے دل کے ساتھ ساتھ کچھ مدد اپنے ہاتھ سے بھی لے لوں (یعنی لکھ لوں) اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی اجازت دے دی۔[۴]

وہ کہتے ہیں قریش نے مجھے حدیث نہ لکھنے کا مشورہ دیا اور کہا

انما ھو بشر یغضب کما یغضب البشر [۵]

ترجمہ: حضورؐ بھی تو انسان ہیں کبھی غصے میں ہوتے ہیں جیسا کہ انسان غصے میں آتا ہے۔

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ صـ۲۲، جامع ترمذی جلد ۲ صـ۱۰۷ [۲] مقدمہ صحیفہ ہمام بن منبہ صـ۳۳ [۳] طبقات ابن سعد جلد ۲ صـ۱۷ [۴] دیکھئے سنن دارمی جلد صـ۱۰۴ وطبقات ابن سعد جلد ۴ صـ۲۶۲ [۵] سنن ابی داؤد صـ۵۱۳

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب حضور کو یہ بات بتلائی تو آپ نے فرمایا:۔

والذی نفس محمد بیدہ، ما یخرج مما بینھما الا حق فاکتب[1]

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ان دو ہونٹوں کے درمیان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ سو تم لکھتے رہو۔

(۵) حضرت رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کی ہم آپ سے بہت سی باتیں سنتے ہیں تو کیا ہم انہیں لکھ لیا کریں۔ آپ نے فرمایا:۔

اکتبوا ولا حرج[2]   ترجمہ۔ لکھ لیا کرو اور اس میں کوئی حرج نہیں

(۶) حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

قیدوا العلم بالکتاب[3]   ترجمہ۔ علم کو قید کتابت میں لاؤ۔

علم سے مُراد علم منقول ہے۔ اس کے مقابلہ میں لفظ رای ہے۔ لفظ علم سے اس دور میں حدیث مراد لی جاتی تھی۔ امام ابوحنیفہ کے استاد امام تفسیر حضرت عطا بن ابی رباح جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تو لوگ پوچھتے۔ علمٌ او رایٌ (یہ علم ہے یا رائے ہے؟) اگر وہ بات منقول ہوتی تو آپ فرماتے "علم ہے" اور اگر وہ اجتہادی ہوتی تو فرماتے یہ رائے ہے

فان کان اثراً قال علم وان کان رأیاً قال رأی[4]

ترجمہ۔ سو اگر وہ بات روایت ہوتی تو فرماتے یہ علم ہے اور اگر وہ رای ہوتی تو اسے رای کہتے۔

سو حضرت انس بن مالکؓ کی مذکورہ بالا روایت قیدوا العلم بالکتاب میں علم سے مراد حدیث ہی ہے۔ سو آنحضرتؐ نے امر فرمایا ہے کہ حدیثیں لکھ لیا کرو ـــــ یہ صرف اجازت نہیں بلکہ امر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ نہ صرف حضورؐ سے حدیثیں لکھتے رہے۔ بلکہ لکھ کر بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا بھی دیا کرتے تھے۔ سعید بن ہلال آپ کے معروف شاگرد بیان کرتے ہیں۔

کنا اذا اکثرنا علی انس بن مالکؓ فاخرج الینا مجال عندہ فقال ھذہ سمعتھا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکتبتھا وعرضتھا۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صہ ۱۵۳ [2] تدریب الراوی صہ ۲۸۶ [3] جامع بیان العلم جلد ۱ صہ ۷۲ [4] طبقات ابن سعد صہ ۵۲۶ / ۵

ترجمہ: ہم جب حضرت انس بن مالکؓ سے زیادہ روایات پوچھتے تو وہ مجلات (بیاضیں) نکال لیتے اور کہتے یہ وہ روایات ہیں جو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں، میں نے انہیں لکھا اور انہیں (آپ کو) پڑھ کر بھی سنا تا رہا۔[۱]

قاضی الحسن بن عبدالرحمٰن الرامھرمزی (۳۶۰ھ) نے حضرت انسؓ کی یہ روایت ہبیرہ بن عبدالرحمٰن سے بھی نقل کی ہے۔[۲]

حضرت انسؓ نے اپنے شاگرد خالد بن خداش بغدادی کو نصیحت فرمائی کہ اہل علم سے احادیث لکھ لیا کریں۔ فرمایا:۔

علیك بتقوی اللّٰہ فی السر والعلانیة والنصح لکل مسلم وکتابة العلم من عند اهله۔[۳]

ترجمہ: ان چیزوں کو لازم پکڑو۔ ۱۔ ظاہر اور باطن میں اللہ کا خوف۔ ۲۔ ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی۔ ۳۔ علماء سے احادیث لکھنا۔

آپ اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے کہ حدیثیں لکھ لیا کرو۔[۴]

اس دور اول میں حضرت انسؓ اور ان کی اولاد کا حدیث لکھنے کا یہ اہتمام بتلاتا ہے کہ صحابہ اور تابعین کے ہاں حدیث کا کافی مواد جمع ہو چکا تھا۔

حدیث آگے پہنچانے کی اصولی ہدایات

تبلیغ شریعت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصولی ہدایت جاری کی تھی کہ آپ کی تعلیم ہر شاہد و غائب تک پہنچے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ لیبلغ الشاهد الغائب۔[۵] سو آپ کی ایک بات بھی کسی کے پاس ہو تو ضروری تھا کہ وہ اسے آگے پہنچائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ بلغوا عنی ولو آیة۔[۶] میری ایک بات بھی تمہیں یاد ہو تو اسے آگے پہنچانا ــــــ یہ پہنچانا

---

[۱] مستدرک حاکم جلد ص۔ معرفۃ الصحابہ جلد ۳ ص ۵۷۳ [۲] المحدث الفاصل ص ۳۶۷ [۳] جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۷۲ [۴] دیکھئے صحیح مسلم جلد ۱ ص ۴۲ سنن دارمی جلد ۱ ص ۱۰۵ المحدث الفاصل ص ۳۶۸ [۵] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۲ ص ۲۴ جلد ۹ ص ۲۳ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۶۰ [۶] رواہ البخاری کما فی المشکوٰۃ ص ۳۲

زبانی پیغامی تحریری اور تعمیلی جس طرح بھی ہو سکے صحابہ کے ذمہ ٹھہرا۔ حدیث کے آگے پہنچانے کا یہ حکم عام تھا جو اپنی تمام صورتوں کو شامل رہا۔ آپ نے اسے لفظ حدیث سے بھی ذکر فرمایا۔ ارشاد فرمایا۔ حدثوا عنی[1] (مجھ سے حدیث آگے پہنچاؤ) اس حکم اور تاکید کا تقاضا تھا کہ علم نبوی ہر طرح سے محفوظ رہے اور آگے پہنچتا رہے۔ آپ نے اس پر عمل کرنے والوں کو دعا بھی دی۔

نضر اللہ امرأ سمع منا شیأً فبلغہ کما سمعہ[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز رکھے جو ہم سے کچھ سُنے تو اسے آگے پہنچائے اور اسی طرح پہنچائے جیسا اس نے سنا ہو۔

عربوں کی قوی یادداشت

یہ حقیقت ہے کہ عربوں میں ان دنوں زبانی یادداشتوں کا بہت رواج تھا۔ ان میں حفظ کی زبردست صلاحیت موجود تھی۔ صدیوں سے یہ لوگ اپنے قبائل کی تاریخ یاد رکھتے اور اسے بار بار دہرانے کے خوگر تھے اور راوی کا لفظ ان کے ہاں پہلے سے موجود تھا جب دینِ قویم کا پرچم اس زمین میں لہرایا تو سوال پیدا ہوا کہ علوم نبوت کا حفظ و نشر کس طرح کیا جائے۔ اسے صرف اسی طریق سے باقی رکھا جائے یا اس میں مزید فکر و دانش کی بھی کوئی ضرورت ہے۔

یہ پرانا طریق آخر کب تک چل سکتا تھا ایک ایسے دین میں جسے قیامت تک باقی رہنا ہے اس میں زبانی حفظ و روایت کی کڑیاں کب تک ساتھ دے سکتی تھیں۔ اسی فکر کے تحت حضرت ابوہریرہؓ (۵۹ھ) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی یادداشت کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی چادر پھیلاؤ" آپ نے باذنِ الٰہی اس میں روحانی توجہ فرمائی اور حضرت ابوہریرہؓ بے نظیر حفظ کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ سے حدیث کی وہ خدمت لی کہ جو سُنا پھر کبھی نہ بھولے اور جو دیکھا وہ ہمیشہ کی یاد بن گیا۔ خود فرماتے ہیں:

فضممتہ فما نسیت شیئاً بعدہ[3]

ترجمہ۔ پس میں نے وہ چادر سمیٹ لی۔ اس کے بعد میں کبھی کچھ نہ بھولا۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۱۴ [2] رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۵ [3] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۱ مصر

تدوین وقت کا تقاضا تھا

حفظ و فکر کے اس دور کے جلدی بعد ضروری تھا کہ حدیث باقاعدہ مرتب اور مدون ہو جائے اور اس تحریر و تدوین کی ابتداء خود ذات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ہی ہو صحابہ کے شاگرد اپنے اساتذہ سے روایت حدیث کے ساتھ ساتھ تحریر حدیث کی طرف بھی توجہ دینے لگے۔ یہاں تک کہ تابعین کے بعد علم حدیث باقاعدہ ترتیب کی منزل میں داخل ہو گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب اسلامی تہذیب عجمی ممالک میں پھیل چکی تھی اور یہی وہ تین دور تھے جن کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر اور بھلا ہونے کی شہادت دی تھی۔ امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمرؓ (۲۳ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اکرموا اصحابی فانھم خیارکم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یظھر الکذب۔[1]

ترجمہ: میرے صحابہ کی عزت کرو کیونکہ وہ تم میں سے بہترین ہیں پھر وہ لوگ جو انہیں ملیں پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔

تابعی کبیر حضرت قتادہ بن دعامہؒ (۱۱۸ھ) کا حافظہ حیرت ناک تھا جو بات ایک مرتبہ سن لیتے ہمیشہ کے لئے یاد ہو جاتی۔[2] پھر امام زہریؒ اور امام بخاریؒ کے حافظے تاریخ اسلام میں شہرہ آفاق ہیں۔ ان کی نظیر دنیا نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ نہ ان جیسا کوئی اور طبقہ ان کے بعد دیکھنے میں آیا۔ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین بہترین اُمم تھے۔ ان میں خیر غالب تھی۔ ان کے بعد انتشار کذب کا دور شروع ہوا۔ حدیث کے آخری جملے پر غور کریں۔ ثم یفشو الکذب۔ (پھر جھوٹ پھیل جائے گا) اس میں خبر دی گئی ہے کہ اس وقت میں جھوٹ عام ہو جائے گا۔

قرون ثلثہ کے بعد دور کذب

جھوٹ خبر و روایت میں ہی چل سکتا ہے ذکر و تلاوت میں نہیں۔ قرآن کریم خود عہد رسالت میں ہی متواتر اللفظ تھا۔ اس کی سورتیں اور آیات معین تھیں۔ ہزاروں سینوں میں محفوظ اور لاکھوں زبانوں پر جاری اور ملفوظ تھا۔ اس کے پڑھنے میں غلطی اور متشابہ تو لگ سکتا تھا لیکن

---

[1] مشکوٰۃ ص۵۵۴ عن النسائی [2] تفصیل کے لئے دیکھئے تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۱۱۶ تہذیب التہذیب جلد ۸ ص۳۵۸

جھوٹ کا اس میں دخل نہ ہو سکتا تھا. قرآن کریم متواتر طبقاتی ہے. ظاہر ہے کہ جھوٹ کا موضوع اخبار اور روایات احاد ہی ہو سکتی ہیں. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بات کی خبر دینا کہ ان تین طبقوں[1] کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا بتلاتا ہے کہ ان تین طبقوں تک دینی تعلیمات زبانی خبر وروایت میں بھی چل سکتی تھیں اور اس میں کوئی دینی حرج نہ تھا. پوری احتیاط برتی جائے تو دین کی صحیح تعلیمات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل کی جملہ روایات صحابہ سے تابعین کو اور تابعین سے تبع تابعین کو زبانی نقل وروایت سے پوری محفوظ شکل میں پہنچ سکتی تھیں اس دور میں صدق وکذب اور صحیح وضعیف کا آسانی سے پتہ چل جاتا تھا. سو ان تین طبقوں کا حفظ اور زبانی روایت ہر اعتبار سے قابلِ اعتماد رہے گی. لیکن ارشادِ نبوت کے مطابق ان تین دوروں کے بعد جب جھوٹ عام ہو جائے تو ضروری تھا کہ اس دور کذب کے عام ہونے سے پہلے پہلے حضور کی تعلیمات باقاعدہ مرتب اور مدون ہو جائیں. حضور کی مذکورہ بالا حدیث صدق وکذب کے ان دو زمانوں میں تاریخی فصل ہے. صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں صدق ورشد غالب تھا اور ان کے بعد نقل روایت میں کڑی تحقیق درکار اور لازم ہو گئی. کیونکہ اب بفحوائے حدیث جھوٹ پھیل چکا تھا.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بعض احکام شریعت تحریر کروائے. بعض صحابہ کو تحریر حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی اور نقل وروایت کی کچھ اصولی ہدایات ارشاد فرمائیں. ظاہر ہے کہ ان زمانوں کی تحریرات کا آئندہ کی نقل وروایت اور حدیث کی باقاعدہ جمع وتدوین میں بہت اثر رہا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس تدوین کا سہرا بہت حد تک ان پہلی تحریرات حدیث کے سر پر ہی بندھتا ہے جو اس پہلے دور میں حضور کی تعلیمات کے گرد وفا کے پھول پورے اہتمام سے چن چکی تھیں.

صحابہ کرام کا دور تقریباً ۱۲۰ھ تک رہا ہے. آخری صحابہ حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہؓ کی وفات ۱۰۰ھ میں ہوئی[2]. تابعین کا دور ۱۷۰ھ تک رہا ہے اور تبع تابعین کا دور ۲۲۰ھ تک

---

[1] صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے تین طبقے خیر القرون کہلاتے ہیں یہاں قرن یعنی طبقہ ہے صدی کے معنوں میں نہیں.
[2] دیکھئے صحیح مسلم جلد ۲ صـ ۲۵۸ راجح یہ ہے کہ آپ کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی. تہذیب التہذیب جلد ۵ صـ ۸۲

منتہی ہوا ہے۔ ان تین زمانوں کے بعد بدعات کھلے طور پر پھیلنے لگیں معتزلہ نے اپنی زبانیں کھولیں اور فلاسفہ نے اپنے سر اٹھائے۔ اہل علم کی خلق قرآن کے مسئلہ میں آزمائش ہوئی۔ لوگوں کے دینی حالات بدلنے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ "پھر جھوٹ پھیل جائے گا" تصدیق بن کر سامنے آگیا۔ تاہم شکر درگاہ ایزدی ہے کہ تدوین حدیث کے ابتدائی اور وسطانی مرحلے ان قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں سرانجام پا چکے تھے اور پھر جب جھوٹ کا دور دورہ ہوا تو محدثین نے حدیث کے گرد تحقیق و تنقید کے کڑے پہرے بٹھا دیے اور تاریخ بتاتی ہے کہ حدیث کے بڑے بڑے ذخیرے تیسری صدی ہجری میں مرتب ہو چکے تھے۔ اب ہم ابتدائی تحریرات حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں جو اس باقاعدہ تدوین کی اساس تھیں اور جن کی اعتمادی حیثیت کسی پہلو سے مجروح قرار نہیں پا سکی۔

تدوین کی ابتدائی صورت

یہ تدوین بطور فن کے نہیں بطور یادداشت کے تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث لکھنے کی اجازت بھی دے رکھی تھی۔ خود بھی بعض احکام سامنے لکھوا دیئے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے بھی احادیث کی کچھ یادداشتوں کو محفوظ کر رکھا تھا۔ موجودہ ذخائر حدیث میں ان یادداشتوں کی کہیں کہیں نشاندہی ملتی ہے۔ بعض صحائف حدیث کا بھی کہیں کہیں ذکر آتا ہے ہم یہاں الصحیفۃ الصادقۃ، کتاب الصدقہ، صحیفہ علی، صحیفہ عمرو بن حزم، صحیفہ جابر، صحیفہ سمرہ بن جندب، کتاب معاذ بن جبل، کتاب ابن عمر، کتاب ابن عباس، کتاب سعد بن عبادہ کا کچھ تذکرہ کریں گے۔ اس کے ضمن میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انس بن مالکؓ کے جمع کردہ مجموعوں کا ذکر بھی کہیں کہیں کر دیا جائے گا۔ یہ پہلے دور کی حدیثی تحریرات ہیں۔

(۱) الصحیفۃ الصادقۃ

یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا جمع کردہ صحیفہ تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ (۵۷ھ) کہتے ہیں :۔

ما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احدٌ اکثر حدیثاً عنہ منّی الا ما کان من عبد اللہ بن عمرو فانہ کان یکتب ولا اکتب[1]

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں مجھ سے زیادہ حضور کی حدیثیں رکھنے والا بجز عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے اور کوئی نہ تھا اور اس کی بھی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ بن عمروؓ حدیثیں لکھتے تھے اور میں نہ لکھتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ جو اس صحیفے کے مؤلف ہیں، ایک جگہ خود فرماتے ہیں:۔

حفظت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الف مثل[2]

ترجمہ۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہزار امثال یاد کی ہیں۔

جب امثال کی احادیث ایک ہزار کے قریب تھیں تو عام احادیث کا ذخیرہ کس قدر ہوگا جو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا ہوگا اور وہ آپ کے ہاں محفوظ ہوگا؟

حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ھ) کو حدیثیں لکھنے کی اجازت جیسا کہ ہم تحریر حدیث کی بحث میں کہہ آئے ہیں، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دے رکھی تھی۔ محدث شہیر عبدالرزاق بن ہمام

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۲ المصنف لعبد الرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۹ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۰۲ حضرت ابوہریرہؓ کا یہ عمل صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ تک تھا۔ آپ کے بعد حضرت ابوہریرہؓ نے بھی حدیثیں لکھنی شروع کر دی تھیں۔ آپ کے شاگرد حسن بن عمرو کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کے سامنے ایک حدیث بیان کی آپ نے اس سے لاعلمی ظاہر کی۔ اس نے کہا میں نے یہ حدیث تو آپ سے ہی سُنی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ ان کنت سمعتہ منی فھو مکتوب عندی۔ (جامع بیان العلم صفحہ ۷۴ ورا جع لہ الفتح جلد ۱ صفحہ ۱۸۴) ترجمہ۔ اگر تم نے یہ مجھ سے سنی ہوگی تو میرے پاس لکھی بھی ہوگی۔ پھر آپ حسن بن عمرو کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور انہیں وہ ساری تحریرات دکھائیں اور ان میں وہ حدیث مل گئی۔ آپ نے کہا میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اگر میں نے تمہیں سنائی ہوگی تو میرے پاس لکھی ہوئی بھی ہوگی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے والد جب مصر کے گورنر تھے تو ان کے پاس بھی حضرت ابوہریرہؓ کی احادیث کا ایک مجموعہ موجود تھا۔ (دیکھئے طبقات ابن سعد جلد ۷ صفحہ ۱۵۷)

[2] اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۳۳

الصنعانی (۲۱۱ھ) حضرت عطاء الخراسانی سے روایت کرتے ہیں :۔

ان عبداللہ بن عمرو بن العاص قال یارسول اللہ انا نسمع منك احادیث افتأذن لی فاکتبہا؟ قال نعم فکان اول ما کتب بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی اهل مکۃ کتابا۔[1]

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول: ہم آپ سے احادیث سنتے ہیں، کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں انہیں لکھ لیا کروں ؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ سو اس میں پہلی تحریر وہ تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کی طرف لکھی تھی۔

سنن ابی داؤد، مستدرک حاکم، معالم السنن اور طبقات ابن سعد[2] میں اس کی تفصیل موجود ہے امام المفسرین تابعی کبیر حضرت مجاہد (۱۰۰ھ) کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے ہاں ایک صحیفہ گدے کے نیچے چھپا دیکھا تو اٹھا لیا۔ آپ نے مجھے ہاتھ لگانے سے روکا اور فرمایا:۔

هذه الصادقة ما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس بینی و بینه احد اذا سلمت هذه کتاب اللہ والوهط فلا ابالی علی ما کانت علیه الدنیا۔[3]

ترجمہ۔ یہ صحیفہ صادقہ ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اس میں مجھ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور کوئی شخص واسطہ نہیں ہے۔ جب تک میرے پاس یہ احادیث اور قرآن ہیں اور وہط کی زمین ہے مجھے فکر نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔

یہ صحیفہ صادقہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی اولاد کے پاس سالہا سال رہا۔ آپ کے پڑپوتے عمرو بن شعیب اسے باقاعدہ پڑھاتے تھے۔ حدیث کی موجودہ کتابوں میں جو احادیث اس سند سے مروی ہوں۔ عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده۔ وہ اسی مجموعہ سے ماخوذ ہوتی ہیں۔

---

[1] المصنف جلد ۸ صـ۱۴ [2] سنن ابی داؤد جلد ۲ صـ۱۳ ۵ مستدرک حاکم جلد ۱ صـ۱۰۵ معالم السنن للخطابی جلد ۴ صـ۱۸۴ طبقات ابن سعد جلد ۴ صـ۸ [3] جامع بیان العلم جلد ۱ صـ۷۲ اسد الغابہ جلد ۳ صـ۲۴۳

حافظ ابن حجر عسقلانی، یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی کے حوالہ سے اس کی تصریح کرتے ہیں[1] حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے اس صحیفے کا نام الصادقہ تھا۔ آپ خود فرماتے ہیں :۔

ھٰذہ الصادقۃ ما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس بینی وبینہ احد[2]

ترجمہ۔ الصادقہ وہ کتاب ہے جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھی تھی۔
میرے اور آپ کے مابین کوئی اور راوی نہیں۔

امام ترمذی (۲۷۹ھ) نے بھی اپنی سنن میں اس صحیفہ صادقہ کا ذکر کیا ہے۔ ایک حدیث کے تحت آپ لکھتے ہیں :۔

وقد تکلم یحییٰ بن سعید فی حدیث عمرو بن شعیب وقال ھو عندنا واہ و
من ضعفہ فانما من قبل انہ یحدث من صحیفۃ جدہ عبداللہ بن عمرو و
اما اکثر اھل العلم فیحتجون بحدیث عمرو بن شعیب ویثبتونہ[3]

ترجمہ۔ عمرو بن شعیب کی حدیث میں یحییٰ بن سعید القطان کلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں وہ ہمارے ہاں کچھ نہیں اور جس نے ان کی حدیث کو ضعیف کہا ہے وہ اسی اساس پر کہا ہے کہ عمرو بن شعیب اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو کے صحیفہ سے روایت کرتے ہیں۔ اکثر اہل علم عمرو بن شعیب کی روایت سے سند لیتے ہیں اور اسے ثابت مانتے ہیں۔

اس وقت یہ بحث نہیں کہ عمرو بن شعیب واقعی یادداشت سے روایت کرتے تھے یا صرف اس صحیفے سے۔ اس وقت یہ موضوع زیر بحث نہیں۔ نہ یہ بحث ہے کہ تحریر سے روایت جائز ہے یا نہیں؟ یہاں ہمیں صرف یہ بتلانا ہے کہ قرونِ اُولیٰ میں واقعی یہ صحیفہ موجود تھا اور حدیث کی یہ تحریر اپنی جگہ بہت قابلِ اعتماد سمجھی جاتی تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ھ) کے پاس اُن سے زیادہ حدیثیں موجود تھیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی مرویات Reported traditions کی تعداد پانچ ہزار کے قریب بتلائی جاتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ اس

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۴۹/۵۳ [2] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۲۶ [3] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۴۳، صفحہ ۸۲

سے بھی زیادہ تعداد میں احادیث جمع کر چکے تھے۔ حدیث کی یہ خدمت اس پہلے دور کی ہے جو حضورؐ اور صحابہؓ کا دور تھا۔ صحابہؓ کے دور کی یہ یادگار آئندہ بھی مدت تک موجود رہی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے پوتے عمرو بن شعیب کے پاس یہ کتاب موجود تھی[1] حافظ جمال الدین زیلعی (۷۶۲ھ) نے بھی اس نسخہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کا ذکر کیا ہے[2]

② کتاب الصدقہ

یہ حضورؐ کے املاء فرمودہ احکام کا ایک مجموعہ ہے جو اس پہلے دور میں ہی ترتیب پا گیا تھا۔
حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۳ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدقہ تحریر کرائی تھی۔ یہ وہ احکام تھے جو آپؐ نے اپنے گورنروں کے لیے لکھوائے تھے۔ آپؐ ابھی انہیں بھیجنے نہ پائے تھے کہ آپؐ کی وفات ہو گئی۔ آپؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اس پر عمل کیا اور ان کے بعد حضرت عمرؓ اس پر عمل کرتے رہے۔ محدث شہیر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی (۲۱۱ھ) لکھتے ہیں:۔

ان النبی کتب کتاباً فیہ ھذہ الفرائض نقبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل ان یکتب الی العمال فاخذ بہ ابوبکر و امضاہ بعدہ علی ما کتب[3]

ترجمہ۔ بے شک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کتاب تحریر کرائی تھی جس میں یہ فرائض لکھے گئے۔ پیشتر اس کے کہ حضورؐ اسے گورنروں کی طرف بھجوائیں، حضورؐ کی وفات ہو گئی۔ آپؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے یہ تحریر حاصل کی اور اسے آپ کی تحریر کے مطابق نافذ فرمایا۔

امام ترمذی نے بھی حدیث کی اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب کتاب الصدقۃ فلم یخرجہ الی عمالہ حتی قبض فقرنہ بسیفہ فلما قبض عمل بہ ابوبکر حتی قبض وعمر حتی قبض[4]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۸ صـ۴۹ [2] نصب الرایہ جلد ۲ صـ۳۴۲ [3] المصنف جلد نہم صـ۲۵ سنن ابی داؤد جلد ۱ صـ۲۱۹ [4] جامع ترمذی جلد ۱ صـ۷۶، صـ۱۰۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدقہ لکھوائی۔ آپ اسے اپنے عمال کی طرف بھیجنے نہ پائے تھے کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ یہ آپ نے اپنی تلوار سے لگا رکھی تھی۔ جب آپ کی وفات ہوگئی تو حضرت ابوبکرؓ نے اس پر عمل فرمایا یہاں تک کہ آپ کی بھی وفات ہوگئی، پھر حضرت عمرؓ بھی اس پر عمل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کی بھی وفات ہوگئی۔

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس پہلے دور میں قرآن کریم کے ساتھ ساتھ حدیث کے یہ ذخیرے یقیناً زیر عمل تھے اور اُمتِ اسلامی انہیں ایک مستقل مآخذ علم کے طور پر برابر قبول کرتی تھی انہی پر ماخذوں پر خلفائے راشدینؓ کا عمل تھا۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اگر عمل بالحدیث کے قائل نہ ہوتے تو اس مجموعہ حدیث کو اپنے ہاں اس طرح حفاظت سے نہ رکھتے اور اس طرح اسے نافذ نہ کرتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد یہ نسخہ (کتاب الصدقہ) حضرت عمرؓ کی اولاد کے پاس رہا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے سالم بن عبداللہ نے یہ کتاب امام زہری کو پڑھائی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی اس کی نقل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادوں (حضرت سالم اور حضرت عبداللہ) سے لے لی تھی۔

امام زہری (۱۲۴ھ) اس کتاب کو درساً پڑھایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

> یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کتاب ہے جو آپ نے صدقات پر لکھائی تھی۔ اس کا اصل نسخہ حضرت عمرؓ کی اولاد کے پاس رہا ہے۔ مجھے یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے حضرت سالم نے پڑھایا تھا۔ میں نے اُسے پورا حفظ کر لیا تھا..... حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کی نقل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادوں عبداللہ اور سالم سے حاصل کی تھی۔ یہ وہی نقل ہے۔[۱]

حضرت امام زہری کو جمع احادیث پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مامور کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے ہی یہ نقل امام زہری کو دی ہوگی۔

کتابُ الصدقہ کی نقول

حضرت ابوبکرؓ نے خود بھی اس تحریر کی نقول کرائیں اور اپنے عمال کو بھجوائیں۔ اسی طرح

---

[۱] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۲

حضرت عمرؓ نے بھی اس کی نقول لیں اور آگے اپنے عاملوں کو دیں. بعض حضرات کو گمان ہے کہ یہ اس کتاب الصدقہ سے جو حضورؐ نے لکھوائی تھی علیحدہ تالیفات ہیں. لیکن حضرت حماد بن سلمہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی کتاب الصدقہ وہی کتاب ہے جس پر کہ حضورؐ کی مہر تھی.

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت انس بن مالکؓ کو عامل بنا کر بحرین بھیجا. تو انہیں ایک کتاب الصدقہ دی اور امر فرمایا کہ اس کے مطابق ان سے زکوٰۃ وصول کریں. یہ کتاب بعد میں حضرت انسؓ کے خاندان میں رہی. حضرت حماد بن سلمہ نے اسے حضرت انسؓ کے پوتے ثمامہ بن عبداللہ کے پاس بھی دیکھا تھا[۱]. وہ بیان کرتے ہیں کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر ثبت تھی. اس کتاب کے کچھ حوالے صحیح بخاری میں بھی ملتے ہیں[۲]

حضرت عمرؓ کے پاس بھی غالباً اسی کتاب الصدقہ کی نقل ہوگی جس میں حضرت عمرؓ نے اپنی روایت سے کچھ اور احادیث لکھ لی ہوں گی جس کی وجہ سے محدثین اُسے حضرت عمرؓ کی اپنی کتاب الصدقہ کہنے لگے ہوں گے. حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں :

انه قرأ كتاب عمر بن الخطاب فى الصدقة .[۳]

ترجمہ. حضرت عمر بن الخطابؓ کی کتاب الصدقہ میں نے خود پڑھی ہے.

ان روایات کی روشنی میں آپ اس کتاب کی اہمیت، شہرت اور ضرورت کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں. اس کتاب کے اقتباسات کا بعد کی بڑی کتب معروفہ میں پایا جانا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ کس طرح بعد کی تالیفات حدیث ان ابتدائی تحریرات کی بنا پر ترتیب پائی ہیں.

③ صحیفہ علی مرتضیٰ

حضرت علی المرتضیٰؓ کے پاس بھی حدیث کی کچھ تحریرات موجود تھیں جنہیں صحیفۂ علیؓ کہتے تھے کتب حدیث میں اس کا ذکر بھی ملتا ہے. اسے کتاب علی کے نام سے ذکر کرتے ہیں[۴]. امام بخاریؒ نے

[؟] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۱۸ [۲] دیکھئے بخاری کتاب الزکوٰۃ جلد ۱ صفحہ [۳] مؤطا امام مالک صفحہ ۱۰۹، صفحہ ۱۱۰
[۴] مصنف عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۲۰۳

صحیح بخاری کے کئی ابواب میں اس کا ذکر کیا ہے[1]۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کے مضامین بہت پھیلے ہوئے تھے۔ تاریخ کی اس پر کھلی شہادت موجود ہے کہ پہلے دور میں اس صحیفہ علی کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ شیعہ کتب حدیث میں بھی جا بجا کتاب علی کا نام ملتا ہے[2]۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

من زعم ان عندنا شیئاً نقرؤہ الا کتاب اللہ وھذہ الصحیفۃ فقد کذب[3]۔

ترجمہ۔ جس نے یہ خیال کیا کہ ہمارے پاس قرآن کریم اور اس صحیفہ کے علاوہ بھی کوئی اور چیز ہے جسے ہم پڑھتے ہیں تو اس نے جھوٹ کہا۔

اس صحیفہ حدیث میں زیادہ تر مالیات کے مسائل تھے۔ زکوٰۃ ، دیت ، خونبہا ، فدیہ ، ولا قصاص اور حقوق اہل ذمہ کی روایات تھیں۔ مدینہ شریف کے حرم ہونے کی احادیث بھی اس میں شامل تھیں۔ اب یہ روایات موجودہ کتب مدونہ میں عام ملتی ہیں۔ اونٹوں کی مختلف عمروں پر کیا کیا احکام ہیں ان کا بھی ان روایات میں کچھ ذکر تھا۔

صحیفہ علم کی نشر واشاعت

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس صحیفے کے بعض اجزا کی نقلیں بھی لکھوا رکھی تھیں۔ آپ سے لینے والے سے ان کے کاغذات کی قیمت ایک درہم لیتے تھے۔ آپ نے ایک دن خطبہ میں فرمایا :-

من یشتری علماً بدرھم[4]۔ ترجمہ۔ کون ہے جو علم کو ایک درہم میں خرید لے۔

---

[1] دیکھئے صحیح بخاری جلد ۱ ص ۳۸ جلد ۳ ص ۲۶ جلد ۴ ص ۱۲۲ جلد ۹ ص ۱۲ ص ۱۲۰ کتاب العلم کتاب الحج (فضائل المدینہ)، کتاب الجہاد (باب فکاک الاسیر، باب ذمۃ المسلمین، باب اثم من عاہد ثم غدر) کتاب الاعتصام (باب مایکرہ من التعمق والتنازع) [2] کافی کلینی جلد ۱ ص ۱۴ ص ۴۰ جلد ۲ ص ۲۷۸ ص ۴۸۴ ص ۲۶۲ جلد ۳ ص ۹ ص ۱۶۵ ص ۳۱ ص ۵۰۵ جلد ۴ ص ۳۶۸ ص ۳۸۹ ص ۴۹۰ جلد ۵ ص ۱۳۶ ص ۲۷۹ ص ۵۴۱ جلد ۶ ص ۲۰۲ ص ۲۴۶ ص ۲۵۵ معانی الاخبار ابن بابویہ ص ۱ ص ۱۰۲ شرح الفقیہ ص ۱۳ ص ۲۴ ص ۲۶ استبصار جلد ۴ ص ۲۸۹ [3] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۴۴۲ ص ۴۹۵ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۳۸ المصنف لعبدالرزاق جلد ۹ ص ۲۶۳ جلد ۱۰ ص ۱۰۰ [4] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۸ [5] ایضاً جلد ۵ ص ۴۶۶

علم ان دنوں حدیث کو کہا جاتا تھا۔ حارث الاعور نے ایک درہم میں کچھ ورق خرید لیے اور پھر حضرت علیؓ کی خدمت میں احادیث لکھنے کے لیے آئے۔ فکتب له علماً کثیراً[1]۔ آپ نے ان کو بہت سا علم (بہت سی احادیث) لکھا کر دیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے شاگردوں میں سے حجر بن عدی نے اور آپؓ کے بیٹے محمد بن الحنفیہ نے بھی اس صحیفہ علی کی نقلیں لے رکھی تھیں اور اس صحیفہ کی روایت آگے بھی چلتی رہی تھی۔ کسی شخص نے حجر بن عدی سے ایک مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا وہ صحیفہ جو طاق میں رکھا ہے مجھے پکڑا دو۔ اس نے وہ صحیفہ آپ کو دیا۔ اس میں لکھا تھا۔

ھذا ما سمعت علی بن ابی طالبؓ یذکر ان الطھور نصف الایمان[1]

ترجمہ۔ یہ روایات ہیں جو میں نے علی ابن ابی طالب سے سُنیں۔ آپ حدیث بیان کرتے تھے کہ طہارت نصف ایمان ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حجر بن عدی کے پاس صحیفہ علی کی نقل موجود تھی۔ جو اُن کے ہاں طاق میں رکھا رہتا تھا۔

عبدالاعلیٰ غسانی (۱۰۸ھ) محمد بن الحنفیہ (۸۱ھ) سے بہت روایات کرتے تھے۔ ان کا محمد بن الحنفیہ سے سماع ثابت نہیں معلوم ہوا کہ ان کے پاس محمد بن الحنفیہ کی ایک کتاب تھی عبدالاعلیٰ اس کتاب سے محمد بن الحنفیہ کے نام سے روایتیں کرتے تھے[2]

ظاہر ہے کہ یہ روایات محمد بن الحنفیہ نے اپنے والد حضرت علیؓ سے ہی لی ہوں گی حضرت حسینؓ کے پوتے حضرت امام باقر کے ہاں بھی بعض صحف حدیث کا پتہ ملتا ہے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حدیثوں کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا۔

انما وجدتھا فی کتبه[3] کہ یہ روایات انہوں نے ان کی (امام باقر کی) کتابوں سے لی ہیں۔

(۴) صحیفہ عمرو بن حزم

یہ تحریر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے لیے لکھوائی تھی۔ اس میں زیادہ تر فرائض

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۶ صفحہ ۲۳ [2] دیکھئے تذکرہ عبدالاعلیٰ [3] تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۱۰۴

وسنن اور دیات کے احکام تھے۔ انہیں صحیفہ عمرو بن حزم اس لیئے کہا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تحریر حدیث حضرت عمرو بن حزمؓ (۵۳ھ) کے ہاتھ یمن بھجوائی تھی اور آپ نے ہی اسے پڑھ کر سنایا تھا۔ امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) نے دیات کے سلسلے میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے:-

قال الحارث بن مسکین قراءة علیه وانا اسمع عن ابن القاسم حدثنی مالك عن عبد الله بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن ابیه الکتاب الذی کتبه رسول الله صلی الله علیه وسلم لعمرو بن حزم فی العقول ..... الخ[1]

اس روایت میں صریح طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی ایک کتاب کا ذکر ملتا ہے۔ اس میں اس کی بھی وضاحت ہے کہ آپ نے عمرو بن حزمؓ کے لیئے یہ تحریر لکھوائی تھی اور یہ کہ اس میں خونبہا اور دیات وغیرہ کے مسائل تھے۔

حضرت عمرؓ اس کتاب پر بڑا اعتماد فرماتے تھے اور اس کی احادیث کو حجت سمجھتے تھے۔ محدث شہیر عبد الرزاق الصنعانی (۲۱۱ھ) روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے انگلیوں کے بارے میں ایک فیصلہ صادر فرمایا۔ پھر آپ کے سامنے یہ کتاب پیش کی گئی۔ اس میں یہ حدیث تھی کہ ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہے۔ اس پر آپ نے اپنے فیصلے کو واپس لے لیا اور حدیث کے اس فیصلے کو صادر فرمایا۔ محدث عبد الرزاق لکھتے ہیں:-

قضی عمر بن الخطابؓ فی الاصابع ثم اخبر بکتاب کتبه النبی لآل حزم فی کل اصبع مما هنالك عشر من الابل فاخذ به و ترك امره الاول[2]

ترجمہ۔ حضرت عمرؓ نے انگلیوں کی دیت کے بارے میں فیصلہ کیا۔ پھر آپ کو اس کتاب کے حوالے سے جو حضورؐ نے آل حزم کے لیئے تحریر کروائی تھی یہ حدیث بتلائی گئی کہ ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہیں۔ آپ نے اس حدیث کو لے لیا اور اپنے پہلے فیصلے سے رجوع فرمایا۔

حضرت عمرؓ نے ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کی طرف لکھا تھا:-

ان یجمع له السنن و یکتب بها الیه[3] ترجمہ۔ کہ وہ ان کے لیئے احادیث جمع کریں

---

[1] سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۵۲ [2] المصنف لعبد الرزاق جلد ۹ صفحہ ۳۸۵ [3] ترتیب المدارک جلد ۱ صفحہ ۴۹

اور انہیں ان کی طرف بھجوائیں۔

انہوں نے احادیث جمع کیں اور پیشتر اس کے کہ انہیں ان کی طرف بھجوائیں حضرت عمرؓ کی وفات ہوگئی۔ سید التابعین حضرت سعید بن المسیب (۹۳ھ) کہتے ہیں:۔

وجدنا کتابا عند اٰل حزم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الاصابع کلھا سواء۔[1]

ترجمہ۔ ہم نے آل حزم کے پاس ایک کتاب پائی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی تھی۔ اس میں تھا کہ تمام انگلیاں (دیت میں) برابر ہیں۔

عن عبداللہ بن ابی بکر عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتب لھم کتابا فیہ: وفی الانف اذا اوعب جدعہ الدیۃ کاملہ مئۃ ــــــ مئۃ من الابل۔[2]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک تحریر لکھی اس میں تھا کہ ناک جب جڑ سے کاٹی جائے تو اس کی پوری دیت ہوگی سو ــــــ سو اونٹ

اس میں تصریح ہے کہ حضورؐ نے خود احکام پر مشتمل ایک کتاب لکھوائی۔

جلیل القدر تابعی امام زہری (۱۲۴ھ) بھی کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کتاب کو پڑھا ہے۔ عمرو بن حزمؓ کے پوتے نے انہیں یہ کتاب دی تھی۔ اس کے شروع میں تھا۔ هٰذا بیان من اللہ ورسولہ۔ یہ کتاب اہل یمن کو پڑھ کر سنائی گئی تھی۔[3] یہی نسخہ امام زہری کے پاس تھا۔[4] حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۱۰۱ھ) نے ایک شخص کو مدینہ منورہ بھیجا تھا کہ وہ ٹیکسوں کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جمع کرے۔ اسے حدیث کی یہ کتاب عمرو بن حزمؓ کے پوتے کے پاس ملی۔[5] امام مالکؒ (۱۷۹ھ) نے بھی موطا میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔[6] حافظ جمال الدین زیلعی (۷۶۲ھ) لکھتے ہیں:۔

---

[1] المصنف جلد ۹ صفحہ ۳۸۴ [2] المصنف جلد ۹ صفحہ ۳۳۸ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے۔ وفی السن خمس من الابل۔ المصنف جلد ۹ صفحہ ۳۴۴ [3] فقرأ علی اھل الیمن۔ هٰذہ نسختہ سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۱۸ [4] سنن دار قطنی صفحہ ۸ [5] موطا امام مالک ۲ صفحہ ۱۸۱ مع تنویر الحوالک کتاب العقول

قال احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما کتاب عمرو بن حزم فی الصدقات صحیح قال و احمد یشیر بالصحۃ الی ھذہ الروایۃ لا بغیرھا مما سیاتی وقال بعض الحفاظ من المتاخرین و نسخۃ کتاب عمرو بن حزم تلقاہ الائمہ الاربعۃ بالقبول وھی متوارثۃ کنسخۃ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وھی دائرۃ علی سلیمان بن ارقم و سلیمان بن داؤد الخولانی عن الزھری عن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم[1]

ترجمہ۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عمرو بن حزم کی کتاب الصدقات صحیح ہے۔ امام احمد کا اشارہ اس کی روایت کی صحت کی طرف ہے۔ اگلی بات اس کے خلاف نہیں۔ متاخرین کے بعض حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ عمرو بن حزم کی اس کتاب کو ائمہ اربعہ نے قبول کیا ہے اور یہ اسی طرح متوارث چلا آرہا ہے جس طرح عمرو بن شعیب کا نسخہ جسے وہ اپنے باپ سے اور پھر اپنے دادا سے نقل کرتے چلے آرہے ہیں اور اس کا مدار سلیمان بن ارقم اور سلیمان بن ابی داؤد پر ہے وہ اسے امام زہری سے نقل کرتے ہیں اور وہ محمد بن عمرو بن حزم سے۔

اس صحیفہ عمرو بن حزم میں صرف ٹیکسوں کے مسائل ہی نہ تھے۔ عام احکام کی احادیث بھی اس میں بکثرت موجود تھیں۔ نماز، زکوٰۃ، عشر، عمرہ، حج، جہاد، تقسیم غنائم، جزیہ اور دیات وغیرہ کے مسائل بھی تھے۔ محدث عبدالرزاق نے طہارت کے سلسلہ میں اس کتاب سے یہ روایت نقل فرمائی ہے۔

فی کتاب النبی لعمرو بن حزم لا یمس القرآن الا علی طہر[2]

ترجمہ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عمرو بن حزم کے لیے جو کتاب لکھوائی اس میں ہے کہ قرآن کریم کو بغیر طہارت نہ چھوئے۔

کتب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) الی عمرو بن حزم حین وجھہ الی نجران ان اخر الفطر و ذکر الناس و عجل الاضحی[3]

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرو بن حزم کو جب نجران بھیجا تو انہیں جو

---

[1] نصب الرایہ جلد ۲ ص ۳۴۲ [2] المصنف جلد ۱ ص ۳۴۲ [3] المصنف جلد ۳ ص ۲۸۶

احکام لکھ کر دیئے اُن میں یہ بھی تھا کہ عید الفطر کی نماز ذرا دیر سے اور عید الاضحیٰ کی نماز ذرا جلدی پڑھیں اور لوگوں کو (خطبہ میں) نصیحتیں کریں۔

صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام کو حدیث کے اس مجموعے کا بخوبی علم تھا وہ اس کی طرف مبہمات مسائل میں مراجعت کرتے تھے اور اس کے سامنے اپنی رائے چھوڑ بھی دیتے تھے۔ حافظ جمال الدین الزیلعی (۷۶۲ھ) لکھتے ہیں:۔

کان اصحاب النبیؐ والتابعون یرجعون الیہ و یدعون الیہ و یدعون آرائھم۔[۱]

ترجمہ۔ صحابہ کرام اور تابعین عظام اس کی طرف مراجعت کرکے اور اسکی طرف بلاتے اور اپنی آراء کو چھوڑ دیتے

المصنف لعبد الرزاق میں اس صحیفہ عمرو بن حزم کا بہت تذکرہ ملتا ہے اور ان النبی

المصنف لعبد الرزاق میں اس صحیفہ عمرو بن حزم کا بہت ذکر ملتا ہے۔ اور ان النبی
کتب لھم کتابا کے الفاظ کئی جگہ آئے ہیں۔[۲] سنن دار قطنی[۳] (۳۸۵ھ) اور سنن بیہقی[۴] (۴۵۸ھ) میں بھی اس کا ذکر پہلے دور کی کتاب کے طور پر موجود ہے یعقوب بن سفیان الفسوی کہتے ہیں:۔

لا اعلم فی جمیع الکتب المنقولۃ اصح منہ وا صحاب النبیؐ والتابعون یرجعون الیہ و یدعون آرائھم۔[۵]

ترجمہ: جو کتابیں اب تک نقل ہوتی آئیں اس سے زیادہ صحیح کتاب مجھے ان میں نہیں ملی صحابہ کرام اور تابعین اسی کی طرف مراجعت فرماتے تھے اور اپنی باتیں چھوڑ دیتے تھے۔

صحت روایت اور صحت نسخہ کی اس سے بڑی ضمانت کیا ہو سکتی ہے کہ روایات حضورؐ کی اپنی لکھوائی ہوئی ہوں اور اس نسخے کے امین آپ کے ایک صحابی ہوں۔

⑤ صحیفہ جابرؓ

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ (۷۴ھ) مسجد نبوی کے مدرس حدیث تھے۔ آپ کے پاس بھی حدیث کی ایک دستاویز تھی۔ محدثین کی ایک بڑی تعداد نے ان سے اسکی روایت

---

[۱] نصب الرایہ للزیلعی جلد ۲ ص ۳۴۲ [۲] المصنف جلد ۴ ص ۴ صد جلد ۹ ص ۳۳۸ ص ۳۴۴ [۳] دار قطنی ص ۴۵ [۴] سنن کبریٰ جلد ۱ ص ۸۷ [۵] زیلعی جلد ص ۳۴۲

لی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) حضرت قتادہؒ (۱۰۷ھ) کی عجیب قوتِ حافظہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صحیفہ جابرؓ ان کے سامنے ایک دفعہ پڑھا گیا تو انہیں یاد ہو گیا۔[1] حضرت قتادہؒ نے خود بھی فرمایا:۔

لانا لصحیفة جابر احفظ منی لسورة البقرہ[2]

ترجمہ: میں صحیفہ جابر کا سورہ بقرہ سے بھی زیادہ پختہ حافظ ہوں۔

اس سے صحیفہ جابر کی ضخامت کا بھی کچھ اندازہ ہوتا ہے اور اس روایت سے یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ پہلی صدی کے آخر میں صحابہ کرامؓ کی یہ تحریرات تابعین کے پاس آچکی تھیں اور خاصی معروف تھیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس صحیفہ جابرؓ کا ذکر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری (۱۶۱ھ) نے بھی اس صحیفہ سے روایات لی ہیں۔[3]

حضرت جابرؓ کے شوقِ حدیث کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ صرف ایک حدیث کی طلب میں جو آپ نے حضورؐ سے براہِ راست نہ سُنی تھی اور آپ کو اطلاع ملی تھی کہ وہ حدیث حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے حضورؐ سے سُنی ہوئی ہے۔ آپ نے ایک مہینہ بھر کا سفر کیا اور شام پہنچے اور اُن سے براہِ راست وہ حدیث سُنی۔ امام بخاریؒ لکھتے ہیں:۔

ورحل جابر بن عبداللہ مسیرة شهر الی عبداللہ بن انیس فی حدیث واحد۔[4]

ترجمہ: اور جابر بن عبداللہ نے جابر بن انیس کی طرف ایک حدیث کے لیے مہینے بھر کا سفر کیا (وہ شام میں تھے)

صرف سماع ہی نہیں حدیث لکھنے کا بھی آپ کو بہت شوق تھا۔ ربیع بن سعد کہتے ہیں:۔

رأیت جابرا یکتب عند ابن سابط فی الواح[5]

ترجمہ: ابن سابط کے ہاں میں نے حضرت جابرؓ کو کئی تختیوں پر روایات لکھتے دیکھا۔

حضرت علیؓ کے نواسے عبداللہ بن محمد اور امام باقر بھی حضرت جابرؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ان سے احادیث لکھا کرتے تھے۔[6]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبیؒ جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ [2] تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۳۵۵ [3] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۲۷ [4] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۷ [5] جامع بیان العلم جلد ۱ صفحہ ۷۲ [6] المحدث الفاصل للرامہرمزی صفحہ ۳۷۱

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ نے فرمایا:۔

کتب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) علی کل بطن عقوله ثم کتب انه لا یحل ان یتوالی مولی رجل مسلم بغیر اذنه ثم اخبرت انه لعن فی صحیفة من فعل ذلك.[1]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا کہ ہر قبیلہ (بطن) پر اس کے خونبہا لازم آئیں گے۔ پھر آپ نے یہ لکھوایا کہ کوئی شخص کسی دوسرے مسلمان کا مولیٰ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسرا اسے اس کا اذن نہ دے۔ پھر مجھے پتہ چلا کہ آپ نے اُس شخص پر لعنت لکھوائی جو ایسا کرے۔

یہ خبر الوالزبیر (ھ) دے رہے ہیں کہ صحیفہ جابرؓ میں اس کردار پر لعنت کی گئی۔ نفس مسئلہ اپنی جگہ رہا تاہم اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحیفہ جابرؓ ان دنوں بھی موجود اور معروف تھا۔

حافظ ذہبی کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اس صحیفہ کے علاوہ حج پر بھی آپ کی ایک مختصر تالیف تھی۔ آپ فرماتے ہیں۔ وله منسك صغیر فی الحج۔[2] امام مسلم نے صحیح مسلم کتاب الحج میں حجۃ الوداع کی روایت بڑی طویل ذکر کی ہے اور یہ صحیح ہے کہ وقائع حجۃ الوداع کے سب سے بڑے حافظ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صحیح مسلم میں انکا رسالہ منسک صغیر پورا لے لیا گیا ہے۔ ذکرہ الذہبی فی التذکرہ۔

صحیفہ جابرؓ سے مشہور محدث معمر بن راشد نے بھی احادیث روایت کی ہیں۔[3] صحیفہ جابر کی ایک نقل اسماعیل بن عبدالکریم کے پاس بھی تھی جو وہب بن منبہ کی تحریر کردہ تھی۔[4] حضرت حسن بصریؒ نے حضرت جابرؓ کی روایات اسی صحیفہ جابر سے لی تھیں۔[5]

(۶) صحیفہ سمرۃ بن جندبؓ

حضرت سمرہ بن جندبؓ (۵۹ ھ) نے بھی کچھ احادیث جمع کی تھیں۔ ابن سیرین (۱۱۰ھ)

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۹۵ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۴۱ [3] دیکھئے المصنف لعبدالرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۳
[4] تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۲۱۵ [5] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۶۷

فرماتے ہیں کہ اس میں علم کثیر موجود ہے[۱] امام حسن بصری (۱۱۰ھ) اسے روایت کرتے تھے[۲]
ابن حجر عسقلانی اسے نسخۂ کبیرہ کہہ کر ذکر کرتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں کثیر حدیثی مواد موجود
تھا۔ امام ترمذی اپنی سنن میں لکھتے ہیں :-

قال علی بن المدینی سماع الحسن من سمرة صحیح وقد تکلم بعض اہل الحدیث
فی روایۃ الحسن عن سمرة وقالوا انما یحدث عن صحیفۃ سمرة[۴]

ترجمہ۔ امام علی بن المدینی (۲۳۴ھ) کہتے ہیں حسن بصری کا سمرہ بن جندبؓ سے احادیث
سننا صحیح ہے۔ لیکن بعض محدثین نے اس میں کلام کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حسن
حضرت سمرہؓ کے صحیفے سے روایت کرتے تھے۔ خود انہوں نے حضرت سمرہ
سے احادیث نہیں سنیں۔

حضرت حسن بصری کی سمرہ بن جندبؓ سے روایت براہ راست ہو یا ان کے صحیفہ سے
لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ اس دور میں حضرت سمرہ بن جندبؓ کا جمع کردہ یہ مجموعہ حدیث
موجود اور معروف تھا اور محدثین روایت میں اس سے مدد لیتے تھے۔ یحییٰ بن سعید القطان
کہتے ہیں کہ حسن بصری نے جتنی روایات حضرت سمرہ بن جندبؓ سے لی ہیں، سب اسی صحیفہ
سے ماخوذ ہیں[۵]۔ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) نے اس صحیفہ سمرہ بن جندبؓ کا متعدد مقامات پر
ذکر کیا ہے۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ کے بعد یہ مجموعہ حدیث ان کے صاحبزادے سلیمان کے
پاس رہا۔ پھر ان کے بعد ان کے بیٹے حبیب بن سلیمان کی تحویل میں رہا۔ سلیمان اور حبیب دونوں
نے اس مجموعہ سے احادیث روایت کی ہیں۔

(۷) کتاب معاذ بن جبلؓ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (۱۸ھ) کا شمار فضلاء صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ آپ انصار
میں سے تھے اور علم و فضل میں آپ مجتہد کا درجہ رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[۱] تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۳۶ [۲] ایضاً جلد ۲ ص ۲۶۹ [۳] ایضاً جلد ۴ ص ۱۹۸ [۴] جامع ترمذی جلد ا
ص ۱۵۵ [۵] طبقات ابن سعد جلد ۷ ص

آپ کو یمن کا قاضی اور معلم بنایا تو آپ نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کریں گے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار مسرت فرمایا اور آپ کو مجتہد ہونے کی عزت کرامت فرمائی۔ ارشاد فرمایا:۔

الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی به رسول الله[1]

ترجمہ سب تعریف اس اللہ کیلئے جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس چیز کی توفیق بخشی۔ جس سے اللہ کا رسول راضی ہو۔

حدیث کی کتب مدونہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے بھی حدیث کا ایک مجموعہ ترتیب دے رکھا تھا۔ حضرت ابن طاؤس اپنے والد طاوس بن کیسان (۱۰۵ھ) سے روایت کرتے ہیں:۔

فی کتاب معاذ بن جبل من ارتهن ارضاً فهو یحسب ثمرها لصاحب الرهن من عام حج النبی (صلی الله علیه وسلم)[2]

ترجمہ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی کتاب میں تھا کہ جس شخص نے زمین رہن لی تو وہ پھلوں سمیت مالک کی ہی رہے گی۔

ابن طاؤسؒ بار بار اپنے والد سے ایک کتاب کا ذکر کرتے ہیں اور اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب بتلاتے ہیں۔ ابن جریج (۱۵۰ھ) کہتے ہیں:۔

(۱) اخبرنی ابن طاؤس قال عند ابی کتاب عن النبی (صلی الله علیه وسلم) فیه وفی الید خمسون وفی الرجل خمسون[3]

ترجمہ۔ حضرت ابن طاؤس (ھ) نے مجھے خبر دی کہ میرے باپ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ایک کتاب تھی۔ اس میں تحریر تھا کہ ہاتھ اور پاؤں کی دیت پچاس اونٹ ہیں۔

(۲) اخبرنی ابن طاؤس قال عند ابی کتاب عن النبی (صلی الله علیه وسلم) فیه واذا قطع الذکر ففیه مئة ناقة قد انقطعت شهوته وذهب نسله[4]

ترجمہ۔ حضرت ابن طاؤس کہتے ہیں کہ میرے باپ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ ایک کتاب تھی جس میں لکھا تھا کہ کسی شخص کا آلۂ تناسل کاٹ دیا

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ صہ [2] رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی کما فی المشکوٰۃ صہ ۲۲۳ [3] المصنف جلد ۹ صہ ۳۸۳ [4] ایضاً صہ ۳۶۲

جائے تو اس میں سو اونٹ دیت لازم آئے گی۔ اس کا جوہر مردانہ جاتا رہا اور اُسکی نسل (کی راہ) بھی گئی۔

③ عند ابی کتاب فیہ ذکر من العقول جاء به الوحی الی النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) انه ما قضی به النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) من عقل او صدقة فانه جاء به الوحی[1]

ترجمہ: میرے باپ کے پاس ایک کتاب تھی جس میں خونبہا اور دیت کے مسائل تھے۔ یہ مسائل وحی کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلائے گئے تھے۔ حضورؐ نے خونبہا کی یا صدقہ کی جس بات کا بھی فیصلہ فرمایا وہ وحی خداوندی سے تھا۔

اسی روایت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی غیر متلو بھی اُترتی تھی وہاں یہ بات بھی موجود ہے کہ اس دور میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کسی نہ کسی درجے میں کتابی شکل لیئے ہوئے تھیں۔ ابن طاؤس ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:۔

④ عند ابی کتاب عن النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) فیه وفی الاصابع عشر عشر[2]

ترجمہ: میرے باپ کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک کتاب تھی جس میں لکھا تھا کہ انگلیوں کی دیت دس دس اُونٹ ہیں۔

ان روایات میں اس کتاب کا نام مذکور نہیں جو حضرت طاؤس بن کیسان کے پاس تھی اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی تھی لیکن محدث عبدالرزاق المصنف باب میں حضرت طاؤس کی روایت سے ایک کتاب کتاب معاذ بن جبلؓ کا ذکر کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طاؤسؒ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی کتاب ہوگی جو حضرت معاذؓ نے مرتب کی تھی۔ حضرت معاذؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت معتمد اور مقرب صحابی تھے اور اُن ستر صحابہؓ میں سے تھے جنہوں نے عقبہ ثانیہ میں حضورؐ کی بیعت کی تھی۔

---

[1] المصنف جلد ۹ صفحہ ۴۲۹ [2] ایضاً جلد ۱۰ صفحہ ۳۸۳

⑧ کتاب عبداللہ بن عمرؓ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پوتے عبدالحمید کے پاس اُن کے دادا کی ایک کتاب موجود تھی جس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے بعض واقعات کو قلمبند کر رکھا تھا۔ حضرت یحییٰ بن سعید انصاری (ھ) کہتے ہیں کہ عبدالحمید نے اس کتاب کی ایک نقل انہیں بھی دی تھی۔ اس کی ابتدائی عبارت یہ تھی:۔

ھٰذا ما کتب عبداللّٰہ بن عمرؓ۔۔۔۔۔ الخ[1]

ترجمہ۔ یہ وہ کتاب ہے جو عبداللہ بن عمرؓ نے لکھی تھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی کچھ تحریریں تیار کر چکے تھے۔ آپ کے شاگرد اور آزاد کردہ غلام حضرت نافعؒ کا حدیث لکھنے کا شوق اور عمل بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ سلیمان بن موسیٰ حضرت نافع کے بارے میں لکھتے ہیں۔ کہ وہ حدیثیں املا کرتے ہیں اور وہ ان کے سامنے لکھی جاتی تھیں[2]۔ حضرت سعید بن جبیر (۹۵ھ) بھی جب ان سے احادیث سُنتے تو لکھتے جاتے۔ آپ بیان کرتے ہیں:۔

کنت اسمع من ابن عمر و ابن عباس الحدیث باللیل فاکتب فی واسطۃ الرحل[3]۔

ترجمہ۔ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اور حضرت ابن عباسؓ سے رات کو حدیثیں لکھا کرتا تھا میں اسے پالان کے سہارے لکھ لیتا تھا۔

⑨ کتاب ابن عباسؓ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ھ) نے بھی حدیث کی ایک مقدار لکھ لی تھی۔ لوگ دُور دُور سے آکر ان روایات کی سند لیتے تھے۔ حضرت عکرمہ (ھ) کہتے ہیں کہ ایک دفعہ طائف سے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے۔ ان کے پاس آپ کی تحریرات میں سے ایک تحریر تھی۔ آپ نے انہیں کہا کہ یہ مجھے سناؤ۔ میرا ان کا اقرار کرنا اس طرح ہے گویا کہ میں نے تمہیں پڑھ کر

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۱۱۸ [2] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۰۵ [3] ایضاً

سنائیں۔ امام ترمذیؒ کتاب العلل میں لکھتے ہیں :۔

عن عکرمۃ ان نفراقدموا علی ابن عباس من اھل الطائف بکتاب من کتبہ فجعل یقرأ علیھم فیقدم و یؤخر فقال انی بلھت لھذہ المصیبۃ فاقروا علی فان اقراری بہ کقرأتی علیکم۔[1]

ترجمہ۔ حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ اہل الطائف سے کچھ لوگ حضرت عبداللہ کے پاس ان کی تحریروں میں سے ایک کتاب لائے۔ آپ نے اسے ان کے سامنے پڑھنا شروع کیا اور تقدیم و تاخیر فرمائی۔ آپ نے کہا کہ میں اس مصیبت سے پریشان ہو گیا ہوں۔ تم ہی اسے میرے سامنے پڑھو۔ میرا اس کا اقرار کرتے جانا اس طرح ہے کہ گویا میں نے ہی اسے تمہارے سامنے پڑھا۔

اس میں آپ نے تعلیم دی کہ تم میرے اقرار کی بنیاد پر بھی اسے میری طرف سے روایت کر سکتے ہو۔ ضروری نہیں کہ تم نے اس کا لفظ لفظ مجھ سے ہی سنا ہو۔

کتاب ابن عباسؓ کی شہادت صحیح مسلم شریف کی ایک روایت سے بھی ملتی ہے۔ امام مسلم نقل کرتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک کتاب لائی گئی جس میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے کچھ فیصلے Legal decisions درج تھے۔ آپ نے اس سے اپنی کتاب میں کچھ لکھا بھی اور بعض چیزوں کے بارے میں کہا کہ یہ حضرت علیؓ نے ہرگز نہ کہا ہوگا۔ صحیح مسلم میں ہے :۔

فدعا بقضاء علی فجعل یکتب منہ اشیاء و یمر بہ الشیٔ فیقول واللہ ما قضی بھذا علی الا ان یکون ضل۔[2]

ترجمہ۔ آپ نے حضرت علی کے فیصلے منگوائے ان میں سے بعض چیزوں کے نوٹ بھی لیے اور کئی باتیں آپ کے سامنے سے اس طرح بھی گزریں۔ کہ آپ کہتے گئے بخدا علیؓ نے یہ فیصلہ نہ کیا ہوگا۔ مگر یہ کہ کہیں بھٹک گئے ہوں۔

اس سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اپنی کتاب کے بارے میں بہت محتاط تھے۔ وہاں اس بات کی بھی شہادت ملتی ہے کہ اس دور میں ہی حضرت علیؓ کے نام سے

---

[1] ترمذی شریف کتاب العلل جلد ۲ صفحہ ۲۸۳۔ [2] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۰

افتراءات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ شیعہ حضرت علیؓ کے نام پر جو کچھ کہتے تھے وہ آپ کی تعلیمات نہ تھیں۔ سو علماء اہلسنت حضرت علیؓ کی انہی روایات پر اعتماد کرتے تھے۔ جو کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں سے منقول ہوں۔ کوفہ میں یہی ایک سند علم ایسی تھی جہاں حضرت علیؓ کی صحیح تعلیمات شیعی تقیہ سے محفوظ رہ سکی تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ ان پر تنقیدی نظر رکھتے تھے۔

(۱۰) کتاب سعد بن عبادہؓ

حضرت سعد بن عبادہؓ سرداران انصار میں سے تھے۔ قبل از اسلام بھی لکھنا جانتے تھے۔ حدیث کی مدوّن کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے حدیث کا کوئی مجموعہ ترتیب دے رکھا تھا۔ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن (۱۴۲ھ) کہتے ہیں کہ انہیں سعد بن عبادہؓ کے ایک لڑکے نے اپنے باپ سعدؓ (۱۵ھ) کی کتاب سے ایک حدیث سنائی۔ امام ترمذی لکھتے ہیں:-

قال ربیعۃ وأخبرنی ابن سعد بن عبادۃ قال وجدنا فی کتاب سعد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قضی بالیمین مع الشاھد۔[1]

ترجمہ۔ حضرت ربیعہ (۱۳۶ھ) کہتے ہیں مجھے سعد بن عبادہ کے بیٹے نے بتلایا کہ ہم نے حضرت سعد کی (جمع کردہ) کتاب میں یہ حدیث پائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم پر ایک گواہ کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔

حدیث کی یہ وہ تحریریں اور دستاویزات ہیں جو بیشتر عہد نبوی میں ہی قلمبند ہو چکی تھیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان کاتبین حدیث میں آپ کو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (۵۸ھ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (۵۷ھ) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۹۱ھ) کا نام نہ ملے گا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے ہاں حدیثوں کو زبانی یاد رکھنا اور آگے روایت کرنا زیادہ اہم سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مرویات کو ان کے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر[2] (۹۴ھ) نے حضرت ابوہریرہؓ

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۶۰ [2] حضرت عروہ بن الزبیر نے یہاں تک مرویات ام المؤمنین جمع کر لی تھیں کہ برملا فرمایا کرتے تھے میں حضرت عائشہ صدیقہ کی وفات سے چار پانچ سال پہلے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کی مرویات کو ان کے شاگرد ہمام بن منبہ[1] (۱۰۱ھ) اور بشیر بن نہیک[2] (۹۹ھ) اور حضرت انس رض کی مرویات کو ان کے شاگرد حضرت ابان بن عثمان (۱۰۵ھ) نے استاد کے سامنے قلمبند کرنا شروع کر دیا تھا۔ تو پھر یہ موضوع اور بھی بہت واضح ہو جاتا ہے۔ خود حضرت انس کے پاس بھی حدیث کی کئی بیاضیں موجود تھیں، جن کی شہادت سعید بن ہلال کے بیان میں بہت واضح طور پر ملتی ہے۔[3]

(بقیہ حاشیہ) اس گمان پر آچکا تھا کہ اگر آج ان کا انتقال ہو جائے مجھے اس بات پر پشیمانی نہ ہوئی کہ میں نے ان کی روایت کردہ کوئی حدیث محفوظ نہ کی ہو۔ حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن (۱۰۵ھ) حضرت ام المومنین کی بھتیجی تھیں اور قاسم بن محمد (۱۰۷ھ) بھی حضرت کے بھتیجے تھے۔ یہ دونوں بھی حضرت ام المومنین کے علوم کے وارث تھے۔ مشہور محدث سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ کی روایات کا سب سے زیادہ علم عروہ، عمرہ اور قاسم کے پاس تھا۔ تہذیب التہذیب جلد ۷ صـ۱۸۲ جلد ۸ صـ۲۳۴ عروہ تو حضرت ام المومنین کی زندگی میں ہی ان کی احادیث لکھ چکے تھے۔ گر یہ مجموعہ ان سے ضائع ہو گیا تھا۔ مگر حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی روایت کردہ احادیث حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے پورے اہتمام سے لکھ لی گئیں۔ آپ نے حضرت عمرہ کے بھانجے ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ حضرت عمرہ کی احادیث قلمبند کریں۔ تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صـ۴۳۹۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت قاسم بن محمد کی مروی احادیث بھی ساتھ ہی جمع کی گئی تھیں۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] ہمام بن منبہ کے اس مجموعہ کا نام الصحیفۃ الصحیحہ تھا۔ حضرت ابوہریرۃ رض نے انہیں یہ حدیثیں خود قلمبند کرائی تھیں۔ یہ صحیفہ اب صحیفۂ ہمام بن منبہ کے نام سے بے مثال مقدمے کے ساتھ حال میں چھپ چکا ہے۔ یہ کتاب اس وقت حدیث کی قدیم ترین کتاب ہے جو مل سکتی ہے۔ [2] آپ نے بھی حضرت ابوہریرہ رض کی روایت کردہ احادیث بڑے اہتمام سے جمع کی تھیں۔ آپ کہتے ہیں:

فلما اردت ان افارقه اتیته بکتابه فقرأت علیه۔

ترجمہ: میں نے جب حضرت ابوہریرۃ رض سے الوداع ہونا چاہا تو آپ کے پاس حاضر ہوا اور تمام روایات آپ کو پڑھ کر سنائیں۔ آپ نے ان کی تصدیق فرمائی۔

دیکھئے سنن دارمی جلد ۱ صـ۱۰۵ جامع بیان العلم جلد ۱ صـ۷۲ طبقات ابن سعد جلد ۷ صـ۲۲۳

[3] دیکھئے مستدرک حاکم جلد ـــ صـ ـــ معرفۃ الصحابہ جلد ۳ صـ۵۷۴

کہ حدیث کی تدوین اس پہلے دور میں ہی شروع ہو چکی تھی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دو ہزار دو سو دس حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ۲۲۸ صحیح بخاری میں اور ۲۴۲ صحیح مسلم میں منقول ہیں۔ ان میں سے ۱۷۴ پر دونوں امام متفق ہیں۔ باقی مرویات دیگر حدیثی ذخائر میں ملتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے پانچ ہزار تین سو چوہتر حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے صحیح بخاری میں ۴۴۸ اور صحیح مسلم میں ۵۴۵ منقول ہیں۔ ۳۲۵ پر دونوں امام متفق ہیں اور باقی روایات دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ جن کی زیارت کا شرف امام ابو حنیفہؒ نے بھی پایا۔ ان سے دو ہزار دو سو چھیاسٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ۱۵۰ صحیح بخاری میں اور ۲۵۹ صحیح مسلم میں مروی ہیں۔ ان میں سے ۱۶۸ پر دونوں امام متفق ہیں۔ اُن کی باقی احادیث دیگر کتابوں میں منقول ہیں۔ ان جہابذہ علم صحابہ کرامؓ کے سامنے اُن کے شاگردوں (تابعین کرامؒ) نے حدیث لکھنی شروع کر دی تھی۔ صحابہؓ کی اپنی تحریرات کے بعد تدوین حدیث کا یہ دوسرا دور تھا۔ ایک ایک حدیث کے لیے یہ حضرات دور دراز کے سفر کرتے تھے اور اس تمام محنت کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں عبادت سمجھا جاتا رہا۔ حضرت ابو الدرداءؓ شام کی ایک مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا:

یا ابا الدرداء انی جئتك من مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم لحدیث بلغنی انك تحدثہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما جئت لحاجۃ[1]

ترجمہ: میں مدینہ منورہ سے آپ کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سننے کے لیے حاضر ہوا۔ مجھے پتہ چلا تھا کہ وہ حدیث آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی۔ میں یہاں کسی اور کام کے لیے حاضر نہیں ہوتا۔

حضورؐ کے زمانے میں روایت حدیث اور تدوین حدیث کی یہ کوششیں صرف اسی ماحول میں جاری تھیں، جہاں قرآن میں غیر قرآن کے التباس کا اندیشہ نہ تھا اور وہ بھی زیادہ تر اسی لیے کہ یہ حضرات ان روایتوں کو بھول نہ جائیں۔ ورنہ جو حضرات اپنی قوتِ حافظہ پر زیادہ اعتماد رکھتے تھے۔ اُن کے ہاں مدتوں زبانی نقل و روایت اور بار بار کے مذاکراتِ حدیثی سے رہی

---

[1] رواہ احمد والدارمی والترمذی وابو داؤد وابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۴

اس متاع علمی کا پہرہ دیا جاتا رہا۔[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انس بن مالکؓ اور امیر معاویہؓ وغیرہم نے بھی احادیث کے مجموعے تیار کیے۔ حضرت براء بن عازبؓ (۷۲ھ) حضرت زید بن ثابتؓ (۴۵ھ) اور حضرت امیر معاویہؓ کے ذوق حدیث اور ان کی مرویات کے قلمبند کیے جانے سے کون آشنا نہیں۔ عبداللہ بن حنش کہتے ہیں میں نے حضرت براء کے پاس لوگوں کو تختیاں ہاتھ میں لیے (حدیثیں) لکھتے پایا۔[2] حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے ایک حدیث سُنی تو اُسے فوراً لکھوا لیا۔[3] حضرت زید بن ثابتؓ گو حدیث لکھنے کے خلاف تھے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ آپ کی مرویات بھی (گو آپ کی مرضی سے نہیں) قلمبند کی جاتی رہیں۔[4] اور انہیں اکابر تابعین نے آگے روایت کیا تو اس وقت اس بات کا قطعاً کوئی مظنہ باقی نہ رہا تھا۔ کہ قرآن کریم غیر قرآن سے مختلط ہو جائے۔ اس لیئے یہ حضرات اس دور میں بڑے اہتمام اور بڑی ہمت سے احادیث قلمبند کرتے رہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس سلسلہ میں خاص محنت فرمائی تھی۔

تابعین میں تدوین حدیث کی کوشش

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۱۰۱ھ) نے اپنے دور خلافت میں بعض ائمہ علم کو جو حدیث کی نقل و روایت میں زیادہ معروف تھے اسی طرف توجہ دلائی تھی۔ کہ وہ احادیث تحریری طور پر جمع کریں۔ صحیح بخاری میں:-

(۱) کتب عمر بن عبد العزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماء ولا تقبل الا حدیث النبیؐ ولیفشوا العلم ولتجلسوا حتی یعلم من لا یعلم فان العلم لا یھلک حتی یکون سرًا۔[5]

ترجمہ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

---

[1] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۰۳ جامع بیان العلم جلد ۱ صفحہ ۷۲ [2] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۲۳ [3] مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۱۸۲ [4] دیکھئے سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۰۲
[5] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۰

وسلم کی احادیث پر نظر رکھیں اور انہیں لکھ لیں۔ کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے اٹھ جانے کا ڈر ہے اور حضورؐ کی حدیث کے سوا اور کسی روایت کو قبول نہ کرنا اور چاہیے کہ تم علم پھیلاؤ اور بیٹھو یہاں تک کہ نہ جاننے والا جان لے اس لیئے کہ علم برباد نہیں ہوتا جب تک کہ اسے مخفی نہ رکھا جائے۔

علامہ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں کہ ابو بکر حزمی نے اس حکم کی تعمیل میں مجموعہ حدیث ترتیب دے لیا تھا۔ ابھی وہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا نہ تھا کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے امام زہری کو بھی اس طرح کا ایک حکم دیا تھا اور ان سے احادیث لکھائی تھیں۔ آپ کے احکام پورے عالم اسلام میں پہنچے کہ جہاں جہاں احادیث ہوں انہیں جمع کر لیا جائے۔ جو مجموعے حدیث دار الخلافہ (دمشق) میں جمع ہوئے۔ آپ نے ان کی نقلیں تمام علاقوں میں پھیلا دیں۔

(۲) حضرت ہمام بن منبہؒ (۱۰۱ھ) بھی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے ہمعصر تھے۔ آپ نے اپنے استاد حضرت ابو ہریرہؓ (۵۸ھ) سے جو مجموعہ حدیث حاصل کیا وہ آپ نے اپنے شاگرد معمر بن راشدؒ کے سامنے پورا روایت کیا اور پھر ان کے سپرد بھی کر دیا۔ ان سے یہ ان کے شاگرد عبد الرحمٰن بن ہمام بن نافع کو ملا۔ ان سے لے کر حضرت امام احمد بن حنبل نے اسے اپنی مسند میں جگہ دی۔ اس صحیفہ ہمام بن منبہ کے دو قلمی نسخے برلن اور دمشق کے کتب خانوں میں ملے ہیں۔ جو اس کی مسند امام احمد میں مروی روایات سے لفظ بلفظ ملتے ہیں۔ پیرس یونیورسٹی کے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس صحیفہ ہمام بن منبہ پر بہت مفید تحقیقی کام کیا ہے۔

(۳) علامہ ابن شہاب الزہریؒ (۱۲۴ھ) نے بھی حضرت عمرؓ کے حکم سے ہی حدیث لکھنی شروع کی تھی۔ حضرت صالح بن کیسانؒ (۱۴۰ھ) بھی حدیث لکھنے میں آپ کے ساتھ تھے۔ فرمایا:

اجتمعت انا وابن شهاب ونحن نطلب العلم فاجتمعنا ان نكتب السنن فكتبنا كل شئ سمعناه عن النبي صلى الله عليه وسلم ثم كتبنا ايضاً ما جاء عن اصحابه فقلت لا ليس بسنة وقال هو بل هو سنة فكتب ولم اكتب فانجح وضعيت۔

ترجمہ: میں اور زہری اکٹھے تھے، ہم احادیث کی تلاش کرتے رہتے اور ہمارا اتفاق ہوا کہ ہم سنن لکھیں سو ہم نے ہر چیز جو حضورؐ کے حوالے سے تھی لکھ ڈالی پھر ہم نے صحابہ کی روایات لکھنے کا ارادہ کیا، میں نے کہا میں نہیں لکھتا یہ سنت نہیں ہیں۔ زہری نے کہا یہ بھی سنت ہیں، سو انہوں نے لکھیں میں نے نہ لکھیں وہ کامیاب ہوئے اور میں ضائع گیا۔[1]

(۴) مجموعہ امام شعبیؒ (۱۰۳ھ) علامہ شعبی نے تیار کیا تھا۔ آپ نے اس کی تبویب بھی فرمائی۔ حدیث کی پہلی کتاب ہے۔ جو ابواب میں مرتب ہوئی۔ اس تالیف کا ذکر خطیب بغدادی نے الکفایہ میں اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بھی کیا ہے۔

محدثین از اکابر تابعین

حضرات تابعین میں حضرت حسن بصریؒ (۱۱۰ھ)، حضرت مکحولؒ (۱۱۰ھ)، حضرت سالمؒ (۱۰۶ھ) عطاء بن رباحؒ (۱۱۵ھ)، سعید بن المسیبؒ (۹۳ھ)، سعید بن جبیرؒ (۹۵ھ)، قیس بن ابی حازمؒ (۹۸ھ) اور ہشام بن عروہؒ (۱۴۶ھ)، جیسے کئی ائمہ اکابر ہیں۔ جنہوں نے اس موضوع پر باہمت قدم اٹھایا اور بہت مخلصانہ محنت کی۔ یہ صحیح ہے کہ تدوین حدیث کا باقاعدہ کام تابعین کے آخری دور میں شروع ہوا، لیکن تاریخ تابعین کرام کی ان حدیثی محنتوں کو خراج تحسین ادا کیے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی۔

دوسری صدی ہجری میں حدیثی خدمات

تابعین کرام کے بعد یہ سعادت تبع تابعین کے ممتاز اہل علم کو ملی اور ان کی محنتوں سے حدیث مستقل کتابوں میں جمع ہونے لگی، جو ائمہ علم اس باب میں گوئے سبقت لے گئے، ان میں موسیٰ بن عقبہ (۱۴۱ھ) صاحب مغازی ابن جریج رومی (۱۵۰ھ) مکہ مکرمہ میں معمر بن راشد (۱۵۴ھ) یمن میں امام اوزاعی (۱۵۷ھ) شام میں سعید بن عروبہ (۱۵۶ھ) مدینہ میں ابن ابی ذئب (۱۵۹ھ)

---

[1] المصنف لعبدالرزاق جلد ۱۱ ص ۲۵۸ شرح السنۃ للبغوی جلد ۱ ص

میں ربیع بن صبیح (۱۶۰ھ) اور حماد بن سلمہ (۱۶۷ھ) مدینہ میں امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کوفہ میں سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) اور امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) اور امام محمدؒ (۱۸۹ھ) ہشیم بن بشیرؒ (۱۸۳ھ) اور امام عبداللہ بن مبارکؒ (۱۸۱ھ) معتمر بن سلیمانؒ (۱۸۷ھ) صاحب مغازی جریر بن عبدالحمید رازیؒ (۱۸۸ھ) امام وکیع بن الجراحؒ (۱۹۶ھ) اور سفیان بن عیینہؒ (۱۹۸ھ) بہت معروف اور ممتاز ہیں۔

یہ سب حضرات تقریباً ایک زمانے کے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حدیث کی باقاعدہ کتاب لکھنے میں ان میں سے کون بزرگ اولیت کا شرف رکھتے ہیں۔ ان میں سے تین نام سرفہرست ہیں۔ ابن جریجؒ (۱۵۰ھ) کی کتاب الآثار، معمر بن راشدؒ (۱۵۳ھ) کی الجامع اور امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کی کتاب موطا مالک۔ مولانا عبدالحی لکھنوی کی رائے ہے کہ حدیث کی سب سے پہلی باقاعدہ کتاب، کتاب الآثار ہے۔ جامع معمر کا ایک نسخہ انقرہ میں اور ایک استانبول میں مخطوطات میں موجود ہے۔ معمر حضرت ہمام بن منبہ کے شاگرد تھے۔ ان کی تالیف صحیفہ ہمام بن منبہ اس وقت شائع شدہ ہے اور حدیث کی جو کتابیں اس وقت ملتی ہیں ان میں اول ترین ہے۔ اس کے بعد حدیث کی جو کتابیں ملتی ہیں ان میں سے موطا امام مالک حدیث کی پہلی کتاب ہے۔ اس سے پہلے کی جو تحریرات حدیث اب شائع ہو رہی ہیں۔ وہ درحقیقت مخصوص دستاویزات یا کسی شیخ کی مرویات یا بعض جزئی احکام کی تحریری یادداشتیں ہیں۔ حدیث کی باقاعدہ کتابی صورت موطا امام مالک سے ہی شروع ہوتی ہے۔ ان کے بعد یہ شرف امام ابو یوسف اور امام محمد کو حاصل ہے۔ جنہوں نے کتاب الآثار کو ابواب فقہیہ پر مرتب کیا۔ اس میں مخالف و موافق ہر طرح کی حدیثیں جمع کیں اور تحقیق و اجتہاد میں نئے ابواب کا اضافہ کیا۔ قاضی ابو یوسفؒ منصف فی الحدیث کہے جاتے ہیں۔ امام محمد کی کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ اور موطا امام محمد بھی اس دور کی یادگار کتابیں ہیں۔

اس دور کے بعد پھر دورِ مسانید آتا ہے۔ جس میں صحابہ کے نام پر ان کی مرویات جمع کی گئیں۔ حدیث کی ان کتابوں کو مسند کہتے ہیں۔ مسند ابی داؤد طیالسیؒ (۲۰۴ھ)، مسند امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) مسند اسد بن موسے الاموی ؒ (۲۱۲ھ) مسند عبداللہ بن موسیٰؒ (۲۱۳ھ) نعیم بن حماد الخزاعیؒ (۲۲۸ھ) اسحٰق بن راہویہؒ (۲۳۸ھ) عثمان ابن ابی شیبہؒ (۲۳۹ھ) اور امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) سرفہرست ہیں۔

تدوین حدیث کی فنی صورت

اس دور کے بعد پھر ان ائمہ حدیث کا دور آتا ہے جو اس فن کے آفتاب و ماہتاب تھے یعنی حضرت امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) حضرت امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) اور ان کے تلامذہ میں حضرت امام ابوداودؒ (۲۷۵ھ) امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) ابن ماجہؒ (۲۷۳ھ) جن کی چھ کتابیں صحاح ستہ کہلاتی ہیں اور ان کی ترتیب و تدوین پر فن حدیث اپنے نصف النہار کو پہنچ گیا تھا۔ ان کتابوں کی خصوصیات پر کبھی کتب حدیث کے عنوان سے آئندہ کبھی گفتگو ہوگی۔ ان جبال علم کے دیگر ہمعصر محدثین جو اپنی ترتیب و تدوین میں خود صاحب طرز ہے اور کسی وجہ سے ان کی کتابیں اس مرکزی درجہ میں نہ آسکیں۔ تاہم ان کی دقت نظر اور افادیت بھی اپنی جگہ مسلم رہی۔ ان میں دارمیؒ (۲۵۵ھ) ذہلیؒ (۲۵۸ھ) مرزیؒ (۲۹۴ھ) ابو یعلی موصلیؒ (۳۰۷ھ) ابن جارودؒ (۳۰۷ھ) ابن جریر طبریؒ (۳۱۰ھ) علامہ ابوجعفر طحاویؒ (۳۲۱ھ) ابن خزیمہؒ (۳۱۱ھ) ابوعوانہؒ (۳۱۶ھ) بہت معروف ہیں۔

تدوین حدیث کا چوتھا دور

تدوین حدیث کا چوتھا دور پانچویں صدی ہجری پر ختم ہو جاتا ہے۔ تدوین حدیث کے پہلے دور کے آثار بعد کی تالیفات میں جابجا ملتے ہیں۔ دوسرے دور کی تمام کتابوں کا مواد تیسرے دور کی کتابوں میں مل جاتا ہے اور پھر ان تمام ادوار کا سرمایہ آج اس فن کے متون و شروح کے لاکھوں صفحات میں پھیلا ہوا ہمارے سامنے ہے۔ چوتھے دور کے نامور محدثین میں ابن ابی العوامؒ (۳۳۵ھ) ابو محمد الحارثیؒ (۳۴۰ھ) ابن حبانؒ (۳۵۴ھ) طبرانیؒ (۳۶۰ھ) ابو محمد حسن بن محمد الرامہرمزیؒ (۳۶۰ھ) ابن عدیؒ (۳۶۵ھ) ابن شاہینؒ (۳۸۰ھ) ابن حزمؒ (۴۵۶ھ) حاکمؒ (۴۰۵ھ) ابو نعیم اصفہانیؒ (۴۳۰ھ) البیہقیؒ (۴۵۸ھ) خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) کی خدمات علم حدیث کا نہایت اہم باب ہیں۔

تدوین حدیث کا پانچواں دور

پانچویں صدی کے نصف آخر سے لے کر ساتویں صدی تک محدثین کا پانچواں دور ہے۔ اس کے بعد یہ فنی کارشیں ختم ہو جاتی ہیں اور اُن کے بعد اسماء رجال، تخریجات اور شروح حدیث کے سوا خدمت حدیث کا کوئی میدان باقی نہیں رہ جاتا۔ پانچویں دور کے محدثین میں کچھ سند بھی چلتی رہی اور کچھ تخریجات چلتی رہیں۔ اس دور کے معروف محدثین میں بغویؒ (۵۱۶ھ) قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ) ابن عساکرؒ (۵۷۱ھ) قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ) حافظ عبدالغنی المقدسیؒ (۶۰۰ھ) ابن صلاحؒ (۶۴۳ھ) ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) امام نوویؒ (۶۷۶ھ) امام ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) سر فہرست ہیں۔

قواعدِ حدیث کے عنوان پر اگر گفتگو کا موقع ملا تو بتلایا جائے گا چوتھے دور کی کتابوں کی مرویات کو لینے اور ان کے صحیح و سقیم کو پرکھنے میں علماء کا کیا طریقہ رہا ہے۔ یہ آج کا موضوع نہیں۔ آج صرف یہ کہنا ہے کہ تدوین حدیث کی کوششیں کن کن مراحل سے گزریں۔ ان جملہ مراحل پر مجموعی نظر کرتے ہوئے یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ کسی علم کے منضبط کرنے کے جو جو طریقے انسانی فکر و عمل میں ممکن ہو سکتے تھے۔ وہ سب کے سب اس موضوع میں کار فرما رہے ہیں اور آج یہ بات معلوم کرنے کے لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی قرآن کریم کی تشریح میں سنت قائمہ کی تکمیل اور دین کی عملی تشکیل میں تعلیمات کیا کیا تھیں۔ اُمت کے پاس ہر دور میں نہایت قابلِ اعتماد ذخیرہ احادیث کی صُورت میں موجود رہی ہیں اور آج بھی بفضلہ تعالیٰ یہ قابلِ اعتماد علمی ذخیرہ ہمارے پاس پُوری حفاظت سے موجُود ہے۔

تدوین حدیث کا سُنہرا دور GOLDEN AGE

تدوین حدیث کے یہ پانچ ادوار آپ کے سامنے ہیں۔ ان میں تیسرا دور تاریخ تدوین کا سنہرا دور تھا۔ جامعیت اسی دور کو حاصل ہے اور اسی دور کی کتابیں اس لائق ہیں کہ ان پر فنی اور درسی محنت کی جائے ان دنوں جہاں جہاں دورۂ حدیث ہو رہا ہے وہاں زیادہ کاوش اس تیسرے دور کی کتابوں پر ہی ہوتی ہے اور شروح بھی زیادہ تر اسی دور کی کتب مدونہ پر لکھی گئی ہیں اور اللہ کی کتاب کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب اسی دور کی تسلیم کی گئی ہے۔

تدوین حدیث کے مختلف مراحل کا بیان ختم ہوا۔

حدیث لکھنے کی ممانعت — پہلے دور میں

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث لکھنے کی اجازت مانگی آپ نے ہمیں اس کی اجازت نہ دی امام ترمذی اس پر کراھیۃ کتابۃ العلم کا باب باندھا ہے اور ظاہر ہے کہ علم ان دنوں حدیث کو ہی کہتے تھے امام ترمذی اس کے بعد یہ باب لائے ہیں باب فی الرخصۃ فیہ (لکھنے کی اجازت کے بیان میں)

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ممانعت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا منشاء رسالت یہ تھا کہ لوگ آپ کی باتوں کو عمل میں اتاریں اور اس طرح سنت کا تحفظ ہو لوگ اگر اسے لکھنے لگیں گے تو یہ صرف ایک یاد رہ جائے گی علم اعمال میں نہیں اسفار میں آجائے گا پھر آپ نے جب دیکھا کہ صحابہ آپ کی ایک ایک ادا کو عملاً یاد رکھے ہوئے ہیں تو آپ نے توثیق مزید کے لیے لکھنے کی اجازت بھی دے دی۔

یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ نزول قرآن کے زمانے میں دوسری دستاویزات ساتھ نہ رہنے پائیں تاکہ کلام قدیم اور کلام حدیث میں کہیں خلط واقع نہ ہو آمیزش نہ ہونے پائے حفاظت قرآن کا تقاضا تھا کہ قرآن کے ساتھ اور کوئی چیز لکھنے میں نہ آئے جب یہ اندیشہ جاتا رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے کی اجازت دے دی

اور اگر اس ممانعت کا مطلب یہ لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حدیث سرے سے حجت نہ تھی اور آپ امت کو صرف قرآن کے گھاٹ اتارنا چاہتے تھے تو یہ مطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے صریحاً خلاف ہوگا جن میں آپ نے فرمایا

لا الفین احدکم متکئاً علی اریکتہ یاتیہ امر مما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدناہ فی کتاب اللہ اتبعناہ (رواہ الترمذی)

اور یہ خیال ان روایات کے بھی صریح خلاف ہوگا جن میں آپ نے صحابہ سے کہا کہ مجھ سے جو چیز بھی سنو اسے آگے پہنچا دیا کرو۔ اور جس نے مجھ پر کوئی جھوٹ باندھا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ جب وہ اندیشے اٹھ گئے جن کے پیش نظر آپ نے حدیث لکھنے کی ممانعت کی تھی تو صحابہ و تابعین عمل تدوین میں شکل آئے۔

رجال الحدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد:۔

آج ان مردانِ باوفا کا تذکرہ ہے۔ جن کی وجہ سے حدیث پہلوں سے پچھلوں تک پہنچی۔ ان میں ائمہ حدیث بھی شامل ہیں اور عام رواۃِ حدیث بھی ——— جہاں تک نقل وروایت کا تعلق ہے۔ اس میں سبھی اہلِ خیر ـــ عامی ہوں یا خاصی، امام ہوں یا سامع اپنی اپنی بساط کے مطابق آگے بڑھے۔ ائمہ حدیث کا ذکر امامت فن کے اعتبار سے آئندہ کسی مجلس میں کریں گے۔ آج اُن رجالِ حدیث کا تذکرہ ہے جن کی وجہ سے علمی دنیا ایک نئے فن سے آشنا ہوئی ——— یہ فن علم اسماء الرجال کہلایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سب صحابہ کو رجال الحدیث بنایا ہے۔ آپ انہیں ارشاد فرما چکے تھے۔ بلغوا عنی ولو آیۃ۔[1] "تم مجھ سے باتیں آگے پہنچاتے رہو گو ایک ہی بات کیوں نہ ہو۔" اس ارشادِ رسالت سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) حضورؐ کی نظر میں ہر ایک صحابی نقل روایت کا اہل تھا۔ صادق اور امین تھا۔

(۲) ہر ہر صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث آگے پہنچانے کا ذمہ دار تھا۔

تاہم جو صحابہؓ اس محنت میں آگے نکل گئے وہ دورِ اوّل کے رجال الحدیث کہلائیں گے۔

صفِ اوّل کے رجال الحدیث

یُوں تو سب صحابہ کرامؓ رجال الحدیث ہیں لیکن یہ آٹھ حضرات ان میں سرفہرست ہیں۔ ان کی روایات سب سے زیادہ ہیں۔

---

[1] مشکوٰۃ صلا۳ من البخاری ومسلم

①	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	(۳۲ھ)	آپ سے تقریباً ۸۴۸	احادیث مروی ہیں۔
②	اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ	(۵۸ھ)	〃 〃 ۲۲۱۰	〃 〃
③	حضرت ابوہریرہؓ	(۵۹ھ)	〃 〃 ۵۳۷۴	〃 〃
④	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	(۶۸ھ)	〃 〃 ۱۶۶۰	〃 〃
⑤	حضرت عبداللہ بن عمروؓ	(۶۳ھ)	〃 〃 ۲۶۳۰	〃 〃
⑥	حضرت ابوسعید خدریؓ	(۷۴ھ)	〃 〃 ۱۱۷۰	〃 〃
⑦	حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ	(۷۸ھ)	〃 〃 ۱۵۴۰	〃 〃
⑧	حضرت انس بن مالکؓ	(۹۳ھ)	〃 〃 ۲۲۳۶	〃 〃

ان کے بعد جن صحابہؓ سے زیادہ روایات ہیں، اُن میں حضرت ابوالدرداء (۳۲ھ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۳ھ) سمرہ بن جندبؓ (۵۹ھ) عبادہ بن صامتؓ (۳۴ھ) عبدالرحمٰن بن عوفؓ (۳۲ھ) معاذ بن جبلؓ (۱۸ھ) ابوموسیٰ اشعریؓ (۵۲ھ) حضرت علیؓ (۴۰ھ) حضرت امیر معاویہؓ (۶۰ھ) حضرت ابوذر غفاریؓ (۳۲ھ) اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ (۳۵ھ) سرِفہرست ہیں۔

علمی حیثیت سے جو صحابہؓ اس دور میں زیادہ ممتاز رہے۔ وہ مشہور فقیہ تابعی حضرت مکحولؒ (۱۰۱ھ) کے بیان کے مطابق یہ حضرات تھے۔

عن مسروق قال شاممت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوجدت علمهم انتهی الی ستة عمر وعلی وعبداللہ ومعاذ وابی الدرداء وزید بن ثابت[1]۔

ترجمہ: میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کا بہت قریب سے مطالعہ کیا ہے میں نے ان کا علم چھ افراد میں منتہی ہوتے پایا، عمرؓ، علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، معاذؓ، ابوالدرداءؓ، اور زید بن ثابتؓ ہیں۔

دورِ ثانی کے رجال الحدیث

تابعین کرام میں جو حضرات اس میدان میں زیادہ پیش پیش رہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے

---

[1] تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی جلد ۱ صفحہ ۲۴۷

ایک بیان میں اُن کا ذکر مختلف شہروں کے اعتبار سے اس طرح ملتا ہے۔ یہ بحث امام شافعی رح نے خبر واحد کی حجیت کے ذیل میں لکھی ہے :۔

میں نے مدینہ منورہ و مکہ، یمن و شام و کوفہ کے حضرات ذیل کو دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کرتے تھے اور صرف اس ایک صحابی کی حدیث سے ایک سنت ثابت ہو جاتی تھی۔ اہل مدینہ کے چند نام یہ ہیں۔ محمد بن جبیرؒ، نافع بن جبیرؒ، یزید بن طلحہؒ، نافع بن عجیرؒ، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ، حمید بن عبدالرحمٰنؒ خارجہ بن زیدؒ، عبدالرحمٰن بن کعبؒ، عبداللہ بن ابی قتادہؒ، سلیمان بن یسارؒ، عطاء بن یسارؒ وغیرہم اور اہل مکہ کے چند اسماء حسب ذیل ہیں۔ عطاء، طاؤس مجاہد ابن ابی ملیکہ، عکرمہ بن خالد، عبیداللہ بن ابی یزید، عبداللہ بن باباہ، ابن ابی عمار، محمد بن المنکدر وغیرہم اور اسی طرح یمن میں وہب بن منبہ اور شام میں مکحول اور بصرہ میں عبدالرحمٰن بن غنم، حسن اور محمد بن سیرین، کوفہ میں اسود، علقمہ اور شعبی۔

غرض تمام بلادِ اسلامیہ اسی پر تھے۔ کہ خبر واحد حجت ہے۔ اگر بالفرض کسی خاص مسئلہ کے متعلق کسی کے لئے یہ کہنا جائز ہوتا کہ اس پر مسلمانوں کا ہمیشہ اجماع رہا ہے۔ تو خبر واحد کی حجیت کے متعلق بھی میں یہ لفظ کہہ دیتا۔ مگر احتیاط کے خلاف سمجھ کر اتنا پھر بھی کہتا ہوں کہ میرے علم میں فقہاء مسلمین میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔[1]

ان کے علاوہ بھی اس دور کی عظیم تعداد ہے جن سے ہزاروں روایات آگے چلیں۔ یہ سب حضرات رجال الحدیث تھے۔ جن کی سندیں آگے چلیں۔ جہاں تک فقہ حدیث اور علم کا تعلق ہے علامہ شعبی (۱۰۴ھ) فرماتے ہیں۔ کہ صحابہ کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں سے زیادہ دین کی سمجھ رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ حضرت ابوزرعۃ الدمشقی لکھتے ہیں :۔

سمعت الشعبی یقول لم یکن قوم بعد اصحاب محمد افقہ من اصحاب عبداللہ بن مسعودؓ[2]

---

[1] ترجمان السنۃ جلد اول صلا۱۷ [2] تاریخ ابی زرعۃ جلد ا صفحہ۲۰۷ کان اصحاب عبداللہ یقرءون ویفتون علقمۃ والاسود ومسروق وعبیدۃ والحارث بن قیس وعمرو بن شرجیل صفحہ۲۵۹

ترجمہ میں نے علامہ شعبی کو کہتے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بعد کوئی طبقہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب سے زیادہ فقیہہ نہیں تھا۔

امام ابوحنیفہؒ اس دور کے اکابر مجتہدین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

فاذا انتھی الامر وجاء الامرالی ابراھیم والشعبی وابن سیرین والحسن وعطاو سعید بن المسیب وعدد رجالا فقوم اجتھدوا فاجتھد کما اجتھدوا[1]

ترجمہ جب معاملہ ابراہیم نخعی، علامہ شعبی، امام محمد بن سیرین، حسن بصری، حضرت عطاء بن ابی رباح اور، حضرت سعید بن المسیب تک پہنچے اور آپ نے کئی اور بھی نام لیے۔ تو یہ وہ لوگ تھے جو مجتہد تھے سو میں بھی اجتہاد سے کام لیتا ہوں جیسا کہ یہ اجتہاد سے کام لیتے تھے۔

یہ حضرات اپنے دور کے ائمہ علم تھے۔ رجال الحدیث ان کے علاوہ ہزاروں وہ لوگ بھی تھے جو مجتہدین کے درجہ کے نہ تھے لیکن رواۃ حدیث میں خاصے معروف تھے یہاں تک کہ آگے تبع تابعین میں ہزاروں رجال حدیث میدان علم میں آگئے۔ یہی تین طبقے تھے جن کے اہل ہونے کی خود لسان شریعت نے خبر دی تھی۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ ان خیر القرون کے بعد رجال حدیث محض زبانوں پر نہ رہے۔ کتابوں میں آنے لگے اور حدیث کی کتابیں متون احادیث اور اُن کی اسانید کے ساتھ مرتب ہونے لگیں۔

اس دور میں صداقت و ثقاہت غالب تھی اور رجال الحدیث کی باضابطہ جانچ پڑتال کی چنداں ضرورت نہ پڑتی تھی۔ لیکن جب فتنے پھیلنے شروع ہوئے اور بدعات کا شیوع ہوا۔ تو اسانید پر باقاعدہ نظر کی ضرورت سمجھی گئی۔ یہاں تک کہ آگے چل کر اسماء الرجال کا علم ایک مستقل فن کی شکل اختیار کر گیا۔

اسماء الرجال کا امتیاز

یہ وہ علم ہے جس کے موجد خالصۃً مسلمان ہیں اور دوسری کوئی قوم اپنے مذہبی علمی حلقوں میں اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر سپینگر الاصابہ فی احوال الصحابہ کے ۱۸۸۶ء کے

---

[1] تاریخ یحییٰ بن معین جلد ۱ صفحہ ۶۰۸ طبع ۱۳۹۹ھ مکہ۔

ایڈیشن کے دیباچہ میں لکھتا ہے :۔

"کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری اور نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت پانچ لاکھ مسلمانوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔"

علم اسماء الرجال کی ضرورت

مولانا عبدالقیوم جونپوری اس فن کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔ یہ تحقیق کی جائے کہ جو حضرات سلسلہ روایت میں ہیں وہ کون لوگ تھے، کیسے تھے، ان کے مشاغل کیا تھے، ان کا چال چلن کیسا تھا، سمجھ بوجھ کیسی تھی، سلیم الذہن تھے یا نکتہ رس، عالم تھے یا جاہل، کس تخیل اور کس مشرب کے تھے، سن پیدائش اور سن وفات کیا تھا، شیوخ کون تھے، تاکہ ان کے ذریعے حدیث کی صحت و سقم دریافت کی جا سکے۔ ان جزئی باتوں کا دریافت کرنا اور ان کا پتہ لگانا سخت مشکل تھا۔ لیکن محدثین نے اپنی عمریں اس کام میں صرف کیں اور ایک ایک شہر کے راویوں سے ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کیے۔ انہی تحقیقات کے ذریعے سے اسماء الرجال کا ایک عظیم الشان فن ایجاد ہو گیا ہے، جس کے ایجاد کا شرف مسلمانوں کو حاصل ہوا۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ جو کتابیں اسماء الرجال میں لکھی گئی ہیں عام اس سے کہ وہ متقدمین کی ہوں یا متاخرین کی، ان میں تعصبات مذہبی کے علاوہ ذاتی مناقشات اور فروعی اور سیاسی اختلافات اور ہم عصری زک جھوک کی بناء پر لوگوں کی جرح کی گئی ہے۔ بعض حضرات نے تو ایسے امور کو بھی جرح کا باعث قرار دے دیا کہ جو نہ شرعی اور نہ اخلاقی اور نہ عرفی حیثیت سے قابل اعتراض ہیں، جیسے کھنکار کر تھوکنا یا سیر و سیاحت میں گھوڑے دوڑانا یا مطلقاً خوش طبعی یا مطلقاً زہری یا قلت روایت یا مسائل فقہیہ یا دیگر علوم میں مشغولیت وغیرہ۔ یہاں تک کہ علامہ ذہبیؒ (۷۴۸ھ) کا دامن بھی اس سے پاک

نہیں ہے۔ البتہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) نے اس فن میں جو کتابیں لکھی ہیں
وہ ایک بڑی حد تک افراط و تفریط سے پاک ہیں۔ لہٰذا ان کتابوں کے مطالعہ کے
وقت یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جو جرحیں امورِ مذکرۂ بالا کے ماتحت کی گئی ہیں وہ
عقلاً میرے نزدیک قابلِ التفات نہیں ہیں۔ تنقیدِ رجال کے اصول جنہوں نے
سب سے پہلے قائم کیئے وہ شعبہ بن الحجاج (۱۶۰ھ) ہیں جو جرح و تعدیل کے امام
کہلاتے ہیں (لیکن ان سے بھی بعض دفعہ تشدد ہو جاتا ہے)۔

مختصر یہ کہ حدیث کی صحت و سقم دریافت کرنے کے لیئے اصولِ حدیث کی
اس قدر ضرورت تھی کہ اگر کوئی محدث اس علم سے غافل ہوتا تو اس کو بڑی دقتوں
کا سامنا پیش آتا خصوصاً اس وقت جب کہ فتن کے دروازے کھل گئے۔ بدعات
کا شیوع ہوا۔ سیاسی انتشار کے علاوہ الحاد و زندقہ نے زور پکڑا اعتقاد میں فرقہ بندیاں
شروع ہو گئیں اور ہر شخص اپنے خیالات کی تائید میں حدیثیں پیش کرنے لگا۔ جس
کا نتیجہ یہ ہوا کہ رطب و یابس حدیثیں ان مجموعوں میں شامل ہو گئیں۔ جن کے
جانچنے پرکھنے کے لیئے اصول کی سخت ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ علامہ ابن سیرینؒ
سے "میزان الاعتدال" میں منقول ہے کہ اسناد کے جانچنے کی ضرورت واقعات
فتن کے بعد ہوئی۔ سب سے پہلے اس موضوع پر بقول حافظ ابن حجر عسقلانی قاضی
ابو محمد الرامہرمزی (۳۶۰ھ) نے قلم اٹھایا اور اصولِ حدیث میں ایک کتاب لکھی۔
جس کا نام المحدث الفاصل ہے۔ لیکن یہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچی اور دوسرے حاکم
ابو عبد اللہ النیشاپوری نے خامہ فرسائی کی مگر ان کی کتاب غیر مرتب رہی۔ اس کے
بعد ابو نعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) نے حاکم کی کتاب کو پیشِ نظر رکھ کر اس میں بہت سے
اضافے کیئے۔ مگر وہ تشنہ کام رہی اور وہ بعد کے آنے والوں کے لیئے کام چھوڑ گئے
پھر خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) پیدا ہوئے جنہوں نے قوانینِ روایت میں ایک
کتاب لکھی جس کا نام الکفایہ ہے اور طرقِ روایت میں دوسری کتاب لکھی۔ جس
کا نام الجامع لآداب الشیخ والسامع ہے۔ بلکہ فنونِ حدیث میں کوئی فن نہیں چھوڑا

کہ جس میں انہوں نے کوئی مستقل کتاب نہ لکھی ہو۔[1]

لیکن ہم یہ ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ خطیب سے بھی بعض امور میں سخت فروگذاشتیں ہوئی ہیں۔ اگر ان میں تعصب کا پہلو کارفرما نہ ہوتا۔ تو وہ بے شک جلالتِ قدر کے آسمان پر مثل آفتاب تھے۔

اصولِ حدیث پر اہم کتابیں

اصولِ حدیث میں مقدمہ ابن صلاح ایک بے مثل کتاب ہے۔ ابن صلاح ۶۴۳ھ میں فوت ہوئے۔ علمائے حدیث نے مقدمہ ابن صلاح کی بڑی خدمت کی ہے اور اس پر کئی شروح لکھی ہیں۔ امام نووی (۶۷۶ھ) نے اس کی تلخیص کی جس کا نام تقریب رکھا۔ یہ تقریب نووی کے نام سے مشہور ہے۔ حافظ سیوطی نے اس کی شرح لکھی، جس کا نام تدریب الراوی ہے۔ حافظ زین الدین عراقی (۸۰۶ھ) نے مقدمہ ابن صلاح کو منظوم کیا ہے۔ جس کا نام الفیۃ الحدیث ہے۔ پھر اس کی شرح حافظ شمس الدین سخاوی (۹۰۲ھ) نے فتح المغیث کے نام سے بہت اہم مفید اور جامع لکھی ہے۔ جو محدثین میں بہت متداول رہی ہے۔ مولانا عبدالقیوم جونپوری لکھتے ہیں :

> ابن صلاح کے ایک زمانہ بعد سید شریف (۸۱۶ھ) نے اس فن میں ایک کتاب لکھی جس کا نام مختصر الجرجانی ہے جس کی شرح حضرت مولانا عبدالحی (۱۳۰۴ھ) نے بہت ہی شرح و بسط سے لکھی جس کا نام ظفر الامانی ہے اور تحقیق اور تفصیل مذاہب کے اعتبار سے بے مثل ہے اور سید شریف کے ہی لگ بھگ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس فن میں نخبۃ الفکر مع شرح لکھی جو درس میں بھی داخل ہے[2]
>
> (محدث کبیر ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) نے اس کی عظیم شرح لکھی ہے۔)

علمائے دیوبند نے بھی اس باب میں بھی بہت علمی خدمات سرانجام دی ہیں۔ فتح الملہم بشرح صحیح مسلم کا مقدمہ تقطیع کبیر کے ۱۰۸ صفحات پر انہی ابواب پر مشتمل ہے۔ سماحۃ الشیخ ابوالفتح ابوغدۃ نے فتح الملہم کے اس مقدمہ پر بہت مفید تحقیقی کام کیا ہے۔ مقدمہ فتح الملہم کی یہ شرح دو ضخیم جلدوں میں مکمل ہوئی ہے۔ لامع الدراری بشرح صحیح البخاری کی جلد اوّل اسی موضوع پر ہے اور صفحات پر

---

[1] میزان الحدیث صفحہ ۲۷، [2] ایضاً صفحہ ۱۵ ۲۲ اس کا نام نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر ہے۔

کر شامل ہے. مولانا فضل احمد اوجیدی نے شرح نخبۃ الفکر کی اردو شرح نام سے لکھی ہے. حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے قواعد علوم الحدیث لکھ کر تمام دنیائے عرب سے خراج تحسین حاصل کی ہے. شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے اسے بھی اپنے تحشیہ کے ساتھ بہت آب و تاب سے شائع کیا ہے.

ان اصولوں اور جزئیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ روایات میں راویوں کی جانچ پڑتال کی ضرورت کیوں پڑی اور جانچ پڑتال کے لیے مستقل قواعد و ضوابط تھے جو علمائے تحقیق نے طے کیے اور وہ آئندہ آنے والے علماء کے لیے رہنما اصول بنے. قواعد حدیث کے عنوان میں اس پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے

علم رجال کے اہم مباحث

آج کا موضوع گفتگو علم اسماء الرجال ہے. اس کے اہم مباحث یہ ہوں گے.

(۱) اسلام میں تنقید و تبصرے کا درجہ کیا ہے؟ (۲) علم اسناد کی دینی حیثیت کیا ہے؟ (۳) فن اسماء الرجال کی تدوین کیسے ہوئی؟ (۴) علم حدیث کے لیے اس فن کا ساتھ ساتھ رہنا کیا ضروری ہے؟ (۵) جرح و تعدیل سے کیا مراد ہے؟ (۶) جرح و تعدیل کے عام الفاظ کیا کیا ہیں؟ (۷) جرح و تعدیل کے بڑے بڑے امام کون تھے؟ (۸) اسماء الرجال میں کن کن کتابوں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ (۹) شیعہ کی کتب اسماء الرجال کیا علیحدہ ہیں؟ (۱۰) حدیث کے طلبہ اس فن سے کیسے استفادہ کریں؟

(۱) اسلام میں تنقید و تبصرہ

پہلا اہم موضوع یہ ہے کہ اسلام میں تنقید و تبصرہ کا کیا حکم ہے؟ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید بدر عالم مدنیؒ نے اس پر بہت مفید بحث لکھی ہے.

خبر واحد کی حجیت کے سلسلہ میں یہاں دو غلط فہمیاں اور بھی ہیں. ایک یہ کہ محدثین کا گروہ محض ایک جامد گروہ ہے جسے فن روایت سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا. وہ دقیانوسی خبروں کو آنکھ میچ کر مان لینا علم اور دین سمجھتا ہے اور نقد و تبصرہ کو بددینی تصور کرتا ہے. دوم یہ کہ ادیان سماویہ کا مبنیٰ صرف روایت پر ہے. درایت

کر یہاں کوئی دخل نہیں۔ دراصل پہلی غلط فہمی بھی اسی کی ایک فرع ہے۔ ان دو غلط فہمیوں کی وجہ سے بعض ناواقف تو حدیث کا رتبہ تاریخ سے بھی کمتر تصور کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل میں فن روایت کا فقدان

بنو اسرائیل میں اعتدال کلیۃً مفقود تھا۔ جب وہ تحقیق پر آتے تو کوہ طور پہ کلام باری بلاواسطہ سُن کر بھی سو طرح کے شبہات نکالنے لگتے اور جب تقلید کرنے پر آمادہ ہوتے تو جوان کے احبار و رہبان ان کے سامنے ڈالتے اسے اندھوں کی طرح نگلنے کے لیے تیار ہو جاتے۔ غرض نقد و تبصرہ اور فہم و فکر کی ان میں کوئی استعداد نہ تھی حضرت الشیخ مولانا بدر عالم مدنی مذکورہ بالا تبصرہ کے بعد لکھتے ہیں:۔

> روایت اور درایت کے اس غیر متوازن دور میں اسلام آیا اور اس نے ان دونوں کا توازن قائم کر کے صحیح تنقید کی راہ دکھلائی اور اس کے لیے ایک ایسا معتدل آئین مرتب فرمایا جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط۔ اس نے بتایا کہ ہر کان پڑی خبر کی طرف دوڑ پڑنا بھی غلط ہے اور تحقیق و تفتیش کے سلسلے میں بدگمانی کی حد تک پہنچ جانا بھی غلو اور وہم پرستی ہے۔ انسان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ بے اعتمادی کی حالت میں آنکھ میچ کر تغلیط اور اعتماد کی صورت میں بے دلیل تصدیق کر لیا کرتا ہے۔ مگر قرآن نے یہاں دوست دشمن اپنے اور پرائے کا فرق ختم کر کے سب کے لیے یکساں تحقیق و تبیین کا قانون مقرر کر دیا ہے۔

قرآن نے یہ تعلیم کی کہ ہر خبر کی تحقیق و تبیین کر لیا کرو خواہ وہ فاسق شخص ہی کی خبر کیوں نہ نہ ہو۔ ہر چند کہ فاسق آدمی کی خبر رد کر دینے میں بھی مضائقہ نہیں تھا۔ مگر قرآن کسی خبر کا رد کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ فاسق آدمی بھی صحیح خبر دے سکتا ہے۔ پس اس کی ہر خبر کا رد کر دینا بھی قرین مصلحت اور طور انصاف نہیں ہے۔

یا ایہا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجہالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین۔ (پ ۲۶ الحجرات ع ۱)

ترجمہ۔ اے ایمان والو! جب کوئی فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آیا کرے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بے تحقیق کسی قوم پر حملہ کر دو بعد میں اپنے کیے پر شرمندہ ہونا پڑے۔

دوسری طرف اس نے تجسس اور بدظنی کی بھی ممانعت فرمائی۔ کہ ایسی تحقیق سے بھی نظام عالم برباد ہوتا ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا۔

ترجمہ اے ایمان والو بہت سی بدگمانیوں سے بچا کرو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ کی حد تک ہوتی ہیں اور تجسس اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر لوگوں کے عیب بھی تلاش کرنے کی خصلت مت اختیار کرو۔ (پ۲۶ الحجرات ع۲)

ہر چیز کی تحقیق کے لیئے اس کی اہلیت چاہیئے۔

ہر خبر کی تفتیش کا سلیقہ ہر انسان نہیں رکھتا بعض خبریں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی تفتیش خاص افراد ہی کر سکتے ہیں۔ یہ تفتیش کے محکمہ جات کی طرف اشارہ ہے۔ ہر خبر کی تحقیق کے لیئے اس کے مناسب اہلیت درکار ہے۔

واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔ (پ۵ النساء ع۱۱)

ترجمہ۔ جب ان کے پاس کوئی امن یا ڈر کی کوئی خبر آتی ہے تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔ اگر اس کو رسول یا اپنے علماء، و حکام تک پہنچا دیتے تو جو ان میں ملکہ استنباط رکھنے والے شخص تھے وہ اُس کو پورے طور پر معلوم کر لیتے۔ (پ۵ النساء ع۱۱)

روایتی پہلوؤں میں جو چیز سب سے زیادہ حائل ہو سکتی ہے وہ مخبر اور شاہدوں کا بیان ہے اس لیئے ان کو یہ تعلیم دی گئی۔ کہ اپنے بیان اور گواہی میں پوری احتیاط سے کام لیں جھوٹ یا طرفداری کا شائبہ نہ آنے پائے۔ اس لیئے جھوٹ بولنے یا ایک دوسرے پر جھوٹا الزام لگانے کی اتنی مذمت کی گئی کہ اس سے بدتر سوسائٹی کا کوئی عیب نہ رہا۔

ان بنیادی اصول کی روشنی میں مذہب اسلام جتنی ترقی کرتا رہا، اسی قدر اس کے بنیادی تنقید کے اصول بھی ساتھ ساتھ ترقی کرتے رہے۔ حتی کہ اسناد، جرح و تعدیل، احوال رواۃ ہر ایک کے لیے جدا جدا مستقل فن مرتب ہو گئے۔ علامہ جزائری نے توجیہ النظر میں حدیث کے سلسلہ میں ۵۲ قسم کے علوم بالتفصیل بیان فرمائے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد احادیث کے مفید یقین ہونے میں ایک منٹ کے لیے بھی شبہ کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔[۱]

(۲) علم اسناد کی دینی حیثیت

حدیث کا متن Text حدیث کی سند Chain of transmitters پر موقوف ہے۔ سند صحیح متصل سے کوئی بات ثابت ہو جائے تو اس کی تمام ذمہ داریاں لازم آجاتی ہیں حدیث اگر حجت ہے اور اس پر عمل واجب ہے تو اس کی سند معلوم کرنا اور اس کے راویوں کی جانچ پڑتال کرنا سب علم دین قرار پائے گا۔ یاد رکھیے واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے ــــــ

قرآن کریم میں ہے :-

ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا۔[۲]

ترجمہ۔ اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی رُو سے راوی کی بات کی تحقیق کرنا ایک عظیم دینی ذمہ داری ہے جو سامع پر عائد ہوتی ہے۔ سو اسناد کو پہچاننا اور راویوں کو جاننا خود دین ہو گا۔

امام ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں :-

ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم۔[۳]

ترجمہ بے شک یہ علم دین ہے سو دیکھ لیا کرو کہ کن لوگوں سے تم اپنا دین اخذ کر رہے ہو ــــــ امام نووی نے اس پر یہ باب باندھا ہے :-

باب بیان ان الاسناد من الدین وان الروایۃ الا یکون الا عن الثقات وان جرح الرواۃ بما ھو فیھم جائز بل واجب۔

---

[۱] ماخوذ از ترجمان السنۃ جلد اول از صلا۱۹۳ تا صلا۱۹۸ [۲] پ۲۶ الحجرات ع ۱ [۳] مسلم جلد ۱ صلا۱۱

ترجمہ۔ سند لانا دین میں سے ہے روایت ثقہ راویوں سے ہو۔ راویوں پر اس پہلو سے جرح کرنا جو ان میں ہو جائز ہے بلکہ یہ واجب ہے۔

علم اسناد کی یہاں تک اہمیت ہو گئی کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (۱۸۱ھ) نے اس کا سیکھنا دین قرار دیا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ماشاء[1]

ترجمہ۔ علم اسناد بھی دین کا ہی ایک حصہ ہے اور اگر سند ضروری نہ ہوتی تو جو شخص جو چاہے کہہ سکتا تھا۔

قبول روایت کا معیار آپ کے ہاں اتنا دقیع تھا کہ جو شخص سلف (پہلے بزرگوں) کو بُرا بھلا کہے، اس کی روایت نہ لینے کا حکم فرماتے تھے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

دعوا حدیث عمرو بن ثابت فانه کان یسب السلف[2]

ترجمہ۔ عمرو بن ثابت کی روایت چھوڑ دو وہ تو سلف صالحین کو بُرا کہتا تھا۔

حافظ شمس الدین سخاوی (۹۰۲ھ) ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

وتاریخ الرواة والوفیات فن عظیم الوقع من الدین قدیم النفع به للمسلمین لا یستغنی عنه ولا یعتنی باھم منه خصوصا ما ھو القدر الاعظم منه و ھو البحث عن الرواة والفحص عن احوالھم فی ابتدائھم و حالھم و استقبالھم لان الاحکام الاعتقادیه والمسائل الفقھیة ماخوذة من کلام الھادی من الضلالة والمبصر من العمی والضلالة[3]

ترجمہ۔ اور راویوں کی تاریخ اور ان کی وفات کے سنین کا جاننا دین کا ایک عظیم الوقعت فن ہے۔ مسلمان قدیم سے اس سے کام لیتے آئے ہیں، اس سے استغنا نہیں برتا جا سکتا نہ اس سے زیادہ کوئی اور موضوع اہم ہو سکتا ہے خصوصاً اس کی قدر اعظم سے اور وہ راویوں کے حالات کو کھولنا اور ان کے حالات کی ان کے ماضی، حال اور استقبال کی تفصیل کے ساتھ تفتیش کرنا ہے۔ اعتقادی

---

[1] مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۱ [2] مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۲ [3] فتح المغیث صفحہ ۴۵۹، صفحہ ۴۶۰

ابواب اور فقہی مسائل اس کلام سے ماخوذ ہیں جو ضلالت سے بچا کر ہدایت دے اور گمراہی اور اندھاپن سے ہٹا کر راہ دکھلائے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

مشہور ہے حضرت علیؓ نے فرمایا۔ انظرالی ما قال ولا تنظر الی من قال۔ (اسے دیکھو جو کسی نے کہا ہے یہ نہ دیکھو کہ کس نے کہا ہے) معلوم ہوا کہ ہمیں متن سے غرض ہونی چاہیئے سند سے نہیں؟

جواب

حضرت علیؓ سے یہ ثابت بھی ہو تو اس کا موضوع دانائی اور حکمت کی باتیں ہیں۔ قانون اور تاریخ کی باتیں نہیں۔ حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے۔ جہاں بھی ملے اس نے اپنی متاع پالی۔ وہ اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ جو شخص کوئی بات نقل کرے یا کوئی قانون بیان کرے تو اسے بغیر جانے کہ کون کہہ رہا ہے لے نہیں لیا جاتا۔ بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ شخص کہاں سے نقل کر رہا ہے اور یہ کہ خود کیسا شخص ہے۔ دیانت دار ہے یا نہ؟ کس حکومت کا نمائندہ اور کس قانون کا ترجمان ہے اگر اس کے پاس اس بات کی جو وہ کہہ رہا ہے سند نہ ہو تو اس کا کوئی اعلان ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔

شریعت بھی قانون الٰہی ہے اور یہ نقل سے ہی پہچانی جاتی ہے۔ البتہ اس کے بعض پہلو استنباط سے کھلتے ہیں۔ شریعت کسی تجربے اور حکمت سے مرتب نہیں ہوتی۔ نہ یہ کبھی حکمت عملی کے نام سے ترتیب پاتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

ان الامة اجمعت على ان يعتمدوا على السلف فى معرفة الشريعة فالتابعون اعتمدوا فى ذلك على الصحابة وتبع التابعين اعتمدوا على التابعين وهكذا فى كل طبقة اعتمد العلماء على من قبلهم والعقل يدل على حسن ذلك لان الشريعة لا يعرف الا بالنقل والاستنباط والنقل لا يستقيم الا بان ياخذ كل طبقة عمن قبلها بالاتصال[1]

ترجمہ: امت نے اتفاق کیا ہے کہ وہ معرفت شریعت میں سلف پر اعتماد کریں۔

---

[1] عقد الجید صـ۴۲ مترجم طبع کراچی

تابعینؒ نے صحابہؓ پر۔ تبع تابعینؒ نے تابعینؒ پر۔ اور اسی طرح ہر طبقہ کے علماء نے
اپنے سے پہلوں پر اعتماد کیا ہے اور عقل اس کی تحسین پر دلالت کرتی ہے اس
لیے کہ شریعت نقل اور استنباط سے ہی پہچانی جاتی ہے اور نقل بغیر اس کے قائم
نہیں رہ سکتی کہ ہر طبقہ اسے اپنے پہلوں سے اتصال کے ساتھ لیتا رہے ــــــ

؎ اس حقیقت سے واقف ہیں اہل نظر ــــــ مقتدا وہ نہیں جو نہیں مقتدی

پس علم شریعت کے لیئے یہ جاننا ضروری ہے کہ بات کہاں سے آرہی ہے۔ اس کا ماخذ
کیا ہے بات کہاں سے ہے اور اسے آگے روایت کرنے والے کس قسم کے لوگ ہیں۔ کیا ان پر
اعتماد کر کے آخرت کی تمام زندگی ان لوگوں کی نقل و روایت کے سپرد کی جاسکتی ہے و دنیوی امور
کے کسی اہم فیصلے سے یہ فیصلہ کہیں زیادہ اہم ہے۔

اکرامِ مومن کی شرعی حیثیت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان جو بھی خبر دے اکرامِ مومن کے طور پر اسے قبول کر لینا چاہیئے
یہ پڑتال نہ کی جائے کہ خبر دینے والا کیسا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ اکرامِ مومن کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان کی
طرف سے کسی مسلمان کی جان و مال اور عزت و آبرو پر کوئی حرف نہ آئے اور وہ اس کے ساتھ عزت
اور مروت کا برتاؤ کرے۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح اور مسلّم ہے کہ دین کا تحفظ اور اکرام ایک مومن
کے اکرام سے کہیں زیادہ ہے۔ اگر کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات آگے نقل کرے۔
تو چونکہ اس دوسرے شخص نے اس بات کو دین اور شریعت سمجھ کر زندگی بھر اپنانا ہے۔ اور
اپنے بعد والوں کے لیئے بھی اسے سند بنانا ہے۔ اس لیئے ضروری ہے کہ اس کی نقل و روایت
میں اچھی طرح پڑتال کرلے۔ اب راویوں کے حالات معلوم کرنا اور ان کی صحت و سقم کو پہچاننا
اکرامِ مومن کے شرعی تقاضے کے خلاف ہرگز نہیں ہے۔ اس باب میں اگر کسی مسلمان کی برائی اس
کی عدم موجودگی میں کی جائے تو وہ شرعی غیبت نہ ہوگی۔ دین کی حفاظت کے لیئے ایک قدم ہوگا۔

مومن کے بارے میں نیک گمان رکھنے کا مفہوم

ظنوا بالمومنین خیرا۔ (مومن کے بارے میں نیک گمان ہونا چاہیے) مشہور مقولہ حکمت ہے اس کا موضوع اس کی اپنی ذات ہے اس کی نقل و روایت نہیں۔ دین کا معاملہ اس سے کہیں اونچا ہے کہ اسے محض نیک گمان کے سہارے قائم کر لیا جائے۔ اس باب میں اگر کسی گمان کو اہمیت دی جا سکتی ہے تو وہ صرف اہل فن کا گمان اور اعتماد ہے انہوں نے کسی شخص کی روایت قبول کر لی ہو[1] تو آپ ان پر نیک گمان کرتے ہوئے اسے قبول کر سکتے ہیں لیکن اگر کسی طرح اس کی غلطی ظاہر ہو گئی۔ تو پھر اس نیک گمان سے دستبردار ہو جانا چاہیئے۔ ہاں مومن کی کوئی اپنی بات جس کا تعلق اس کی ذات سے ہو، دین سے یا دوسروں سے نہ ہو۔ تو دوسرے مسلمانوں کی پوری کوشش ہونی چاہیئے کہ اس پر نیک گمان کریں اور اس کے وہی معنی مراد لیں جو اچھائی پر محمول ہوں۔ اس کی بات کی ایسی مراد نہ لیں جو ایک مسلمان سے توقع نہ کی جا سکتی ہو۔

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه[2]

ترجمہ۔ آپ خوشخبری دیں ان لوگوں کو جو سنتے ہیں بات پھر چلتے ہیں اس (پہلو) پر جو سب سے اچھا دکھائی دے احسن ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا :-

فظنوا به الذی هو اهیأ والذی هو اهدی والذی هو اتقی[3]

ترجمہ۔ سو اس کی نسبت گمان کرو جو زیادہ مناسب ہو، ہدایت کے زیادہ قریب ہو اور زیادہ خوف خدا پر مبنی ہو۔

(۳) فن اسماء الرجال کی تدوین کیسے ہوئی ؟

ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ حدیث کے راوی جب تک صحابہ کرامؓ تھے۔ اس فن کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ وہ سب کے سب عادل، انصاف پسند اور محتاط تھے[4] کبار تابعین بھی اپنے علم و تقوے کی روشنی میں ہر جگہ لائق قبول سمجھے جاتے تھے۔ جب فتنے پھیلے اور بدعات شروع

---

[1] اسے صرف روایت نہ کیا ہو قبول کر لیا ہو [2] پ۲۳ الزمر ع ۲ [3] سنن دارمی جلد ص۱۴۵

[4] لان الصحابة عدول وتقلیلهم صحیح فلا وجه للخلاف۔ مرقات جلد ۵ ص۱۶۱

ہوئیں تو ضرورت محسوس ہوئی کہ راویوں کی جانچ پڑتال کی جائے۔ فتنے سب سے پہلے کوفہ اور بصرہ سے اُٹھے۔ اس لیئے علم کی تدوین و تنقیح پہلے یہیں ہونی ضروری تھی۔ کوفہ میں دو علمی مرکز تھے۔ (۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کا اور (۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ (۴۰ھ) کا حضرت علیؓ کے خلیفہ بنتے ہی مسلمانوں کا سیاسی اختلاف عراق میں اُمڈ آیا اور اس سیاسی تشیع سے حضرت علیؓ کے حلقے میں بہت سے غلط لوگ آشامل ہوئے۔ حضرت علیؓ کی زندگی میں وہ ان اختلافات کو دینی اختلاف نہ بنا سکے۔ لیکن آپ کے بعد انہوں نے حضرت علیؓ کے نام سے بہت سی غلط باتیں کہنی شروع کر دیں۔ اس ورطۂ شبہات میں اُنہوں نے دین کا بنیادی تصور تک بدل ڈالا۔ یہ اسلام میں فرقہ بندی کی طرف پہلا قدم تھا۔ اہل حق کے لیئے اب صرف ایک ہی سلامتی کی راہ تھی۔ کہ حضرت علیؓ کی وہی روایات قابلِ اعتماد سمجھی جائیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کے واسطے سے آئیں۔ کیونکہ کوفہ میں یہی ایک علمی حلقہ تھا جو بیرونی حکمت سے محفوظ اور بچا رہا تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے یہ شاگرد حضرت علیؓ کے حلقۂ درس میں بھی گاہے بگاہے حاضر ہوتے رہے تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ (۵۰ھ) جو تک کوفہ میں رہے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

لم یکن یصدق علی علیّ فی الحدیث منہ الا من اصحاب عبداللہ بن مسعودؓ[1]

ترجمہ۔ حضرت علیؓ کی وہی روایات لائق قبول سمجھی جاتی تھیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں سے منقول ہوں۔

حضرت ابو اسحٰق السبیعی (۱۲۹ھ) کہتے ہیں کہ بدعات کے ان شیوع پر خود حضرت علیؓ کے شاگردوں میں سے ایک نے کہا کہ ان لوگوں (بدعتیوں) کو خدا غارت کرے اُنہوں نے کتنا علم (حضرت علیؓ کا) ضائع کر دیا ہے۔

امام ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ) کہتے ہیں کہ جب یہ فتنے اُٹھے تو علماء نے طے کیا:۔

سموا لنا رجالکم فینظر الی اہل السنۃ فیوخذ حدیثہم وینظر الی اہل البدع فلا یوخذ حدیثہم[2]

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۰ دہلی [2] ایضاً صفحہ ۱۱

ترجمہ۔ اپنے رواتِ حدیث کے نام بتاؤ۔ دیکھا جائے گا کہ اہل سنت کون ہیں۔ انہی کی روایات لی جائیں گی۔ اہل بدعت کا بھی پتہ لگایا جائے گا اور اُن کی احادیث نہ لی جائیں گی۔

یہ صحیح ہے کہ عراق کی سرزمین پہلے فتنوں کی آماجگاہ بنی۔ کوفہ کے بعد بصرہ عراق کا دوسرا بڑا شہر تھا۔ کوفہ سے تشیع اُٹھا تو بصرہ سے انکارِ قدر کی صدا اُٹھی۔

عن یحیی بن یعمر قال کان اول من قال فی القدر بالبصرۃ معبد الجھنی۔

ترجمہ۔ سب سے پہلے بصرہ میں جس نے عقیدہ قدر میں بات چیت کی وہ معبد جہنی تھا۔

یحیی بن یعمر اور حمید بن عبدالرحمٰن حمیری حج کے موقع پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ملے اور ان لوگوں کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا :۔

واذا لقیت اولٰئك فاخبرھم انی بریٔ منھم وھم برآء منی والذی یحلف به عبداللہ بن عمر لو ان لاحدھم مثل احد ذھبًا فانفقه ما قبل اللہ منه حتی یؤمن بالقدر[۱]

ترجمہ۔ جب تم ان لوگوں کو ملو تو انہیں کہہ دو کہ میں ان سے لاتعلق ہوں اور وہ مجھ سے لاتعلق ہیں میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر یہ اُحد کے برابر سونا خیرات کریں اسے اللہ تعالیٰ ان سے قبول نہ کریگا۔ اس سے پتہ چلا کہ ان دنوں صحابہ کی بات اہل حق کے ہاں حجت سمجھی جاتی تھی۔ تبھی تو یحیی بن یعمر اور حمید بن عبدالرحمٰن نے صحابی رسول سے اس بارے میں پوچھنے کا فیصلہ کیا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا جواب بھی اسی طرف رہنمائی کر رہا ہے کہ صحابہ جس سے لاتعلق ہوں وہ اس کے اہل باطل ہونے کا ایک کھلا نشان ہے اور یہ کہ صرف اہل باطل ہی صحابہ سے بے تعلق رہتے ہیں اہل حق ہمیشہ اُن کی پیروی کرتے آئے ہیں۔

علم اسماء الرجال کا احساس یہیں سے پیدا ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ھ) حضرت علیؓ کی بہت سی مرویات کے بارے میں کہہ چکے تھے کہ یہ بات حضرت علیؓ نے کبھی نہ کہی ہوگی۔ امام مسلم لکھتے ہیں :۔

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۱ صـ۲۷

قد ما بقضاء علی فجعل یکتب منه اشیاء و یمرّ به الشئ فیقول واللہ ما قضی بهذا علی الا ان یکون ضل [1]

ترجمہ: آپ نے حضرت علیؓ کے فیصلے منگوائے ان سے کچھ باتیں نقل بھی فرمائیں اور ایسی چیزیں بھی آپ کے سامنے سے گزریں کہ آپ نے فرمایا کہ یہ بات حضرت علیؓ نے کبھی نہ کہی ہوگی، مگر یہ کہ آپ راہ سے اتر جائیں۔

حضرت امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) لکھتے ہیں:۔

قد وجد غیر واحد من الائمة من التابعین قد تکلموا فی الرجال منهم الحسن البصری وطاؤس تکلما فی معبد الجهنی وتکلم سعید بن جبیر فی طلق بن حبیب وتکلم ابراهیم النخعی وعامر الشعبی فی الحارث الاعور وهکذا روی عن ایوب السختیانی وعبد اللہ بن عون وسلیمان التیمی و شعبة بن الحجاج وسفیان الثوری ومالك بن انس والاوزاعی وعبد اللہ بن مبارك ویحیی بن سعید القطان ووکیع بن الجراح وعبد الرحمن بن مهدی وغیرهم من اهل العلم تکلموا فی الرجال وضعفوا فانما حملهم علی ذلك عندنا واللہ اعلم النصیحة للمسلمین لا یظن بهم ارادوا الطعن علی الناس والغیبة انما ارادوا عندنا ان یبینوا ضعف هؤلاء لکی یعرفوا لان بعض الذین ضعفوا کان صاحب بدعة وبعضهم کان متهما فی الحدیث وبعضهم کانوا اصحاب غفلة وکثرة خطأ فاراد هؤلاء الائمة ان یبینوا احوالهم شفقة علی الدین وتثبیتاً لان الشهادة فی الدین احق ان یتثبت فیها من الشهادة فی الحقوق والاموال [2]

ترجمہ: تابعین میں کئی ائمہ گزرے۔ جنہوں نے اسمار الرجال (راویان حدیث) میں کلام کیا۔ ان میں حسن بصری (۱۱۰ھ) اور طاؤس (۱۰۵ھ) نے معبد جہنی میں کلام کیا۔ سعید بن جبیر (۹۵ھ) نے طلق بن حبیب میں کلام کیا۔ ابراہیم نخعی (۹۵ھ)

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۰ [2] کتاب العلل للترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۳۵

اور عامر الشعبی (۱۰۴ھ) نے حارث الاعور میں کلام کیا۔ اسی طرح ایوب سختیانی عبداللہ بن عون، سلیمان تیمی، شعبہ بن حجاج، سفیان الثوری، مالک بن انس، اوزاعی عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید القطان، وکیع بن الجراح اور عبدالرحمٰن بن المہدی جیسے اہل علم نے بھی رجال میں کلام کیا ہے اور کمزور راویوں کی تضعیف کی ہے انہیں اس بات پر اللہ بہتر جانتا ہے۔ مسلمانوں کے خیر خواہی کے جذبے نے آمادہ کیا۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ انکی غرض لوگوں پر طعن کرنا اور ان کی غیبت کرنا تھا۔ ہمارے نزدیک ان کی غرض ان راویوں کا ضعف بیان کرنا تھا۔ تاکہ وہ پہچانے جائیں۔ بعض وہ راوی جن کی تضعیف کی گئی بدعتی تھے۔ بعض ان میں سے متہم فی الحدیث تھے۔ بعض بھولنے والے تھے اور کثرت سے غلطی کرنے والے تھے۔ سو ان ائمہ نے چاہا کہ ان کے احوال بیان کر دیئے جائیں۔ اور اس سے دین کی خیر خواہی ملحوظ نظر تھی اور دین میں ثابت قدمی پیش نظر تھی۔ حقوق و اموال کے بارے میں شہادت دینے سے دین کے بارے میں شہادت دینے کی زیادہ ضرورت ہے۔

طلق بن حبیب میں امام ابوحنیفہؒ نے بھی کلام کیا ہے کہ وہ تقدیر کا قائل نہ تھا۔[1] زید بن عیاش کے بارے میں کہا وہ مجہول ہے۔[2] جابر جعفی کے بارے میں کہا کہ میں نے اس سے زیادہ جھوٹا کسی کو نہیں پایا۔[3] جابر ۱۲۸ھ) سو یہ صحیح ہے کہ ائمہ کرام نے راویوں کی جانچ پڑتال کو تحفظ دین کی خاطر جائز کہا ہے۔ نہ اسے غیبت سمجھا گیا نہ اکرام مومن کے خلاف ——— یہ صرف تحفظ دین کا جذبہ تھا جو ان سے راویوں کی پڑتال کراتا رہا۔ اور اس سے دین کی پوری حفاظت ہوتی رہی۔

علم اسماء الرجال کی مشکل

اس علم میں یادداشت اور ضبط ہی ضبط ہے۔ جن علوم میں قیاس اور درایت کو کچھ بھی دخل ہو یا اس میں کچھ ترتیب خود کارفرما ہو کہ اس کے ماقبل یا مابعد سے کچھ اندازہ ہو جائے۔ وہ علوم اپنے

---

[1] الجواہر المضیہ جلد ا صفحہ ۳۰ [2] تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۴۴ [3] ایضاً جلد صـ

علماء کے لئے اس جہت سے کچھ سہل ہو جاتے ہیں لیکن یہاں تو خطرہ ہی خطرہ ہے۔ اور معرفت طبقات ہے۔ ہر ناموں پر ضبط بہت اہتمام سے ہونا چاہیئے۔ اس میں ذرا بھی اندازے سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ نہ انہیں اپنے اول اور آخر کی ترتیب سے کہیں معین کیا جا سکتا ہے۔ ابو اسحٰق ابراہیم بن عبداللہ النجیری فرماتے ہیں :-

اولی الاشیاء بالضبط اسماء الناس لانہ شئ لا یدخلہ القیاس ولا قبلہ شئ ولا بعدہ شئ یدل علیہ[1]

ترجمہ: سب سے زیادہ جس چیز پر ضبط ہونا چاہیئے وہ (حدیث روایت کرنے والے) لوگوں کے نام ہیں کیونکہ کوئی ایسی چیز نہیں جس میں قیاس کام کر سکے اور نہ اُن سے پہلے اور نہ اُن کے بعد کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جو اس کا پتہ دے سکے۔

حافظ ذہبی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ طبقہ تابعین (صحابہ کے بعد جو لوگ ان کی پیروی میں چلے) میں انتہائی چھان بین کے باوجود مجھے ایک راوی بھی چھپا اور کاذب نہیں مل سکا۔ غلطی لگ جانا اور بات ہے۔ حافظے کا ضعف امر دیگر ہے۔ لیکن جان بوجھ کر جھوٹ بولنا اس حد تک اس طبقے میں کوئی مجروح نہ تھا۔ کذب اپنی نمایاں صورت میں بعد میں نمودار ہوا ہے۔ تابعین اسی لئے تابعین تھے کہ صحابہ ان کے متبوعین تھے۔ جو صحابہ کے نقش پا سے راہ تلاش نہ کرے وہ تابعین میں سے کیسے ہو سکتا ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ کے ارد گرد رہنے والے لوگ اگر ان پر جھوٹ باندھتے رہے تو وہ سبائی منافقین تھے تابعین ہرگز نہ تھے۔ وہ تابعین بغیر اتباع ہرگز نہ ہو سکتے تھے۔

اسماء الرجال میں پہلے لکھنے والے

حضرت علی بن المدینی (۲۳۴ھ) نے کتاب العلل میں، امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) نے کتاب العلل ومعرفۃ الرجال میں، امام بخاری (۲۵۶ھ) نے تاریخ میں، امام مسلم (۲۶۱ھ) نے مقدمہ صحیح مسلم میں، امام ترمذی (۲۷۹ھ) نے کتاب العلل میں، امام نسائی (۳۰۳ھ) نے کتاب الضعفاء والمتروکین میں، ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی (۳۲۷ھ) نے کتاب الجرح والتعدیل میں، دارقطنی (۳۸۵ھ)

[1] تہذیب التہذیب جلد صـ   المؤتلف والمختلف صـ ۲ للحافظ عبدالغنی الازدی

نے اپنی کتاب العلل میں اور امام طحاوی (۳۲۱ھ) نے رجال پر بہت مفید بحثیں کی ہیں۔
ائمہ حدیث نے ایک ایک صحابی کے اصحاب کا جائزہ لیا۔ سب سے زیادہ کون کن کے قریب رہے، ان کو پہچانا۔ اسی نسبت علم سے وہ حضرات فقیہہ سمجھے گئے اور اسی نسبت سے ان کے فیصلے حجت سمجھے گئے۔ یہ حضرات اپنے ضبط تثبت اور فقہ و روایت میں اگلے لوگوں کے لیے امام ٹھہرے۔ حضرت امام طحاوی (۳۲۱ھ) باب نکاح المحرم میں حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگردوں کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

واثبت اصحاب عبداللہ بن عباس سعید بن جبیر وعطاء وطاؤس ومجاھد وعکرمہ وجابر بن زید وھؤلاء کلھم ائمۃ فقھاء یحتج بروایاتھم وآرائھم۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگردوں میں سعید بن جبیر، عطاء، طاؤس مجاہد، عکرمہ اور جابر بن زید سب سے زیادہ ثبت والے ہیں اور یہ سب ائمہ اور فقہاء ہیں کہ ان کی روایت بھی مستند سمجھی جاتی ہے اور ان کے فقہی فیصلے بھی حجت مانے جاتے ہیں۔

پھر جن لوگوں نے آگے ان سے دین نقل کیا وہ بھی اسی طرح معروف ہوئے۔ ان میں عمرو بن دینار، ایوب السختیانی اور عبداللہ بن ابی نجیح وغیرہم ہیں اور یہ سب ایسے امام تھے کہ روایت میں مقتدا ٹھہرے۔ امام طحاوی مذکورہ بالا عبارت کے بعد لکھتے ہیں:

والذین نقلوا عنھم فکذلک ایضاً منھم عمرو بن دینار وایوب السختیانی وعبداللہ بن ابی نجیح فھؤلاء ایضاً ائمۃ یقتدی بروایاتھم ...... ابوعوانہ عن مغیرہ عن ابی الضحیٰ عن مسروق فکل ھؤلاء ائمۃ یحتج بروایاتھم فما رووا من ذلک اولیٰ مما روی من لیس کمثلھم فی الضبط والثبت والفقہ والامانۃ۔ شرح معانی الآثار جلد ۱ صفحہ ۲۱۵

محدثین کی سلسلہ رواۃ پر کس درجے کی کڑی نظر رہی ہے اور وہ ہر دور راویوں کے درمیان کس کس درجے کے تعلق و رابطے کے جویا رہے۔ امام طحاوی کا یہ بیان اس پر شاہد ناطق ہے۔ کون صاحب علم ہے جو محدثین کی ان خدمات کا انکار کر سکے۔

امام احمد کی کتاب کتاب العلل و معرفۃ الرجال انقرہ سے چھپ چکی ہے۔ دو جلدوں میں ہے
ابن ابی حاتم الرازی کی کتاب الجرح والتعدیل نو جلدوں میں ہے حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکی ہے،
یہ اساسی طور پر امام احمد کی کتاب کو بھی ساتھ لیے ہوئے ہے۔ دارقطنی اپنی کتاب کو مکمل نہ کر پائے
تھے کہ وفات پائی۔ اسے ان کے شاگرد ابوبکر الخوارزمی البرقانی (۴۲۵ھ) نے مکمل کیا شمس الدین
سخاوی (۹۰۲ھ) نے اس کی ایک تلخیص مرتب کی ہے۔ جس کا نام بلوغ الامل بتلخیص کتاب دارقطنی
فی العلل ہے۔ ان کتابوں میں رجال کے علاوہ علل حدیث پر بھی بہت مفید مباحث موجود ہیں۔ اس
سے اگلے دور میں جو کتابیں لکھی گئیں جن میں اسماء الرجال ہی مستقل موضوع بنا ہے۔ ان میں راویوں کے
حالات اور ان کے طبقات کا ذکر ہے اور ساتھ راویوں کی جرح و تعدیل سے بھی بحث کی گئی ہے۔

(۴) علم حدیث اور علم رجال کا ساتھ ساتھ رہنا ضروری ہے؛

احادیث جمع کرنے والے ائمہ حدیث اپنی پوری احتیاط اور ضبط و عدالت کے باوجود
آخر تھے تو انسان ہی۔ انہوں نے نہ چاہا کہ دین پیغمبر کی پوری ذمہ داری اپنے سر لیں، انہوں نے
جو روایتیں لکھیں، انہیں انہوں نے ان اساتذہ کا نام لے کر روایت کیا جن سے انہوں نے
وہ روایات سنی تھیں اور پھر ان کی سند بھی پیش کر دی جس سے وہ اس بات کو حضور صلی اللہ
علیہ وسلم یا صحابہ کرام تک پہنچاتے رہے۔

جب حدیث کے ذکر میں سند ساتھ آنے لگی۔ تو ضروری تھا کہ پڑھنے والوں پر ان راویوں
کا حال بھی کھلا ہو جو اس حدیث کو آگے لانے کی ذمہ داری لیے ہوئے ہیں۔ سو حدیث کے لیے
جس طرح متن کو جاننا ضروری ہے۔ سند کو پہچاننا بھی ضروری ہے کہ اسماء الرجال کے علم کے بغیر
علم حدیث میں کوئی شخص کامیاب نہیں ہو سکتا۔ امام علی بن المدینی (۲۳۴ھ) کہتے ہیں :۔

الفقه فی معانی الحدیث نصف العلم و معرفة الرجال نصف العلم۔[1]

ترجمہ۔ معانی حدیث میں غور کرنا نصف علم ہے تو معرفت رجال بھی نصف علم ہے۔

---

[1] مقدمہ خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۲

⑤ راویوں کی جرح وتعدیل سے کیا مُراد ہے؟

راویوں کے حالات قابلِ اعتراض ہوں تو وہ روایت مجروح ہو جاتی ہے. جن الفاظ سے وہ اعتراضات سامنے آئیں وہ الفاظ جرح سمجھے جاتے ہیں اور جو الفاظ ان کی اچھی اور لائق اعتماد پوزیشن بتلائیں انہیں تعدیل کہا جاتا ہے۔

جرح کے معنی زخم کرنے کے ہیں. جرّاح اپریشن کرنے والے کو کہا جاتا ہے. تعدیل کا لفظ عدل سے ہے. جو روایت کے معیار پر پُورا اترنے کی خبر دیتا ہے اور برابر کے معنی میں ہے. جرح وتعدیل سے راویوں کے حالات پہچانے جاتے ہیں. راویوں کو پہچاننے میں سُستی برتی جائے اور اُن کی جانچ پڑتال پر محنت نہ کی جائے تو پُورے دین کے بگڑنے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے دین کی عظمت تقاضا کرتی ہے کہ اس کا کوئی مسئلہ پُوری تحقیق وتنقیح اور پُوری احتیاط کے بعد ہی طے ہونا چاہیئے۔

⑥ جرح وتعدیل کے عام الفاظ

یُوں تو الفاظ جرح وتعدیل بہت ہیں. انہیں اصطلاحات سے دُور رہ کر عام الفاظ میں بھی ذکر کیا جا سکتا ہے. تاہم اس باب میں جو الفاظ اب تک زیادہ مشہور ہوئے وہ یہ ہیں. پھر ان الفاظ کے بارے میں بھی بعض بعض ائمہ کے استعمالات مختلف ہیں لیکن موضوع کے عمومی تعارف کے لیئے ہم انہی الفاظ پر اکتفا کریں گے۔

الفاظ تعدیل

ثبت حجت	اُونچے درجہ میں قائم ہے یہاں تک کہ دوسروں کے لیئے سند ہے۔
ثبت حافظ	〃 〃 〃 خُوب یاد رکھنے والا ہے۔
ثبت متقن	〃 〃 〃 اور بہت مضبوط ہے۔
ثقہ ثقہ	بہت ہی قابلِ اعتماد ہے۔

ثقہ ـــــــــ قابل وثوق اور قابل اعتماد ہے۔

ثبت ـــــــــ اکھڑنے والا نہیں قائم رہنے والا ہے۔

صدوق ـــــــــ بہت سچا ہے۔

لا بأس بہ ـــــــــ اس میں کوئی جرح کی بات نہیں ہے۔

محلہ الصدق ـــــــــ سچائی والا ہے

جید الحدیث ـــــــــ حدیث روایت کرنے میں بہت اچھا ہے۔

صالح الحدیث ـــــــــ روایت میں اچھا ہے۔

الفاظ جرح

دجال ـــــــــ سخت دھوکے باز ہے۔ دجل حق اور باطل کے ملانے کو کہتے ہیں۔

کذاب ـــــــــ بہت جھوٹا ہے (یا غلط بات کہنے والا ہے)

وضاع ـــــــــ حدیثیں گھڑنے والا ہے۔

یضع الحدیث ـــــــــ حدیث گھڑتا ہے۔

متہم بالکذب ـــــــــ غلط بیانی سے متہم ہے۔

متروک ـــــــــ لائق ترک سمجھا گیا ہے۔

لیس بثقۃ ـــــــــ قابل بھروسہ نہیں ہے۔

سکتوا عنہ ـــــــــ اس کے بارے میں خاموش ہیں۔

ذاہب الحدیث ـــــــــ حدیث ضائع کرنے والا ہے۔

فیہ نظر ـــــــــ اس میں غور کی ضرورت ہے۔

ضعیف جدًا ـــــــــ بہت ہی کمزور ہے۔

ضعفوا ـــــــــ اس کو کمزور ٹھہرایا ہے۔

واہ ـــــــــ فضول ہے کمزور ہے

لیس بالقوی ـــــــــ روایت میں پختہ نہیں۔

ضعیف ــــــــــ روایت میں کمزور ہے۔
لیس بحجۃ ــــــــــ حجت کے درجہ میں نہیں۔
لیس بذاک ــــــــــ ٹھیک نہیں ہے۔
لین ــــــــــ یادداشت میں نرم ہے۔
سیئ الحفظ ــــــــــ یادداشت اچھی نہیں۔
لایحتج بہ ــــــــــ لائق حجت نہیں۔

جرح وتعدیل کے بڑے بڑے امام

یوں تو بڑے بڑے محدثین نے مختلف راویوں پر بحث کی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے بھی جابر جعفی پر جرح کی ہے۔ لیکن جو حضرات اس موضوع میں زیادہ معروف ہوئے۔ انہیں جرح وتعدیل کے امام کہیں تو بہت مناسب ہوگا۔ یہ حضرات اس باب میں بہت معروف رہے ہیں۔

① امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ (۱۶۰ھ) ⑤ علی بن المدینی (۲۳۴ھ)
② یحییٰ بن سعید القطان (۱۹۸ھ) ⑥ امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ)
③ عبدالرحمٰن بن مہدی (۱۹۸ھ) ⑦ امام نسائی (۳۰۳ھ)
④ یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ) ⑧ دارقطنی (۳۸۵ھ)

ان حضرات نے جرح وتعدیل کے قوانین وضع کیے۔ رواۃ حدیث کے درجات معلوم کیے اور ایک لاکھ کے قریب اشخاص کے حالات زندگی چھان مارے۔ یہی وہ حضرات ہیں جو علم نبی کو نکھار لائے۔ علماء اسلام کا ایسا عظیم علمی کارنامہ ہے۔ کہ اقوام عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

مولانا حالی نے اسی لیے کہا تھا ؎

گروہ ایک جویا تھا علم نبی کا ــــ لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا ــــ کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا

کیے جرح وتعدیل کے وضع قانون
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

اسی دُھن میں آساں کیا ہر سفر کو ۔۔۔ اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو
سُنا خازنِ علم دیں جس بشر کو ۔۔۔ لیا اس سے جا کر خبر اور اثر کو
پھر آپ اس کو پرکھا کسوٹی پہ رکھ کر
دیا اور کو خود مزہ اس کا چکھ کر

ان حضرات کی محنتیں اب ہمارے سامنے فن رجال کی مستقل کتابوں کی صورت میں بڑی وسعت سے موجود ہیں، ان میں سب سے زیادہ مرکزی حیثیت امام یحییٰ بن معین کی ہے۔

(۱) قال احمد کان ابن معین اعلمنا بالرجال[۱]

(۲) صار علماً یقتدی بہ فی الاخبار واماماً یرجع الیہ فی الآثار[۲]

(۳) حدثنی من لم تطلع الشمس علی اکبر منہ[۳]

اور ان میں سب سے کمزور امام دارقطنی ہیں، جو مخصوص فکر اور تعصب کے باعث بہت سے صحیح راویوں کو بھی ضعیف کہہ جاتے ہیں۔ علامہ بدرالدین العینی نے اس کی تصریح کی ہے۔ وقد روی فی سنند احادیث سقیمۃ ومعلولۃ ومنکرۃ وغریبۃ وموضوعۃ[۴]

کتبِ اسماء الرجال

پہلے دور کی اسماء الرجال کی کتابیں راویوں کے نہایت مختصر حالات کر لیئے ہوئے تھیں ابن عدی (۳۶۵ھ) اور ابو نعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) نے سب سے پہلے معلومات زیادہ حاصل کرنے کی طرف توجہ کی۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) ابن عبد البر (۴۶۳ھ) اور ابن عساکر دمشقی (۵۷۱ھ) نے ضخیم جلدوں میں بغداد اور دمشق کی تاریخیں لکھیں تو ان میں تقریباً سب اعیان و رجال کے تذکرے آ گئے ہیں۔

جہاں تک فنی حیثیت کا تعلق ہے سب سے پہلے حافظ عبد الغنی المقدسی (۶۰۰ھ) نے اس پر قلم اٹھایا اور الکمال فی اسماء الرجال لکھی۔ یہ اس باب میں سنگ میل کا حکم رکھتی ہے بعد کے آنے والے مصنفین رجال نے اسی پر آگے محنتیں کیں، اضافے کیئے۔ تلخیصات کیں، ترتیبیں

[۱] تذکرة الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۴۳۰ [۲] تہذیب الکمال جلد ۱ صفحہ ۴۲ [۳] تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۲۸۹ [۳] تاریخ بغداد جلد ۱۴ صفحہ ۱۸۱
[۴] عمدة القاری بشرح صحیح البخاری جلد ۳ صفحہ ۱۶۷

بدلیں، لیکن حق یہ ہے کہ اس کتاب کی مرکزی حیثیت سے کوئی نیا لکھنے والا مستغنی نہیں رہ سکا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

اب ہم علم رجال پر لکھی گئیں چند اہم کتابوں کا یہاں ذکر کرتے ہیں۔ زیادہ تر یہ وہی کتابیں ہیں جن سے ہمارے طلبہ کسی نہ کسی درجے میں پہلے سے مانوس ہیں۔

① رجال — یحییٰ بن سعید القطان (۱۹۸ھ)

② طبقات ابن سعد — ابن سعد (۲۳۰ھ)

③ معرفۃ الرجال — امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ)

④ تاریخ — امام بخاری (۲۵۶ھ)

نقد رجال کے یہ ابتدائی نقوش تھے۔ آگے ان میں کچھ وسعت پیدا ہوئی۔ اس دوسرے دور میں پانچ کتابیں زیادہ معروف ہوئیں۔

① کامل[1] — ابن عدی (۳۶۵ھ)

② تاریخ نیشاپور — ابونعیم اصفہانی (۴۳۰ھ)

③ تاریخ بغداد — خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) ۱۴ جلدوں میں ہے۔

④ الاستیعاب — ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ)

⑤ تاریخ دمشق — ابن عساکر (۵۷۱ھ) ۸ جلدوں میں ہے۔

ان کتابوں کی زیادہ حیثیت تاریخ کی ہے۔ مگر ان میں بہت سے رجال حدیث کا ذکر مل جاتا ہے۔ اس کے بعد علم اسماء الرجال ایک مستقل فن کی حیثیت میں مرتب ہوا۔ اس باب میں حافظ عبدالغنی المقدسی (۶۰۰ھ) سرفہرست ہیں۔

① حافظ عبدالغنی المقدسی دمشق کے رہنے والے تھے اور حنبلی المسلک تھے۔ آپ نے الکمال فی اسماء الرجال لکھی اور انہی کے نقوش و خطوط پر آگے کام ہوتا رہا۔ انہوں نے ابتدائی ایسٹیں چنیں

[1] دارقطنی کی رائے ہے کہ اسماء الرجال میں یہی ایک کتاب کافی ہے۔ ذہبی نے بھی اسے بے مثل کہا ہے

اور آگے آنے والوں نے ان پر دیواریں کھڑی کریں۔

(۲) آپ کے بعد حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف بن عبدالرحمن المزی (۷۴۲ھ) آئے۔ اور انہوں نے الکمال کو پھر سے بارہ جلدوں میں مرتب کیا اور اس کا نام تہذیب الکمال رکھا۔ آپ بھی دمشق کے رہنے والے تھے۔ لیکن مسلکاً شافعی تھے۔ آپ نے اس میں اور اہل فن سے بھی معلومات جمع فرمائیں۔

(۳) پھر حافظ المزی کے شاگرد جناب حافظ شمس الدین ذہبی (۷۴۸ھ) اٹھے اور انہوں نے تہذیب الکمال کو مختصر کر کے تذہیب التہذیب لکھی۔ اس کے علاوہ میزان الاعتدال اور سیر النبلاء اور تذکرۃ الحفاظ جیسی بلند پایہ کتابیں بھی لکھیں جو اپنے فن پر وقت کی لاجواب کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔

(۴) پھر شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی نے تذہیب التہذیب کو اپنے انداز میں مختصر کیا۔ اور تہذیب التہذیب[1] لکھی جو بارہ جلدوں میں ہے۔ پھر خود ہی اس کا خلاصہ تقریب التہذیب کے نام سے لکھا۔ اس کے علاوہ آپ نے لسان المیزان بھی لکھی۔ جو چھ ضخیم جلدوں میں ہے۔ اور حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔

(۵) پھر شیخ الاسلام حضرت علامہ بدرالدین عینی نے (۸۵۵ھ) معانی الاخیار من رجال شرح معانی الآثار لکھی[2] اور طحاوی کے رجال جمع کیے۔ تلخیص کشف الاستار کے نام سے علامہ ہاشم سندھی نے لکھی ہے جو دیوبند سے شائع ہو چکی ہے۔

(۶) ان کے بعد حافظ صفی الدین الخزرجی (۹۲۳ھ) نے خلاصہ تذہیب التہذیب الکمال لکھی۔ یہ کتاب مطبع کبرے بولاق سے (۱۳۰۱ھ) میں شائع ہوئی۔

---

[1] تہذیب التہذیب پر نظرثانی کی بہت ضرورت ہے۔ پہلی دفعہ حیدرآباد سے شائع ہوئی تھی۔ افسوس کہ اس پر کسی نے تحقیقی کام نہیں کیا۔ بہت سے اغلاط اس میں پائے جاتے ہیں۔ [2] محدث جلیل مولانا محمد ایوب مظاہری نے تراجم الاحبار من رجال شرح معانی الآثار چار ضخیم جلدوں میں لکھ کر علمی دنیا پر بڑا احسان کیا ہے۔ علم اسماء الرجال کی یہ وہ خدمت ہے جس کی نظیر پاک و ہند میں اس عہد میں نہیں ملتی۔ مکتبہ اشاعت العلوم سہارنپور نے اسے شائع کیا ہے۔

ہمارے دور میں علمائے اہلسنت کے ہاں تحقیق رجال میں زیادہ تر یہی کتابیں رائج ہیں ان کے علاوہ کچھ اور کتابیں بھی ہیں، جو گو خاص اسماء الرجال کے فن پر نہیں لکھی گئیں لیکن ان میں رجال حدیث کی بڑی تحقیقات مل جاتی ہیں. جیسے نصب الرایہ حافظ جمال الدین الزیلعی (۷۶۲ھ)

شیعہ کی کتب رجال

جس طرح شیعہ کی کتب حدیث علیحدہ ہیں ان کی اسماء الرجال کی کتابیں بھی علیحدہ ہیں. شیعہ حضرات جب ہماری کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ ان کے ہاں صحیح بخاری اور صحیح مسلم معتبر ہیں بلکہ محض اس لیے کہ وہ اپنے مخالفین پر حجت تمام کر سکیں. یہ بر سبیل مناظرہ نہیں بر سبیل مجادلہ ہوتا ہے. جس میں تحقیق نہیں الزام خصم پیش نظر ہوتا ہے.

یہ صحیح ہے کہ شیعہ کی کتب حدیث اپنی ہیں. انہیں اصول اربعہ کہتے ہیں ان کے رواۃ بھی اپنے ہیں اور ان کی کتب رجال بھی علیحدہ ہیں. ان اصول اربعہ کا ذکر ہم انشاء اللہ شیعہ علم حدیث کے عنوان میں کریں گے. یہاں ان کی بعض کتب رجال کا ذکر کیا جاتا ہے. تاکہ اہل سنت کی کتب رجال کے ساتھ کچھ شیعہ کتب رجال کا بھی تعارف ہو جائے اور شیعہ طلباء ان سے استفادہ کر سکیں.

(۱) ابو عمرو کشی (۳۷۰ھ کے قریب وفات پائی) ابن قولویہ (۳۶۹ھ) کا معاصر تھا. رجال کشی اس کی تالیف ہے. اور شیعہ کے ہاں بہت معتبر ہے.

(۲) علامہ نجاشی (۴۵۰ھ) نے رجال نجاشی لکھی. اس میں جا بجا رجال کشی کا ذکر بھی ملتا ہے[1] معلوم ہوتا ہے نجاشی کے پاس قدما کی لکھی گئی کتب رجال موجود تھیں. متعدد مقامات پر اس قسم کی عبارات ملتی ہیں:۔

ذکرہ اصحاب الرجال فی کتبھم (رجال کشی ص۸۱، ص۱۴۵، ص۲۲۳) ذکر ذالک ابو العباس فی کتاب الرجال (نجاشی ص۹۹) محمد بن الحسن بن علی کی بھی ایک کتاب الرجال کا پتہ ملتا ہے. (نجاشی ص۲۴۴) ایک جگہ یہ بھی ملتا ہے کہ حمزہ بن قاسم نے امام باقر کے رجال لکھے تھے (رجال نجاشی ص۱۰۱) تتمۃ المنتہی میں یہ کتاب ابن عقدہ (۳۳۲ھ) کی بتائی گئی ہے.

---

[1] دیکھئے رجال نجاشی ص۷، ص۱۰۱، ص۱۶۷

(۳) رجال طوسی (۴۶۰ھ) یہ محمد بن حسن طوسی تہذیب الاحکام اور الاستبصار کے مؤلف ہیں۔ ان کی ایک الفہرست بھی ہے۔ جو اسماء الرجال میں ہے۔ رجال طوسی اس کے علاوہ ہے۔

(۴) متاخرین میں محمد بن علی استرآبادی رجالی کے نام سے معروف ہیں۔

(۵) علامہ مامقانی کی کتاب تنقیح المقال شیعہ اسماء الرجال کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔

(۶) جامع الرواۃ دو ضخیم جلدوں میں ہے

شیعہ مراتب رجال

(۱) کل راوی ثقہ اور امامی ہوں تو حدیث فنی طور پر صحیح کہلائے گی یہ شیعہ اصطلاح ہے

(۲) کل راوی لائق مدح ہوں اور امامی ہوں تو حدیث فنی طور پر حسن کہلائے گی۔

(۳) راوی کچھ ممدوح ہوں کچھ ثقہ۔ تو بھی حدیث فنی طور پر حسن ہی کہی جائے گی۔

(۴) کل راوی ثقہ ہوں مگر امامی نہ ہوں تو حدیث قوی کہلائے گی، صحیح نہیں۔

(۵) کل راوی ثقات ہوں مگر بعض غیر امامی ہوں تو بھی حدیث قوی شمار ہوگی۔

(۶) بعض راوی ممدوح ہوں اور امامی اور بعض ثقہ ہوں اور غیر امامی۔ تو بھی حدیث قوی ہوگی۔

ان رجال میں راوی کا لائق مدح ہونا ایک مستقل صفت کے طور پر مذکور ہے۔ ثقہ کے الفاظ عام ہیں۔ امامی اور غیر امامی کا فرق بھی واضح ہے۔ امامی وہ لوگ ہیں جو آئمہ کی الہٰی امامت اور ان کی آسمانی بعثت کے قائل ہیں۔ شیعہ کے ہاں امامت نبوت کی طرح ایک آسمانی منصب ہے۔ ان کے ہاں امام بندگان خدا پر خدا کی حجت ہوتا ہے۔ جو اس نظریہ امامت کے قائل ہوں۔ وہ امامی کہلاتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ یہ سب کے سب ثقہ ہوں۔ ان میں ایسے بھی تھے جو آئمہ کے بہت گستاخ تھے بایں ہمہ وہ انکے مرکزی راوی سمجھے جاتے تھے۔

جو راوی امامی نہ ہوں مگر آئمہ کے حضور بڑے با ادب ہوں۔ انہیں امام معصوم نہ کہیں لیکن انہیں صلحاء اور اتقیاء میں سے جانتے ہوں اور ان کے پاس آتے جاتے ہوں اور ان سے روایت لیتے ہوں۔ یہ راوی ممدوح کہلاتے ہیں۔ اس سے مراد ان کا آئمہ کا نظر میں لائق قبول ہونا ہے۔

لہ جامع الرواۃ جلد ۲ صہ ۴۷

ضبط الاسماء

اسماء الرجال میں ضبط اسماء ایک نہایت دقیق راہ ہے۔ محدثین نے اس فن پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور الاسماء والکنیٰ کی فہرستیں مرتب کی ہیں۔ اس راہ کی مشکلات اساتذہ فن کے سماع کے بغیر مشکل سے حل ہوتی ہیں۔ تاہم چند قواعد معروض ہیں، تاکہ طلبہ اس باب میں بھی کچھ جھانک سکیں۔ پہلے دور میں عربی نقطوں کے بغیر لکھی جاتی تھی ان کے صرف اشارات ہوتے تھے۔ اس جہت سے ضبط اسماء میں بہت مشکلات محسوس کی جاتی تھیں۔ اَب نقطوں کی وجہ سے کچھ آسانی ہو گئی ہے۔ تاہم نمونہ کے طور پر چند قواعد بیان کئے جاتے ہیں۔ اس انداز میں اور اسماء بھی پوری طرح ضبط ہو سکتے ہیں ہم یہاں صرف پچیس ضبط اسماء ذکر کرتے ہیں:

۱۔ لفظ عیسی ــــــ کبھی عیشی بھی پڑھا جاتا ہے۔ اس وقت اس کی نسبت عیش کی طرف ہوتی ہے۔ اگر یہ بصریوں کی سند میں آئے تو اُسے عیشی پڑھا جائے کوفیوں کی سند میں آئے تو عیسیٰ بطورِ علم پڑھا جائے گا۔ شامیوں کی سند میں آئے تو لفظ عنسی ہوتا ہے۔ جہاں تصحیف لفظی ہو چکی ہو۔ وہاں ہر طرح پڑھنا روا ہوگا، جیسے عیسیٰ بن عیسیٰ الحباط دوسرا نام مسلم حباط ہے، اُسے حناط بھی پڑھا گیا ہے، اور حباط پتے اور کانٹے بیچنے والا ہے، حناط گندم کا تاجر اور خیاط سینے والے کو کہتے ہیں۔ سکھنے میں یہ الفاظ متقارب ہیں۔

۲۔ لفظ سلام جہاں بھی آئے اُسے تشدید کے ساتھ سلّام پڑھیں کہ اس میں صرف پانچ استثناء میں ہیں۔ جہاں تخفیف لازم ہے:

(۱) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) محمد بن سلام بیکندی۔ (۳) سلام بن محمد المقدسی (۴) عبدالوہاب بن سلام (مغربی) (۵) سلام بن ابی الحقیق

۳۔ عُمارہ ـــــ ہمیشہ پیش (ضمہ) سے پڑھیں البتہ ابی بن عمارہ میں عین زیر (کسرہ) سے پڑھیں۔

۴۔ کریز کا نام آئے تو قبیلہ معلوم کرو۔ اگر خزاعی ہے تو کَریز (بالفتح) پڑھیں گے عبشمی ہے تو کُرَیز ضمہ کے ساتھ (بطور تصغیر) پڑھیں۔

۵۔ حزام کا لفظ ہو۔ اگر قریش میں سے ہو تو حِزام پڑھا جائے گا۔ اگر انصاری سے ہے تو اسے حَرام پڑھیں گے۔

۶۔ عِسل میں عین زیر کسرہ کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ ہاں عَسَل زکوان میں عین اور سین زبر سے پڑھیں۔

۷۔ کبھی لفظ غنام اور عثام ایک جیسے لکھے ملتے ہیں۔ دونوں میں پہلا حرف مفتوح اور دوسرا مشدّد ہوگا۔ عثام بن علی عامر کوفی کا نام ہے۔

۸۔ اگر لفظ قمیرا آئے تو یہ تصغیر سے پڑھا جائے گا۔ اگر قمیر کا لفظ کسی عورت کے لئے ہو تو اُسے طویل کے وزن سے پڑھیں گے۔

۹۔ مِسور نام مِضرب کے وزن پر ہے۔ دو نام اس قاعدہ سے باہر ہیں۔

(۱) مُسَوّر بن یزید (صحابی) (۲) مُسَوّر بن عبدالملک

۱۰۔ براء بن عازب میں براء تخفیف سے ہے۔ تشدید سے نہیں۔ لفظ براء جہاں بھی ہو اسی طرح پڑھا جائے۔ سوائے دو جگہ کے۔ (۱) برّاء ابوالعالیہ (۲) برّاء ابوالمعشری۔ یہاں دونوں جگہ تشدید سے پڑھیں گے۔

۱۱۔ جریر لکھنے میں حریز سے متشابہ ہوگا۔ کوفہ کے حُریز بن عثمان رحبی اور حریز عبداللہ بن حسین کے سوا یہ لفظ "جریر" جیم اور راء سے ہی پڑھا جائے گا۔

۱۲۔ حارثہ میں حا کی زبر اور راء کی زیر ہے۔ جب نقطے نہ ہوں تو جاریہ بھی اس سے متشابہ ہوگا: (۱) جاریہ بن قدا (۲) یزید بن جاریہ (۳) اسید بن جاریہ (۴) علاء بن جاریہ۔ انہیں حارثہ نہ پڑھا جائے گا۔

۱۳۔ خِراش میں خساء ہے۔ ربعی بن حراش میں حاء ہے۔

۱۴۔ حُصَین جہاں بھی ہو تصغیر سے پڑھیں۔ سوائے ایک راوی عثمان نام کے لئے ابو حَصِین (بروزن طویل) پڑھیں گے۔ حضین بن منذر دوسرا راوی ہے جس کے نام میں حاء و زیر سے ہے۔

۱۵۔ حازم سے خازم نام ملتا جلتا ہے۔ ابو معاویہ کے ساتھ یہ نام آئے تو خازم ہے۔ یہ اعمش کوفی کے شاگرد تھے۔

۱۶۔ حَبّان پانچ مقامات پر حاء کی زبر اور باء کی تشدید سے ہے۔ (۱) حبان بن منقذ۔ (۲) یحییٰ بن حبان (۳) حبان واسع کا دادا حبان (۴) حبان بن ہلال۔ (۵) حبان واسع ——— تین جگہ حبان کسرہ سے پڑھیں: (۱) حِبان بن موسیٰ۔ (۲) حِبان بن عرفہ (۳) حِبان عطیہ۔

۱۷۔ حبیب کو تین جگہ تصغیر سے پڑھیں: (۱) حبیب بن عدی (۲) حبیب عبدالرحمٰن۔ (۳) حبیب عبداللہ۔

۱۸۔ حکیم دو جگہ تصغیر سے پڑھا گیا ہے: (۱) الزیق بن حکیم (۲) حکیم بن عبداللہ۔ اس کے سوا اُسے جہاں پڑھیں حکیم بروزن طویل پڑھیں گے۔

۱۹۔ زبید اور زبید بغیر نقطے کے لکھے جائیں تو ایک جیسے ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ لفظ آئے تو تصغیر کے طور پر زبید پڑھا جائے گا۔ ہاں موطا امام مالکؒ میں اُسے زید کی تصغیر کے طور پر زبید پڑھیں گے۔

۲۰۔ سلیم کو تصغیر کے ساتھ سُلیم پڑھا جائے۔ لیکن سلیم بن حبان میں سلیم طویل کے وزن پر ہے۔ سَلم میں لام ہمیشہ ساکن پڑھا جائے گا۔

۲۱۔ قاضی شریح کا نام کس نے نہ سنا ہو گا۔ یہ شین کی پیش کے ساتھ ہے اور تیسرا صرف حساء ہے لیکن تین ناموں میں حاء نہیں جیم ہے۔ سریج بن یونس، سریج بن نعمان اور ابو سریج میں

۲۲۔ سلمان فارسی، سلمان بن عامر، عبدالرحمان بن سلمان، سلمان اغر، سلمان ابو حازم رجاء بن سلمان کے علاوہ یہ لفظ سلیمان ہے : حماد بن ابی سلیمان کوفہ کے مشہور استاذ
۲۳۔ سَلَمہ کا نام جہاں ہوگا۔ سین اور لام دونوں پر زبر آئے گی مگر عمر بن سلمہ جرمی میں لام کے نیچے زیر پڑھیں گے۔ انصار کے قبیلہ بنو سلمہ میں بھی لام سین کے ساتھ ہوگا۔
۲۴۔ عُبَیدہ تصغیر کے وزن پر ہوگا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد عَبیدہ، عَبیدہ بن حُمید عَبیدہ بن سفیان اور عامر بن عَبیدہ باہلی میں یہ تصغیر کیساتھ نہ پڑھا جائیگا۔
۲۵۔ حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی سے کون واقف نہیں۔ اس میں عُبادہ عین کی پیش (ضمہ) کے ساتھ ہے۔ یہ لفظ جہاں بھی آئے گا۔ عین کی پیش اور باء کی تخفیف سے آئیگا (تشدید سے نہیں) ہاں محمد بن عَبادہ میں عین زبر کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ عبّاد اکیلا ہو تو عین کی زبر اور باء کی تشدید ہوگی۔ صرف قیس بن عُباد میں عین پیش کے ساتھ اور باء تخفیف سے ہے ——— عبدہ جہاں ہوگا عین کی زبر ہوگی اور باء ساکن ہوگی، البتہ عامر بن عَبَدہ اور بجالہ بن عَبَدہ میں عین اور باء زبر کیساتھ
۲۶۔ عُقَیل کا لفظ جہاں بھی ہو۔ طویل کے وزن میں پڑھا جائے۔ ہاں امام زہری کے شاگرد عُقیل بن خالد اور یحییٰ بن عُقیل میں انہیں تصغیر کے ساتھ پڑھیں گے۔ عقیل ایک قبیلہ کا نام بھی ہے۔ ان تینوں کے سوا اسے صفت مشبہ کے وزن پر پڑھا جائیگا۔

حافظ ابو اسحٰق ابراہیم بن عبداللہ البخری اس فن کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اولی الاشیاء بالضبط اسماء الناس لانہ شیٔ لایدخلہ القیاس ولاقبلہ شیٔ ولابعدہ شیٔ یدل علیہ[1]

ترجمہ: ضبط کے اعتبار سے سب سے اہم لوگوں (راویوں) کے نام ہیں کیونکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس میں قیاس کا کوئی دخل نہیں اور نہ اس سے پہلے اور اس کے بعد کوئی ایسی چیز ہے جو اس پر (نام پر) دلالت کر سکے۔

حافظ ذہبی کی تذہیب التہذیب کے مقدمہ میں امام علی المدینی (م ۲۳۴ھ) سے منقول ہے:

الفقہ فی معانی الحدیث نصف العلم ومعرفۃ الرجال نصف العلم[2]

---

[1] المؤتلف والمختلف ص۲ للحافظ عبدالغنی الازدی المصری (۴۰۹ھ) [2] مقدمہ خلاصہ تہذیب الکمال ص۳

شیعہ اور علم حدیث

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد

تاریخ اسلام میں عامۃ المسلمین اس علمی زینہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے ہیں جس کی بحث ہم تدوین حدیث میں کر آئے ہیں۔ شیعہ علماء اس علمی رسائی میں عامہ اہل اسلام کے ساتھ نہیں وہ اس پورے سلسلے پر اعتماد نہیں کرتے اگر وہ کہیں ان کتابوں سے حوالہ پیش کرتے ہیں تو وہ محض الزاماً ہوتا ہے ان کا علم حدیث ایک متوازی سلسلہ ہے جو چوتھی صدی سے شروع ہوا ان کا پہلا مرکزی محدث ملا محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) ہے کلین بغداد کے ایک محلہ کا نام ہے علامہ کلینی نے شیعہ عقیدہ کے مطابق امام منتظر (محمد بن حسن المهدی) کی غیبت صغریٰ کا دور پایا ہے اور حضرت امام نے اپنے پہلے ظہور میں ان کی کتاب الکافی کی پوری تصدیق کی ہے[1] اس کا کافی نام حضرت امام کی تصدیق ھٰذا کافٍ لشیعتنا سے ماخوذ ہے اس سے اس کتاب کی عظمت اور بڑھ جاتی ہے اور اس کا لفظ لفظ شیعہ حضرات کے لئے سند بن جاتا ہے۔

بارہویں امام محمد بن حسن المهدی (۲۵۶ھ) میں پیدا ہوئے یہ سن عامۃ کے مرکزی محدث امام بخاریؒ کا سال وفات ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ علماء اہل السنۃ والجماعۃ تدوین حدیث میں شیعہ علماء سے بہت پہلے اپنے کمال کو پہنچ چکے تھے شیعہ علماء ہنوز اپنے آئمہ معصومین امام تقی محمد بن علی بن موسیٰ الجواد (۲۲۰ھ) امام نقی علی بن محمد ابوالحسن الثالث (۲۵۴ھ) سے فیضیاب ہو رہے تھے اور ان کی حدیثیں ابھی املاء میں تھیں کہ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) اپنا شاہکار الجامع الصحیح المسند (صحیح بخاری) مکمل کر چکے تھے۔

علامہ کلینی (۳۲۸ھ) نے جب اپنی کتاب الکافی مکمل کی اس وقت اہل السنۃ والجماعۃ کے امام حدیث امام ابوجعفر الطحاوی (۳۲۱ھ) ان کے ہم عصر تھے علامہ کلینی کی ان کے برابر شہرت نہ تھی۔

---

[1] مزید دیکھئے منتھی المقال صفحہ ۲۹۸ الصافی جلد ۱ صفحہ ۴ مستدرک الوسائل جلد ۳ صفحہ ۵۳۲

[2] روضات الجنات صفحہ ۵۵۳ حاشیہ اصول کافی جلد نمبر ۱ صفحہ ۲۵

کیونکہ انہیں ان کے خاص حالات میں تقیہ کے پردے میں رہنا پڑتا تھا۔ آئمہ اہل سنت کھلے بندوں اپنی روایات کی جمع و تدوین اور شرح و تطبیق کے درپے تھے اور شیعہ کے ہاں اس قسم کی کھلی آزادی نہ تھی تاہم یہ صحیح ہے کہ اس دور میں اس کتاب (کافی کلینی) کے ذریعے اثنا عشری شیعہ مذہب پہلی مرتبہ مرتب ہوا اور جو علماء بھی اس کتاب پر مطلع ہوئے۔ شیعہ مذہب اپنی مذہبی شکل میں اب ان کے سامنے بالکل واضح تھا۔ آئمہ اہل سنت ابوالحسن الاشعری (۳۲۴ھ) اور ابو المنصور الماتریدی (۳۳۳ھ) اس دور میں اُٹھے اور انہوں نے عقائد اہل السنت کے گرد حفاظتی بند باندھے۔ یہ وہ دور تھا جب شیعہ مذہب پہلی مرتبہ مرتب ہو کر ایک علمی شکل میں عوام کے سامنے آیا۔

شیعہ کے اصول اربعہ

جس طرح اہل سنت والجماعت کے ہاں صحاح ستہ مرکزی کتب حدیث سمجھی جاتی ہیں شیعہ کے ہاں اُصول اربعہ ہیں جو تین محمد نامی محدثین کی تالیفات ہیں یہ مؤلفین محمدین ثلاثہ (تین محمد) کے نام سے معروف ہیں۔ شیعہ علم حدیث کا انہی پہ مدار ہے۔ محمدین ثلثہ کے دیگر اقران میں مؤلف نہج البلاغہ شریف رضی (۴۰۴ھ) شیخ مفید (۴۱۳ھ) اور علم الہدیٰ سید مرتضیٰ (۴۳۶ھ) بھی معروف ہیں۔ ان حضرات کی تالیفات بھی اسی نہج پہ مرتب ہوئیں مگر یہ شیعہ علماء کے ہاں اُصول اربعہ کے درجہ میں نہیں

اُصول اربعہ کے ابتدائی ماخذ

یہ درست ہے کہ ان قدماء شیعہ کے پاس بہت سے ابتدائی مسودے تھے جو مختلف لوگوں نے آئمہ کی مجالس سے مرتب کئے تھے اور ان کی نقل و املاء سے شیعہ مذہب اندر ہی اندر ترتیب پا رہا تھا۔ ایسی تحریریں ان کے پاس چار سو کے قریب بتائی جاتی ہیں جن سے یہ

اُصول اربعہ مرتب ہوئے۔ کافی کلینی سے پتہ چلتا ہے کہ ائمہ بھی حدیثیں لکھتے رہے ہیں[1] اور دوسروں کی لکھی کی تصحیح بھی کرتے رہے ہیں[2]۔ یونس نے کتاب الدیات امام رضا کو سنائی[3]۔ کتاب الفرائض بھی آپ پر پڑھی گئی[4]۔ آئمہ حدیثوں کی تصحیح بھی کرتے تھے۔ امام رضا اپنے ایک شاگرد کو ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں اروہ فانہ صحیح[5] اسے روایت کرو یہ بلاشبہ صحیح ہے۔ امام زین العابدین کی تقریر قلم بند کی جاتی تھی[6]۔ ظاہر ہے اس میں احادیث کس قدر ہوتی ہوں گی امام باقر کا مسائل لکھنا[7]۔ دسویں امام الہادی ابوالحسن الثالث کا مسائل کا لکھنا[8] یہ بھی کافی کلینی میں مذکور ہے رجال کشی میں ہے یونس بن عبدالرحمٰن کی کتاب یوم ولیلۃ امام رضا کی نظر سے گزری[8]۔ کافی کلینی میں ساتویں امام موسیٰ کاظم کے ایک رسالہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔[9] امام زین العابدین کے ایک صحیفہ کا ذکر روضہ کافی جلد ۸ صفحہ ۱۴ پر ملتا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ امام نے اسے صحیح فرمایا ہے۔ اصول کافی میں بھی اس طرف ایک اشارہ موجود ہے[10]

شیعہ علماء لکھتے ہیں کہ چار سو کے قریب ایسے مصنف تھے جو اصول کہلاتے تھے۔ محدثین ثلاثہ نے انہی کی مدد سے یہ اصول اربعہ مرتب کئے ہیں۔ جن پر آج شیعہ علم حدیث کا مدار ہے۔ علامہ مامقانی لکھتے ہیں۔ دیکھئے یہ کتاب مذکور ہے۔

استقرار الامامیۃ علی اربعمائۃ مصنف سموھا اصولا[11]

الکافی میں زرارہ کے ایک پوتا شاگرد موسیٰ بن بکیر کی کتاب کا بھی پتہ ملتا ہے[12]

---

[1] آٹھویں امام رضا کی تحریرات کے لئے دیکھئے اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۹۶۔ دوسرے ائمہ کی تحریرات کا پتہ اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۲۲۷، صفحہ ۵۳۳ فروع کافی جلد ۳ صفحہ ۲۸۲ جلد ۴ صفحہ ۳۶۷ جلد ۷ صفحہ ۱۹۳ صفحہ ۲۲۸، ۲۳۸، ۲۹۷، ۳۸۱، ۲۱۴ سے ملتا ہے۔ حضرت علیؓ کا تحریر کردہ مسودہ کتاب علی کے نام سے جگہ جگہ ملتا ہے۔ دیکھئے اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۴۱، ۵۷، ۲۴، ۲۴۲، ۴۰۷ جلد ۲ صفحہ ۱۳۶، ۲۷۸، ۲۵۹، ۲۴۴، ۶۶۶ فروع کافی جلد ۳ صفحہ ۹، ۲۱، ۱۷۵، ۳۹۷، ۵۰۵، ۵۳۹ جلد ۴ صفحہ ۳۶۸، ۳۸۹، ۳۹۰، جلد ۵ صفحہ ۱۳۶، ۲۷۹، ۴۱۱ ۵ چھٹی ساتویں جلدمیں اس کتاب کے بہت حوالے ملتے ہیں جلد ۸ روضہ کافی صفحہ ۱۳۱، ۲۹۵، ۱۶۳، ۲۳۳ میں بھی اس کتاب کا حوالہ ملتا ہے۔ معانی الاخبار کے پہلے صفحہ پر بھی کتاب علی کا ذکر ہے استبصار جلد ۴ صفحہ ۲۸۹ پر بھی دیکھئے یہ کتاب مذکور ہے۔

[2] فروع کافی جلد ۷ صفحہ ۳۱۱ [3] فروع کافی جلد ۷ صفحہ ۳۳۰ [4] جلد ۷ صفحہ ۳۲۴، ۳۲۷ [5] روضہ کافی جلد ۸ صفحہ ۲۷، [6] فروع کافی جلد ۷ صفحہ ۲۲۸ [7] جلد ۷ صفحہ ۲۳۸ [8] رجال کشی صفحہ ۴۰۹ [9] فروع کافی جلد ۷ صفحہ ۳۸۱، ۳۱۴ [10] دیکھئے اصول کافی ۲ صفحہ ۲۸۲ [11] رجال مامقانی جلد ۳ صفحہ ۴ ۱۸ علامہ تقی مجلسی بھی شرح الفقیہ جلد ۱ صفحہ ۵۹۱ ان کا ذکر کرتے ہیں۔ [12] فروع کافی صفحہ ۹۷ جلد ۷

علامہ کلینی کی ابو بصیر سے ملاقات نہیں ہوئی مگر وہ ان سے روایت لیتے ہیں یہ سب ابو بصیر کی تحریرات سے لیا معلوم ہوتا ہے۔ شیخ مفید اور شیخ صدوق کلینی سے روایت کرتے ہیں۔ حالانکہ دونوں کی کلینی سے ملاقات ثابت نہیں۔ شیعہ علماء ایسے تمام مباحث میں ان مسودوں پر جو درج کرتے ہیں۔ جو ان کے ہاں اصل سمجھے جاتے تھے۔ امام باقر کتابوں سے روایت کرنا جائز بتاتے تھے۔

ان الکلینی روی عن ابی بصیر مع انہ لم یلاقہ والشیخ والصدوق رویا عن الکلینی مع انہما لم یلاقاہ وامثال ھذا کثیر فھم یروون عن الاصول التی لھم[۱]

ترجمہ:۔ کلینی نے ابو بصیر سے احادیث روایت کی ہیں حالانکہ اس کی اس سے ملاقات نہیں ہوئی اسی طرح شیخ الطائفہ، صدوق نے کلینی سے احادیث روایت کی ہیں اور ان کی کلینی سے ملاقات ثابت نہیں اور اس جیسی اور بھی مثالیں ہیں۔ سو یہ لوگ (اصل محدث سے نہیں) ان کتابوں سے روایت کرتے ہیں جو ان کے پاس اصل کے درجہ میں تھیں۔

اصول اربعہ اور ان کی شروح

۱۔ **الکافی** ۔ یہ کتاب کافی کلینی کے نام سے موسوم ہے پہلی دو جلدیں اصول کافی کی ہیں اگلی جلدیں فروع کافی اور آٹھویں جلد روضہ کافی کے نام سے موسوم ہے۔ الکافی کی مختلف شروح لکھی گئیں۔ فارسی شروح میں ملا خلیل قزوینی (۱۰۸۹ھ) کی شرح جامع ہے۔ عربی شروح میں مراۃ العقول فی شرح اخبار الرسول۔ ملا باقر مجلسی (۱۱۱۰ھ) کی مفصل شرح ہے۔

شیخ مفید (۴۱۳ھ) اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

هو من اجل کتب الشیعہ واکثرها فائدۃ[۲]

ملا فیض کاشانی لکھتے ہیں:۔

اشرفها واوثقها واتمها واجمعها لاشتمالہ علی الاصول من بینها وخلوه من الفضول وشینها[۳]

---

[۱] اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۳۸۱ [۲] حاشیہ فروغ کافی جلد ۴ صفحہ ۵۰۷ اسناد الراوی الی وجدہ فی کتاب ولم یسمعہ من محدث حاشیہ فروغ کافی جلد ۳ صفحہ ۱۰۱ [۳] تصحیح الاعتقاد صفحہ ۲۷ [۴] الوافی جلد ۱ صفحہ ۶ طبع طہران

ترجمہ :- ان تمام کتب میں یہ اشرف ہے اوثق ہے کامل ہے اور اجمع ہے سب اصول کو شامل ہے اور ہر زائد اور عیب سے خالی ہے۔

۲۔ **من لا یحضرہ الفقیہ** علامہ محمد بن بابویہ القمی (۳۸۱ھ) کی تالیف ہے۔ دو ضخیم جلدوں میں ہے دونوں جلدیں یکجا مجلد ملتی ہیں۔ مؤلف کے ہمعصر علمائے اہل السنت والجماعت میں حافظ ابو الشیخ اصبہانی (۳۶۹ھ) اور علامہ خطابی (۳۸۸ھ) مشہور محدث گزرے ہیں۔

اس کی مشہور ترین فارسی شرح ملا محمد تقی مجلسی (۱۰۷۰ھ) نے کی ہے جو شرح الفقیہ کے نام سے موسوم ہے اور ضخیم جلدوں میں ہے۔ اسے لوامع صاحبقرانی بھی کہتے ہیں۔

۳۔ **تہذیب الاحکام** ابو جعفر محمد بن حسن الطوسی (۴۶۰ھ) کی تالیف ہے۔ ایران کی قدیم طبع، بڑی تقطیع کی دو ضخیم جلدوں میں ہے احادیث احکام کا بڑا شیعی ذخیرہ ہے مؤلف کے ہمعصر سنی محدثین میں حافظ ابوبکر البیہقی (۴۵۸ھ) علامہ ابن البر مالکی (۴۶۳ھ) خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) مشہور شخصیتیں ہیں۔ ابن حزم (۴۵۶ھ) بھی اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ تہذیب کی سند سے علمائے شیعہ نے کئی جگہ کافی کی سند کی بھی تصحیح کی ہے [۱] اس سے ان کے ہاں اس کتاب کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کی احادیث ساڑھے تیرہ ہزار کے قریب ہیں۔ قاضی نور اللہ شوستری (۱۰۱۹ھ) نے تہذیب الاحکام کے نام سے اس کی شرح لکھی ہے۔ علامہ تقی مجلسی (۱۰۷۰ھ) نے احیار الاحادیث کے نام سے اور ملا باقر مجلسی نے ملاذ الاخیار کے نام سے اس کی شروح لکھی ہیں۔

۴۔ **الاستبصار فیما اختلف من الاخبار** ابو جعفر محمد بن حسن طوسی کی تالیف ہے۔ مؤلف نے روایات متعارضہ کو جمع کیا ہے۔ اور ان میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے یہ تین جلدوں میں ہے پہلی دو جلدیں عبادات پر ہیں۔ تیسری میں دیگر معاملات اور عقود و احکام ہیں۔

شیعہ اقسام حدیث

جس طرح شیعہ علم حدیث اہل سنت علم حدیث کے مقابل بالکل ایک متوازی راہ ہے ان کی اصطلاحات بھی عامۃ المحدثین سے مختلف ہیں [۲] ـــــــــ

انکے ہاں فائدہ رابعہ کے تحت احادیث کی یہ قسمیں بتائی گئی ہیں۔

---

[۱] دیکھئے کافی کلینی جلد ۵ صفحہ ۱۴۴، ۲۱۲، [۲] دیکھئے جامع الرواۃ جلد ۲ صفحہ ۴۷۰ پر

تمام راوی ثقہ ہوں اور عقیدہ امامت رکھتے ہوں۔ ان کی حدیث صحیح شمار ہوگی۔ راوی امامی ہوں مگر ثقہ نہ ہوں، ہاں ممدوح ہوں تو ان کی روایت حدیث حسن سمجھی جائے گی۔ بعض رواۃ ثقہ ہوں اور بعض ممدوح تو بھی حدیث حسن رہے گی۔۔۔ ہاں راوی سب کے سب ثقہ ہوں، مگر عقیدہ امامت نہ رکھتے ہوں تو ان کی حدیث قوی شمار ہوگی۔ بعض راوی امامی ہوں اور بعض غیر امامی مگر ہوں سب کے سب ثقہ تو بھی حدیث قوی سمجھی جائے گی۔۔۔۔ کسی حدیث کے بعض راوی ممدوح ہوں اور امامی ہوں اور بعض دوسرے راوی ثقہ ہوں، مگر غیر امامی ہوں تو بھی حدیث قوی ٹھہرے گی۔ ضعیف راویوں کی روایت البتہ ضعیف ہوگی۔ حدیث ضعیف کی مثال الکافی جلد ۳ صفحہ ۱۰۵ میں دیکھئے۔ داؤد الرقی اور یعقوب بن سالم میں ضعف الکافی جلد ۲ صفحہ ۱۲۴ پر دیکھیں۔ عباد بن صہیب اور سکونی میں سند کا ضعف الکافی ۳ صفحہ ۱۲ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اہل سنت کے ہاں کسی راوی کے بارے میں یہ پتہ چلے کہ وہ عمداً غلط بیانی کرتا ہے تو اس کی روایت قابل اعتماد نہیں رہتی۔ لیکن شیعہ کے ہاں اس سے روایت مسترد نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے وہ تقیہ کے تحت ایسا کر رہا ہو۔ اور تقیہ ان کے ہاں ہر بات میں ہوسکتا ہے۔ اس صورت حال میں ان کے علماء زیادہ تر گرد ہی اعتماد پر فیصلہ کرتے ہیں۔

آئمہ شیعہ کے ہاں اٹھنے بیٹھنے والے سب کے سب امامی نہ تھے وہ حضرات انہیں علماء، نیکو کار اور صلحاء امت سمجھ کر ان کی مجلسوں میں آتے اور ان سے مستفید ہوتے تھے ان حضرات کا عقیدہ ان بزرگوں کے بارے میں وہی تھا جو آج کے اہل سنت کا ہے یہ لوگ اسی نظریہ سے ان کی مجالس میں حاضری دیتے تھے آئمہ حضرات بھی انہیں مومن سمجھتے تھے۔ اور ان کی عدالت کے معترف رہتے تھے۔ ملا محمد باقر مجلسی (۱۱۱۰ھ) لکھتے ہیں۔

"جمعے از راویان کہ در اعصار ائمہ بودہ اند از شیعیان اعتقاد بعصمت ایشان نداشتہ اند بلکہ ایشان را از علمائے نیکو کار میدانستہ اند چنانچہ از رجال کشی ظاہر مے شود و مع ذلک ائمہ حکم بایمان بلکہ بعدالت ایشاں مے کردہ اند" [1]

---

[1] حق الیقین صفحہ ۵۲۴ مطبع ایران

ترجمہ:۔ بہت سے شیعہ راویان حدیث جو ائمہ کے ہمعصر ہوئے ان کے معصوم ہونے کا عقیدہ نہ رکھتے تھے اس کی بجائے وہ انہیں علمائے نیکوکاریں سے جانتے تھے۔ رجال کشی سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اس کے باوجود ائمہ کرام انہیں مومن سمجھتے تھے اور انہیں عادل راوی جانتے رہے ہیں۔

الحاصل شیعہ کتب حدیث میں وہ رواۃ بے شمار ہیں جو امامی نہ تھے۔ ائمہ کا عام طریقہ بھی یہی رہا کہ قبول روایت کے لئے راویوں میں امامی ہونے کی شرط نہ رکھی جائے۔ آج شیعہ علماء جن کتابوں پر اعتماد رکھتے ہیں وہ سب ملے جلے راویوں کا مجموعہ ہیں۔ اصول کافی تو اس لئے ہر جرح سے نکل گئی کہ اسے امام منتظر محمد بن حسن امام مہدی نے پسند فرمایا اور باقی تین کتابیں اس لئے اصول ٹھہریں کہ ان پر اثنا عشری شیعوں کے معتمد اور مسلم علماء نے اظہار اعتماد کیا یہ صحیح ہے کہ ان میں بعض ایسی روایات بھی ہیں جو تقیہ پر مبنی ہیں لیکن تقیہ سے یکسر علیحدہ ہو کر بھی تو شیعہ مذہب کا کوئی خاکہ طے نہیں کیا جاسکتا۔

متاخرین شیعہ پر اس سلسلہ میں بہت مشکلات آئیں۔ ان روایات کی جانچ پڑتال میں انہیں بہت مشقت کا سامنا کرنا پڑا۔ تقیہ کی روایات کو دوسری روایات سے نکھارنا کچھ کم مشکل راہ نہ تھی ان کے بعض متاخرین نے اپنے علم حدیث پر قلم اٹھایا اور محنت شاقہ کی۔ ان میں محمد بن علی موسوی صاحب المدارک (۱۰۰۹ھ) زین الدین بحرانی (۱۰۶۴ھ) محمد بن علی استر بادی رجالی (۱۰۲۸ھ) شہید ثانی زین الدین عاملی (۱۰۳۲ھ) میر محمد باقر داماد (۱۰۴۱ھ)۔ قاضی نور اللہ شوستری (۱۰۱۹ھ) ملا فیض صاحب الوافی (۱۰۹۱ھ) ملا تقی مجلسی (۱۰۷۰ھ) ملا باقر مجلسی (۱۱۱۰ھ) ملا محسن کاشانی (۱۱۱۲ھ) نعمت اللہ الجزائری (۱۱۱۲ھ) اور محمد باقر خوانساری صاحب روضات الجنات اور مرزا حسین نوری صاحب مستدرک الوسائل بہت ممتاز ہیں۔

صحاح ستہ اور اُصول اربعہ میں فرق روایت

جس طرح اہل السنۃ والجماعۃ کی صحاح ستہ اپنے مؤلفین سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں ان سے لے کر اب تک ہزاروں راوی انہیں نقل کرتے آئے ہیں شیعہ اصول اربعہ اس

شہرت و تواتر سے اپنے مؤلفین سے آگے نہ نکل سکیں شیعہ علماء کو تقیہ کی کٹھن منزلوں سے گزرنا ہوتا تھا۔ اور بسا اوقات اپنے کو بھی چھپانا پڑتا تھا ان حالات میں ان کتابوں کا درس اس انداز سے نہ چل سکا جس طرح صحاح ستہ کا دورۂ حدیث چلا اور اب تک چل رہا ہے

ہاں اس میں شبہ نہیں کہ شیعہ علماء نے اپنے خاص حلقوں میں ان کتابوں کی نقل و املاء برابر جاری رکھی۔ حلقہ خاصہ کا انہیں برابر اعتماد حاصل رہا۔ لیکن ظاہر ہے کہ انہیں اس قسم کا تواتر و یقین میسر نہ آسکتا تھا۔ جو تلبس تقیہ کے بغیر کسی قوم کو حاصل ہوسکتا ہے یہاں تک کہ ان کے ائمہ بھی اپنے گرد ایسا ماحول نہ بنا سکے۔ جو صرف امامی تلامذہ کا ہو۔ بلکہ ان کے گرد جمع ہونے والے شیعہ بھی سب کے سب امامی نہ ہوتے تھے۔

ان حالات میں واضح ہے کہ شیعہ مذہب میں حدیث قواعد و کتب کے گرد نہیں اپنی خاص شخصیات کے گرد گھومتی ہے ان کے ہاں علماء اور مجتہدین قواعد و کتب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ پھر ان کے ہاں کسی فوت شدہ کی تقلید بھی تو نہیں۔ جس پر گذشتہ فتووں کی ان پر کوئی ذمہ داری آئے۔ ہر زندہ مجتہد نئے مقلدین کا سردار ہوتا ہے اور اسی پر ان کے سارے دین و مذہب کا مدار ——— شیعہ طلبہ کی راہنمائی کے لئے ہم نے اُن کے گھر کا خاکہ پیش کیا ہے۔

زندہ علماء میں اتفاق رہے تو انہیں کتابوں سے زیادہ اہمیت دی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر یہ اختلاف راہ پا جائے اور علماء مختلف فرقوں میں بٹ جائیں تو پھر صرف کتابیں فیصلہ کن رول ادا کر سکتی ہیں۔ پہلے دور اس زمانے کی نسبت خیر کے تھے۔ اس زمانے میں زبانی اعتماد پر بہت کام کیا جاسکتا تھا۔ لیکن اس زمانے میں جو شر و فساد اور طمع و اغراض کا دور ہے اور ظاہر ہے کہ کئی علماء بھی اسی شر کو شکار ہوں گے۔ سو اگر کسی قوم کو زندہ علماء کے سپرد کر دیا جائے اور انہیں ان کی تقلید کا پابند کیا جائے اور پچھلوں کی پوری اقامات المفتی مات الفتوی کی نذر کر دی جائے تو پھر قوم نہایت قابل رحم ہوگی۔ پھر ایسے دور میں جب ان کے موجودہ مسائل کا تواتر اپنے قدماء سے ٹوٹ چکا ہو جیسا کہ ملا تقی مجلسی کی رائے ہے تو پھر یہ منزل قوم کے لئے کس قدر اذیت ناک ہوسکتی ہے یہ آپ سوچیں اور پھر اسکے سوا چارۂ کار نہیں کہ سب مل کر حضرت امام مہدی کا انتظار کریں۔

اسلوب حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

حدیث کے طلبہ کے لئے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسلوب بیان کیا تھا۔ قرآن کریم کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا انداز بیان حکیمانہ اور لہجہ سخن بہت نرم تھا۔ قرآن کریم میں ہے کہ آپ قرآن کریم سنانے اور صحابہ کی تربیت کرنے کے ساتھ ساتھ معلم حکمت بھی ہیں۔ آپ نے امت میں اخلاق و حکمت کے پھول چنے۔ اپنے آپ کو معلم اخلاق بتلایا۔ قرآن کریم نے آپ کے وصف ویعلمھم الکتاب والحکمۃ کی بھی خبر دی ہے اور آپ کا لہجہ سخن یہ بتایا فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک[1]

(ترجمہ): سو یہ اللہ ہی کی رحمت ہے کہ آپ ان کے سامنے نرم دل رہے۔ اور اگر آپ ہوتے سخت دل تندخو تو یہ آپ کے پاس سے متفرق ہو جاتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انزلوا الناس منازلھم۔[2]

(ترجمہ): لوگوں کے سامنے اس طرح اترو جس درجہ کے وہ ہوں۔

آپ اُمت کے لئے شفقت مجسم تھے۔ بات نہایت آسان کرتے۔ مثالیں دے دے کر بات واضح کرتے اور اُسے دلوں میں اُتارتے۔ ایسی بات جس سے مغالطہ پیدا ہو، اس سے منع فرماتے۔ ایک بات پر لمبی تقریر نہ فرماتے۔ جو بات فرماتے پختہ اور محکم ہوتی۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ جب کسی امر الٰہی کا بیان ہوتا تو اللہ رب العزت کے اجلال میں آپ کے چہرہ انور پر کبھی کچھ آثار جلال آجاتے۔ یہ خالق اور مخلوق کے درمیان ہو کر خالق کی طرف جھکنے کا ایک پیرایہ تھا۔ یہ بات آپ پہلے جان چکے ہیں کہ حدیث کا سرچشمہ بھی وحی خداوندی ہے۔ الفاظ خدا کی

---

[1] پ ۴، آل عمران ع ۱۷) [2] سنن ابی داؤد، جلد ۲ ص ۶۶۵۔

طرف سے مقرر ہوں تو یہ وحی قرآن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ہوں تو یہ حدیث ہے۔ سو حدیث معنیً شان اعجاز رکھتی ہے اور اسے کسی پہلو سے غلط ثابت نہیں کیا جا سکتا لفظاً یہ معجز نہیں تاکہ قرآن کریم کی شان اعجاز واضح رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح قرآن کے مقابل مشرکین سے نظیر مانگی اپنے الفاظ کو آپ نے کبھی بے مثل نہ ٹھہرایا نہ کبھی یہ دعویٰ کیا کہ یہ حد اعجاز کو چھو رہے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ جوامع الکلم سے نوازے گئے اور انسانی کلام فصاحت اور بلاغت کی جس بلندی تک جا سکتا ہے آپ اس میں بات کہتے تھے اور اس پہلو سے آپ کی بات بہت جامع ہوتی تھی۔

اسلوب بیان حالات کے آئینہ میں

انسان کی زندگی طرح طرح کے حالات سے گزرتی ہے۔ کہیں انسان غموں میں گھرا ہوتا اور کہیں خوشی کی لہروں میں گھومتا ہے۔ یعنی غم کے وقت اس سے خوشی کی بات نہیں نکلتی اور عین خوشی میں اس کے الفاظ کبھی غم آلود نہیں ہوتے۔ اس کا اسلوب گفتگو اس کے حالات کے ساتھ ساتھ بدلتا ہے اور اس کے خیالات کا مظہر ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اترتا تو اس کا اسلوب بیان اپنا ہوتا تھا۔ یہ کلام معجز تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات خوشی یا غمی سے گزرتے اور آپ کا لہجہ سخن انکے مطابق ہوتا۔ آپ کے الفاظ میں آپ کے حالات کی جھلک ہوتی، پھر کبھی اچانک قرآن کریم کا نزول ہوتا جسکا پیرایہ آپ کے حالات سے بالکل مختلف ہوتا۔ سننے والوں کو اس کے کلام الٰہی ہونے کا اور یقین ہوتا کہ اگر یہ واقعی آپ کا اپنا بنایا کلام تھا تو آپ کے خوشی یا غمی کے حالات اس میں کیوں نہیں جھلکتے۔ انہیں اسلوب حدیث اور اسلوب قرآن میں واضح فرق محسوس ہوتا تھا اور انہیں جب ایک ہی شخصیت سے دو مختلف اسلوب ملتے تو یہ وہ سچائی ہے جو مخالف سے مخالف سے بھی اپنا لوہا منوائے بغیر نہ رہی اور وہ بے اختیار کہنے لگے، ہو سکتا ہے یہ کسی جن کا کلام ہو، جو آپ کے کلام سے بالکل علیحدہ اسلوب رکھتا ہے۔ وہ اپنے پہلے موقف

پر کر یہ کلام آپ کا اپنا بنایا ہوا ہے۔ قائم نہ رہتے۔ یہ اسی لئے ہوتا کہ آپ کا اپنا اسلوب بیان قرآن پاک کے اسلوب سے مختلف ہوتا تھا۔

آپ اپنی بات کہتے بعض دفعہ اسے تین تین بار دہراتے۔ حدیث میں یہ تکرار بظاہر خلاف فصاحت نظر آتا ہے لیکن جب حالات سامع پر نظر کی جائے تو آپ کا یہ کلام بلاغت پر پورا اُترتا تھا اور مقتضائے حال کے بالکل مطابق ہوتا تھا۔

آپ غرائب الفاظ سے پرہیز فرماتے لیکن عرب اسالیب کبھی خود ان کا تقاضا کرتے ہیں۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعض اوقات غرائب کا استعمال کرتے تھے۔ ان میں کچھ پیچیدگی تو ہوتی تھی لیکن مغالطہ دہی نہیں۔ حدیث ام زرع کے بعض پیچیدہ الفاظ اسی قبیل سے ہیں اور یہ زبان کی دقیق راہوں سے گزرنا ہے۔ دقائق پر قابو پانا کسی جہت سے مخل فصاحت نہیں ہیں[1] علمائے حدیث کے ہاں غریب الحدیث ایک مستقل موضوع کلام ہے جس پر انشاء اللہ آئندہ کبھی گفتگو ہوگی۔ آج کی مجلس میں حدیث کے ان پیراؤں پر نظر کریں جنہیں آپ نے کمال شان جامعیت اور کبھی عجیب و غریب مثالوں سے واضح فرمایا اور بات دلوں میں اتاری۔ کبھی آپ نے اپنے ادبی ذوق میں قافیہ دار الفاظ بھی کہے اور لسے بھی آپ کے اسلوب بیان میں ایک اہم درجہ حاصل ہے۔ ہم پہلے احادیث سے آپ کے اسلوب بیان کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ پھر آپ کی اپنی بیان کردہ مثالوں کا ذکر ہوگا۔ اس دوسرے حصے کو امثال الحدیث کے مستقل عنوان سے بھی بیان کیا جاسکتا ہے۔ گو یہ پیرایہ بیان بھی اسلوب حدیث کا ایک حصہ ہے۔

اسلوب جامعیت

دیانت کے تین محال ہیں:

۱۔ دیانت HONESTY اور نفاق HYPOCRACY مقابلے کے الفاظ ہیں۔

(۱) زبان پہ دیانت پر ہو تو اس سے سچ نکلتا ہے جھوٹ نہیں۔ (۲) نیت دیانت پر ہو تو انسان آئندہ کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کرتا کہ دل میں اس کے خلاف ہو۔

---

[1] آپ نے فرمایا لا یدخل الجنۃ الجواظ الجعظری۔ والجواظ الغلیظ الفظ (رواہ ابوداؤد)

(۳) عمل دیانت پر ہو تو انسان کسی کی امانت اور اس کے حق میں خیانت نہیں کرتا۔
ظاہر ہے کہ نفاق کے موضوع بھی تین ہی ہونگے، زبان، نیت اور عمل۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے منافق کی علامات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

آیۃ المنافق ثلٰث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان (بخاری)

منافق کے تین نشان ہیں۔ بات کرے تو جھوٹ بولے۔ وعدہ کرے تو اُلٹ کرے (پہلے
سے نیت ہو کہ پورا نہ کرونگا) اور جب اُسکے پاس کسی کی امانت (رکھی) ہو تو وہ خیانت کرے۔
جس شخص میں ان میں سے کوئی عیب ہو، اس میں یہ علامت نفاق ہے اور جس میں
یہ سب صفات پائی جائیں اس کے پکا منافق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس حدیث کو
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب الایمان میں لائے ہیں، کتاب الادب میں نہیں۔

اس حدیث نے کس طرح نفاق کے مضامین کا احاطہ کیا ہے، یہ آپ کے سامنے ہے اس
حاشیت سے بات کرنا آپ کو کلام رسالت میں ہی ملے گا یہی اسلوب حدیث ہے۔

۲۔ انسان خواہشات کا پتلا ہے۔ اپنی چیز دوسروں سے سمیٹ کر رکھتا ہے اپنے خیال
رائے کو پختہ سمجھتا ہے۔ خواہش نفسانی (هوی) اپنے کو سمیٹ کر رکھنا (بخل) اور ہر بات
میں اپنی رائے دینا ہے۔ یہ انسان کی فطرت تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روک اور
قدغن نہیں لگائی، یہ نہ فرمایا کہ اس میں خواہش نہ اُبھرے، جذبہ بخل نہ اُبھرے اور وہ
ہر بات میں اپنی رائے قائم نہ کرے۔ آپ نے فطری تقاضوں پر زنجیریں نہیں لگائیں، فرمایا:

اما المہلکات فھوی متبع وشح مطاع واعجاب المرء بنفسہ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: انسان کو ہلاک کرنے والی چیزیں تین ہیں، خواہش جب اس کی پیروی
کی جائے، بخل جب انسان اس پر عمل کرے اور رائے جب انسان اسی کو اچھا سمجھے۔

غور کیجئے، تکبیر هوی پر نہیں اسکی اتباع پر ہے۔ بخل پر نہیں۔ اس کی پیروی پر ہے
رائے پر نہیں اس کے عجاب پر ہے۔ اتنا محتاط اور جامع کلام صاحب جوامع الکلم
کے سوا اور کس کا ہو سکتا ہے۔ یہ مہلکات کا بیان تھا۔ اب منجیات کو بھی دیکھ لیجئے:

انسانی زندگی دو حصوں میں منقسم ہے۔ پرائیوٹ زندگی اور پبلک زندگی پھر ہر شخص کی زندگی پر دو حالتیں ضرور آتی ہیں۔ کبھی رضامندی، کبھی غصہ اور پھر کبھی آسودگی اور پھر کسی وقت محتاجگی۔ زندگی کا کوئی حصہ ہو۔ پرائیویٹ یا پبلک، اللہ کا ڈر ہر حال میں ہونا چاہیئے اور پھر رضامندی پر یا غصہ۔ بات ہمیشہ حق ہونی چاہیئے۔ اور حالت آسودہ ہو یا احتیاج کی میانہ روی ہر حال میں بہتر ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اما المنجیات فتقوی اللہ فی السر والعلانیۃ والقول بالحق فی الرضا والسخط والقصد فی الغنی والفقر۔ (رواہ البیہقی)

ترجمہ: منجیات (نجات دلانے والی اشیاء) باطن اور ظاہر میں اللہ سے ڈرنا ہے۔ خوشی اور تنگی ہر حال میں سچ بات کہنا ہے اور دولت مندی ہو یا محتاجگی ہر حال میں میانہ روی اختیار کرنا ہے۔

۳۔ <u>ادبی ملاحت کا اسلوب:</u> آپ نے فرمایا:

کلمتان حبیبتان الی الرحمن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ (صحیح بخاری صفحہ ۱۱۲۹/۲)

اسماء بنت عمیس کہتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بئس العبد عبد تخیل واختال ونسی الکبیر المتعال وبئس العبد عبد تجبر واعتدی ونسی الجبار الاعلیٰ وبئس العبد عبد سہا ولہا ونسی المقابر والبلیٰ وبئس العبد عبد عتا وطغیٰ ونسی المبتدا والمنتہیٰ بئس العبد عبد یختل الدنیا بالدین وبئس العبد عبد یختل الدین بالشبہات بئس العبد عبد طمع یقودہ بئس العبد عبد ھوی یضلہ وبئس العبد عبد رغب یذلہ۔ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) برا بندہ وہ ہے جو اپنے خیال میں لگا رہے اور اپنے کو بڑا سمجھے اور اللہ تعالیٰ برتر وبالا کو بھول جائے ـــــ اور برا بندہ وہ ہے جو سختی کرے اور حد سے نکلے اور جبار اعلیٰ کو بھول جائے کہ کوئی اس پر بھی سختی کرنیوالا ہے ـــــ اور برا بندہ وہ ہے جو اطاعت الٰہی سے غافل ہو اور لایعنی میں مشغول ہو اور بھول جائے قبروں کو اور کفن کے پرانا ہونے کو ـــــ اور برا بندہ وہ ہے جو تکبر کرے اور سرکش ہو اور اپنے اول اور آخر کو بھول جائے ـــــ اور برا بندہ وہ ہے جو دین کو دنیا کے ذریعہ طلب کرے ـــــ اور برا بندہ وہ ہے جو دین کو شبہات کے ساتھ طلب کرے ـــــ اور برا بندہ وہ ہے جسکو لالچ چلاتا رہے ـــــ اور برا بندہ وہ ہے جسے خواہشات نے رستے سے بھلا رکھا ہو ـــــ اور برا بندہ وہ ہے جسکو اس کی رغبتیں (خواہشات) ذلیل کراتی رہیں ـــــ او کما قال۔

آپ نے اس حدیث میں برے لوگوں کے نو عنوان ذکر فرمائے۔ نو سب سے بڑا عدد ہے۔ ان عنوانوں میں سے ہر ایک ادبی پارہ ہے اور ہدایت ربانی کا ایک اچھلتا فوارہ ہے۔ حدیث کا یہ ادبی اسلوب معاشرے کے ہر پہلو کو چھو رہا ہے۔ احکام کی احادیث میں بات کی وضاحت آپ کے پیش نظر ہوتی ہے لیکن نصائح کے موقعہ پر بات کی صحت کے علاوہ آپ کی قوت تاثیر بھی اسلوب میں لپٹی ہوتی ہے۔

۴۔ مثال دیکر بات کو واضح کرنا اور شرعی امور کے کوئی نقشے سامنے لے آنا۔ یہ آپ کا نمایاں پیرایۂ ہدایت تھا۔ عرب کے امیوں میں اس خاص نہج پر کام کرنے کی بہت ضرورت تھی۔ آپ نے دقیق فلسفیانہ کلام کی بجائے عام اور فطری پیرایہ بیان اختیار فرمایا آپ کی زیادہ توجہ اس پر ہوتی تھی کہ حق کس طرح حق تعالیٰ کے بندوں میں اتر جائے اور ان کے دل و دماغ اسلام کی اس فطری روشنی سے منور ہو جائیں۔ اسلوب حدیث کے اس دائرہ کو ہم امثال الحدیث کے عنوان سے پیش کرتے ہیں۔ یہ دراصل اسلوب حدیث کا ہی ایک پیرایہ ہے۔

امثال الحدیث

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی ہدایت کے مختلف پہلوؤں کو کبھی مثالوں سے بھی واضح فرمایا۔ مثال سے بات ذہن میں پوری طرح جم جاتی ہے اور آسان ہو جاتی ہے۔ مثال اور ممثل لہ میں ہر جہت سے مطابقت نہیں ہوتی جس غرض سے مثال دی جائے صرف اس جہت سے مطابقت کافی سمجھی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی بندوں کی رعایت کرتے ہوئے قرآن کریم میں بہت سے مضامین مثالوں سے واضح فرمائے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے :۔

وللہ المثل الاعلیٰ وھو العزیز الحکیم۔[1]

ترجمہ۔ اللہ کی مثال سب سے اوپر ہے اور وہ ہے زبردست حکمت والا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی علمی اور ادبی راہ پر چلے۔ بہت سے مقامات پر آپ نے اپنی بات مثالوں سے واضح فرمائی۔ سلیم بن عامرؒ تابعی کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نُصِرتُ بالرعب واوتیت جوامع الکلم واوتیت الحکمۃ وضرب لی من الامثال مثل القرآن۔

ترجمہ۔ میری (الٰہی) رعب سے مدد کی گئی۔ مجھے جامع کلمات دیئے گئے، مجھے حکمت دیا گیا اور جیسے قرآن میں مثالیں ہیں مجھے بھی مثال سے بیان کرنا عطا کیا گیا۔[2]

---

[1] پ۱۴ سورۃ النحل آیت ۶۰ [2] امثال للرامہرمزی ص

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رض (۶۷ھ) وہ صحابی ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حدیث لکھنے کی اجازت حاصل کرلی تھی اور حدیث لکھنی شروع کردی تھی۔ آپ کہتے ہیں :۔ حفظت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الف مثل۔[۱]

ترجمہ۔ میں نے آپ سے ایک ہزار مثالیں یاد کر رکھی ہیں۔

محدثین میں امثال حدیث ایک خاص موضوع سمجھا جاتا ہے۔ قاضی ابو محمد الحسن (۳۶۰ھ) جیسے بلند پایۂ محدثین نے اسی دور میں اس موضوع کو اپنایا اور اس پر کتابیں لکھیں۔ یہ وہ باب حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علمی اور ادبی پیرایۂ بیان نکھر کر سامنے آتا ہے اور آپ کے بیان اور مثالوں کے تحت مشبہ اور مشبہ بہ کے لطیف حسی اور معنوی فاصلے بات کے اندر کی سطح کو عملی طور پر سامنے لے آتے ہیں۔ اور طلبہ اور علماء، افصح العرب والعجم کے مثال والے بے مثال پیرایۂ بیان پر پھڑک اٹھتے ہیں۔ آج کی مجلس میں ہم اس بات کے چند مباحث انہی ائمہ فن کے بیانات کی روشنی میں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ فنی نقطۂ نظر سے یہ ایک باب عظیم ہے جس نے علوم اسلامی میں علم معانی اور علم بیان کو ایک مستقل شعبہ کی جگہ دی ہے۔

مثال اول

حضرت ابوہریرہ رض سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بنیاناً فاحسنه واجمله الا موضع لبنة من زاویة من زوایاه فجعل الناس یطوفون به ویعجبون منه ویقولون هلا وضعت هذه اللبنة۔ قال فانا اللبنة وانا خاتم النبیین۔[۲]

---

[۱] دیکھئے مسند امام احمد جلد ۴ صفحہ ۲۰۳، مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۶۴

[۲] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۴۸، صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۰۱، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۱۲، جامع ترمذی مترجم جلد ۲ صفحہ ۵۴۴

(وفی روایة) فجعل الناس یطوفون به ویقولون ما رأینا احسن من هذا لولا موضع هذه اللبنة۔ الا فکنت تلك اللبنة۔

ترجمہ: میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اس کو بہت آراستہ و پیراستہ کیا۔ مگر اس کے گوشوں میں سے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی۔ لوگ اسے دیکھنے آتے رہے اور خوش ہوتے رہے اور کہتے۔ کہ یہ اینٹ کی جگہ کیوں خالی رہی ——

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اینٹ میں ہوں (جس سے اس قصرِ نبوت کی تکمیل ہوئی) اور میں ہوں نبیوں کو ختم کرنے والا (خاتم النبیین)۔

اس مثال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصرِ نبوت کے دو مرحلے ذکر فرمائے (۱) بنی بنیاناً (اس کی تعمیر) (۲) فاحسنه واجمله (اس کی تحسین و تجمیل)۔ عمارات انہی دو مرحلوں سے گزرتی ہیں۔ پہلے مکان بنتا ہے پھر اس کی تحسین و تجمیل Decoration ہوتی ہے۔ یہ وال پیپر کی صورت میں ہو یا سفیدی کی صورت میں، یہ مرحلہ مکان بننے کے بعد عمل میں آتا ہے اور اسی پر مکان کی تکمیل ہوتی ہے۔

اس مثال میں واضح ہے کہ قصرِ نبوت کی ہر پہلو سے تکمیل ہوتی ہے۔ تشریعی پہلو سے بھی اس کی تعمیر مکمل ہوئی اور غیر تشریعی نبوتوں کی تحسین و تجمیل بھی ہو چکی۔ نبوت کا محل ماسوائے ایک اینٹ کے ہر پہلو سے مکمل تھا۔ خالی اینٹ کی جگہ آپ نے پر کی فرمایا ایک اینٹ کی جگہ باقی تھی وہ میرے آنے سے پُر ہو گئی۔ یہ آخری اینٹ اپنی ذات میں ہر پہلو سے کامل اور مکمل ہے کسی مزید تجمیل کی محتاج نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم قصرِ نبوت کے کامل طور پر مکمل (اسے تکمیل بخشنے والے) ہیں۔ آپ نے جس مثال سے اپنے پر نبوت کا ختم ہونا بیان کیا ہے۔ یہ ہر نبوت کے ختم کا بیان ہے۔

جو نبوتیں نئی شریعت لاتی ہیں ان سے قصر نبوت کی تعمیر ہوتی ہے اور جو غیر تشریعی انبیاء ان شرائع پر لوگوں کو چلاتے ہیں۔ ان سے ان شرائع کی تحسین و تجمیل ہوتی ہے وہ سابقہ تشریعی نبوت کا آکر کار ہوتے ہیں۔ ان کے وجود سے اس سابقہ نبوت کا فیضان آگے پھیلتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال میں نبوت کے دونوں سلسلوں کو لپیٹ لیا کہ اب آپ کے بعد کوئی تشریعی نبی یا غیر تشریعی نبی جو پچھلے فیضان کو آگے لے کر چلے ہرگز پیدا نہ ہوگا۔ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ پر ہر پہلو سے نبوت ختم ہو چکی۔ آپ یہاں بندوں پر خدا کی آخری حجت ہیں۔ آپ کے بعد کسی سلسلہ وحی کا آغاز نہیں۔

غیر تشریعی نبی بھی اپنے وقت میں خدا کی حجت ہوتا ہے اور اس پر وحی بھی آتی ہے جب یہ حجت ہی ختم ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی اللہ کے بندوں پر آخری حجت ٹھہرے اور سلسلہ وحی ہی منقطع ہو گیا تو اس یقین سے چارہ نہیں کہ اب آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی کبھی پیدا نہ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال میں ختم نبوت کو کس وضاحت سے پیش کیا ہے۔ اسے مشہور محدث قاضی ابو محمد الحسن (۳۶۰ھ) کے الفاظ میں سنیئے۔

قال ابو محمد ھذا مثل نبوته صلی اللہ علیه وسلم وانه خاتم الانبیاء وبه تتم حجة اللہ عزوجل علی خلقه ومثل ذلك بالبنیان الذی یشد بعضه بعضاً وهو ناقص الکمال بنقصان بعضه فاکمل اللہ به دینه وختم به وحیه۔[1]

ترجمہ۔ میں کہتا ہوں یہ آپ کی نبوت کی مثال ہے اور آپ بے شک خاتم النبیین ہیں اور آپ کی ذات سے اللہ عزوجل کی حجت بندوں پر تمام

---

[1] امثال الحدیث للرامہرمزی ص۔ مطبوعہ بمبئی ہند

ہوئی (آپؐ کے بعد کوئی حجۃ اللہ نہیں) اور مثال اسے ایک تعمیر سے دی گئی ہے جس کے اجزاء ایک دوسرے سے بندھے ہوتے ہیں۔ کچھ بھی کمی ہو تو اس تعمیر کی تکمیل نہیں ہوتی۔ (۱) اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنے دین کو مکمل کیا اور (۲) اور آپؐ پر سلسلہ وحی ہی ختم کر دیا۔

مثال دوم

فقیہ الامت سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ضرب اللہ مثلاً صراطاً مستقیماً وعن جنبتی الصراط سوران فیھما ابواب مفتحۃ وعلی الابواب ستور مرخاۃ وعند رأس الصراط داع یقول استقیموا علی الصراط ولا تعوجوا وفوق ذلک داع یدعو کلما ھم عبد ان یفتح شیئا من تلک الابواب قال ویحک لا تفتحہ فانک ان تفتحہ تلجہ ثم فسرہ فاخبران الصراط ھو الاسلام وان الابواب المفتحۃ محارم اللہ وان الستور المرخاۃ حدود اللہ وان الداعی علی رأس الصراط ھو القران وان الداعی من فوقہ ھو واعظ اللہ فی قلب کل مومن[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال ایک راہ سے دی ہے جس کے دونوں طرف دو دیواریں ہوں ان میں دروازے کھلے ہوں اور دروازوں پر پردے لٹکے ہوں۔ راستے کے سر پر ایک پکارنے والا کہہ رہا ہے۔

---

[1] رواہ احمد والبیہقی عن النواس بن سمعان ورواہ رزین عن عبداللہ بن مسعودؓ کما فی المشکوٰۃ صہ۳۱ ورواہ القاضی ابو محمد الحسن عن النواس بن سمعان کما فی امثال الحدیث صہ۱۴۱

رستے پر سیدھے چلے آؤ۔ اِدھر اُدھر نہ ہونا۔ اور اس کے اُوپر ایک
اور آواز دینے والا ہے۔ جب بھی کوئی انسان ان دروازوں میں سے
کسی دروازے کو کھولنے کا ارادہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے اے تیری بربادی
اسے تو نہ کھول، اگر تو اسے کھولے گا تو اس میں پھنس کر رہ جائے گا پھر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر بیان فرمائی۔ آپ نے کہا :۔
راہ سے مراد اسلام ہے، کھلے دروازوں سے مراد اللہ کی حرمتیں ہیں۔
(جن امور کو اللہ تعالیٰ نے ناقابل عبور ٹھہرایا ہے) لٹکے ہوئے پردوں سے
مراد اللہ کی حدیں ہیں (جنہیں پھاندنے کی اجازت نہیں) راہ (صراط)
کے سر پہ پکارنے والا قرآن ہے اور اس کے اُوپر آواز دینے والی
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ناصحانہ آواز ہے جو ہر قلب مومن پر
دستک دے رہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال میں صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت فرمائی
ہے۔ آپ نے اس کے دونوں طرف دیواریں ذکر کیں جن کے در سے اللہ کی حدیں
ٹوٹتی ہیں اور انسان حرام کا مرتکب ہوتا ہے۔ صراطِ مستقیم پہ چلنا ان سے بچ کر ہی
میسر آسکتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے سورۂ فاتحہ میں صراطِ مستقیم طلب کرنے
کی ہدایت کی ہے اور اس میں مغضوب علیہم اور ضالین سے بچ کر نکلنے کی بھی ہم دُعا
مانگتے ہیں ـــــــ جو امور اکابر اسلام میں اجتہادی طور پہ مختلف ہوگئے۔ وہ ان
اختلافات کے باوجود پُوری وسعت سے صراطِ مستقیم میں ہی شامل رہیں گے
جو بچنے کی حدود ہیں وہ حرام و حلال کے فاصلے ہیں ان میں انسان اجتہاد میں نہیں
اعوجاج کی راہ پہ گامزن ہوتا ہے۔ اجتہاد ممنوع نہیں ہے اعوجاج ممنوع ہے۔
اجتہاد کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذمت نہیں فرمائی۔ اس میں خطا بھی ہو

جائے تو مجتہد مخطی کو اس پہ ماجور بتلایا۔ لیکن اعوجاج کی حضورؐ نے مذمت فرمائی اور اس سے بچنے کا حکم دیا۔ پس ٹیڑھی راہوں میں وہی راہیں شمار ہوں گی جو اصولاً مختلف ہوں اور آپس میں حق و باطل کا فاصلہ قائم کریں۔ مسالک اربعہ اپنے تمام اختلافات کے باوجود ایک صراطِ مستقیم ہیں انہیں ٹیڑھی راہیں بتلانا اس حدیث سے کھلا تصادم ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس مضمون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ میں بھی نقل کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں :۔

خط لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطا ثم قال ھذا سبیل اللہ ثم خط خطوطاً عن یمینہ وعن شمالہ وقال ھذہ سبل علی کل سبیل منہا شیطان ـــــ یدعو الیہ وقرأ ان ھذا صراطی مستقیما[1]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا یہ اللہ کی طرف جانے والی سیدھی راہ ہے ـــــ پھر آپ نے اس کے دائیں بائیں بہت سے خطوط کھینچے اور فرمایا یہ وہ راہیں ہیں جن میں سے ہر ایک پر ایک شیطان بیٹھا ہے اور وہ لوگوں کو اس کی طرف بلاتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ (پ الانعام ع ۱۹) اور یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس پر چلو اور نہ چلو اور رستوں پر وہ تمہیں جدا جدا کر دیں گے۔

اس حدیث میں دائیں بائیں لڑنے والوں سے اجتہادی فاصلے مراد نہیں اعوجاجی فاصلے پیش نظر ہیں ورنہ اس حدیث کا حدیث من اجتہد واصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتہد واخطأ فلہ اجر واحد[2] سے کھلا تصادم لازم آئے گا۔

پھر اس مثال میں انسان کے ضمیر کو بڑا وقیع مقام دیا گیا ہے۔ پہلا داعی قرآن ہے

---

[1] رواہ احمد والدارمی والنسائی مشکوٰۃ صـ۳۰ [2] رواہ الشیخان مشکوٰۃ صـ۳۲۴

جس کی دعوت انسان کو خارج سے پہنچتی ہے دوسرا داعی وہ آواز ہے جو انسان کے اندر سے اٹھتی ہے یہ اس کے ضمیر کی آواز ہے۔ یہ مضراب اللہ رب العزت کی طرف سے ہر مردِ مومن کے دل پر لگتا ہے۔ غور کیجئے آنحضرتؐ نے کس شانِ بلاغت سے اسلام کے دینِ فطرت ہونے کا اثبات فرمایا۔ اور اسے دل کی آواز قرار دیا۔

مثال سوم

عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما مثلی ومثل ما بعثنی اللہ بہ کمثل رجل اتی قوماً فقال یا قوم انی رأیت الجیش بعینی وانی انا النذیر العریان فالنجاء النجاء فاطاعہ طائفۃ من قومہ فادلجوا فانطلقوا علی مھلھم فنجوا وکذبت طائفۃ منھم فاصبحوا مکانھم فصبحھم الجیش فاھلکھم واجتاحھم فذلک مثل من اطاعنی فاتبع ما جئت بہ ومثل من عصانی وکذب ما جئت بہ من الحق[1]

ترجمہ۔ میری اور میری رسالت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص ایک قوم کے پاس آیا اور کہا میں نے خود اپنی آنکھوں سے ایک لشکر کو دیکھا ہے اور میں کھلے بندوں اس سے ڈرا رہا ہوں سو جلدی کرو جلدی کرو۔ اس قوم میں ایک گروہ نے اس کی بات مانی اندھیرے میں نکلے اور اسی وقت چل دیئے۔ سو وہ بچ گئے اور ایک گروہ نے اس کی بات صحیح نہ جانی وہ اپنی جگہ ہی رہے۔ یہاں تک کہ لشکر نے انہیں صبحدم جالیا اور انہیں ہلاک کر دیا اور انہیں سرے سے ختم کر دیا ——— یہ مثال

---

[1] رواہ البخاری ومسلم مشکوٰۃ ص ۲۸

اس کی ہے جس نے مجھے مانا اور میرے پیغام پر عمل کیا اور اس کی جس نے مجھے نہ مانا اور جو سچائی میں لے کر آیا ہوں اس کی تکذیب کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال میں واضح فرمایا کہ نبی اپنی امت کے حق میں کس قدر مہربان اور سراپا رحمت ہوتا ہے۔ کس طرح وہ انہیں آنے والے خطرہ سے آگاہ رکھتا ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کو اپنی تصدیق قرار نہیں دیا۔ کہ آپ خدا کی طرف سے جو کتاب لے کر آئے اسی کو مانو۔ بلکہ اپنی بتلائی ہوئی ہر بات کو خدا کی طرف سے ایک حجت اور برہان ٹھہرایا۔ آپ نے جس ہونے والے حملے کی خبر دی اس کو درست ماننا بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح آپ کی نبوت کو یا آپ کی لائی کتاب کو ماننا اور تسلیم کرنا ضروری ہے آپکی حدیث کا ماخذ بھی خدا ہی کی ذات ہے۔

مثال چہارم

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثلی کمثل رجل استوقد نارًا فلما اضاءت ما حولھا جعل الفراش وھذہ الدواب التی تقع فی النار یقعن فیھا وجعل یحجزھن ویغلبنہ فیتقحمن فیھا فانا اٰخذ بحجزکم عن النار وانتم تقحمون فیھا۔[1]

ترجمہ۔ میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی جب آگ نے پورا ماحول روشن کر دیا تو پروانے اور زمین کے جانور جو آگ میں گرا کرتے ہیں اس میں گرنے لگے وہ شخص انہیں بچاتا رہا مگر وہ اس پر غالب آ گئے اور آگ میں گرتے رہے سو میں تمہیں تمہاری کمر سے پکڑ کر آگ سے ہٹا رہا ہوں اور تم اس میں گھستے جاتے ہو۔

---

[1] رواہ البخاری ومسلم وراجع لہ المشکوٰۃ صد۲۸

اس میں بھی حضور رحمۃ للعالمین کی شانِ رحمت نمایاں ہے۔ آپ کی تعلیمات اور ہدایات آگ میں گرتے انسانوں کو بچا سکتی ہیں بشرطیکہ کوئی آپ کے نسخۂ شفا کو سمجھے اور اُسے عمل میں لائے۔ اس مثال سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کی نافرمانی موجب جہنم ہے اور آپ کی مخالفت کا انجام آگ کے سوا کچھ نہیں۔ آپکی بات خدا کی حجت ہے۔

مثال پنجم

عن ابی موسیٰؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مثل ما بعثنی اللّٰہ بہ من الھدیٰ والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضاً فکانت منھا طائفۃ طیبۃ قبلت الماء فانبتت الکلاء والعشب الکثیر وکانت منھا اجادب امسکت الماء فنفع اللّٰہ بھا الناس فشربوا وسقوا وزرعوا واصاب طائفۃ اخریٰ انما ھی قیعان لا تمسک ماء ولا تنبت کلاء فذلک مثل من فقہ فی دین اللّٰہ ونفعہ بما بعثنی اللّٰہ بہ فعلم وعلّم ومثل من لم یرفع بذلک رأسا ولم یقبل ھدی اللّٰہ الذی ارسلت بہ ــــ متفق علیہ[1]

ترجمہ۔ میری اور اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم دے کر مجھے بھیجا ہے کی مثال اس بھاری بارش کی سی ہے جو کسی زمین پر برسی۔ ایک قطعہ زمین بہت عمدہ تھا اس نے پانی کو جذب کیا اور گھاس اور تازہ سبزہ اُگایا۔ اور ایسی بھی زمین تھی جس نے پانی روک لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے لوگوں کی ضرورتیں پوری کیں۔ انہوں نے پیا اور پلایا اور فصلیں لگائیں اور بارش ایسی جگہ بھی برسی جو چٹیل تھی نہ پانی روک سکے نہ گھاس اُگا سکے ــــ

---

[1] رواہ البخاری ومسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۲۸

یہ مثال اس شخص کی ہے جو اللہ کے دین میں سمجھ پیدا کرے فقیہ بنے۔ اللہ نے اسے اس چیز سے نفع مند کیا جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں۔ اس نے سیکھا اور سکھایا اور مثال اس کی بھی ہے جس نے اس طرف دھیان نہ کیا اور نہ وہ ہدایت قبول کی جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں۔

اس مثال میں آپ نے انسانوں کی تین قسمیں بتائیں۔ (۱) مجتہدین (۲) مقلدین (۳) غیر مقلدین ـــــ مجتہدین دین میں تفقہ حاصل کر کے مسائل غیر منصوصہ کا حکم بھی دریافت کر لیتے ہیں۔ یہ گھاس اور نئے سبزہ کا اُگنا ہے۔ انہوں نے نئے نئے استخراج اور استنباط کیے۔ مقلدین خود تو اجتہاد نہ کرتے رہے۔ لیکن انہوں نے فقہاء کی محنتوں کو حفاظت سے لوگوں تک پہنچایا۔ وہ ان سے فائدہ پاتے رہے اور ان جزئیات کی روشنی میں آگے بھی کچھ استنباط کرتے رہے۔ وہ ذرعوا پر بھی کچھ عمل کر پائے۔ مگر ایک گروہ ایسا بھی رہا جو نہ مجتہدین کے درجہ میں آسکے اور نہ مقلدین کی طرح مجتہدین کی دولت سنبھال سکے۔ وہ بالکل بے پرواہ رہے اور اسلام میں علم کے جو چشمے پھوٹے وہ اپنے آپ کو ان سے مستفید نہ کر سکے۔ لم یقبل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا کھلا انکار مقصود نہیں۔ بلکہ اس نظام ہدایت کو نہ سمجھنا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ظہور میں آیا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ دین ہے تو سب لوگوں کے لیے مگر اسے عالموں کے سوا کوئی سمجھتا نہیں۔ سو جو عالم نہیں چاہیے کہ وہ عالموں کے پیچھے چلیں۔ دین سے بے پرواہ نہ رہیں

وتلك الامثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون (پ ۲۰ العنکبوت ع ۴)

ترجمہ: یہ مثالیں ہیں ہم انہیں سب لوگوں کے لیے ٹھہراتے ہیں۔ مگر انہیں صرف عالم سمجھتے ہیں صرف عالم (جو فقہاء کہلاتے ہیں)۔

قرآن کریم اپنی جملہ تفاصیل کے ساتھ سب انسانوں کے لیے منبع ہدایت ہے لیکن صرف عالم اس کی گہرائی میں اترتے ہیں اور اس سے غیر منصوص مسائل کا استنباط کرتے ہیں جو عالم نہیں ان

کے لیئے عالموں پر اعتماد کرنے کے سوا چارہ نہیں۔

مثال ششم

عن جابرؓ قال جاءت ملئکۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو نائم فقال بعضھم انہ نائم وقال بعضھم ان العین نائمۃ والقلب یقظان فقالوا ان لصاحبکم ھذا مثلاً قال فاضربوا لہ مثلاً ۔۔۔۔ فقالوا مثلہ کمثل رجل بنی دارا وجعل فیھا مأدبۃ وبعث داعیاً فمن اجاب الداعی دخل الدار واکل من المأدبۃ ومن لم یجب الداعی لم یدخل الدار ولم یاکل من المأدبۃ فقالوا اولوھا لہ یفقھھا فقال بعضھم انہ نائم وقال بعضھم ان العین نائمۃ والقلب یقظان ۔ فقالوا فالدار الجنۃ والداعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فمن اطاع محمداً صلی اللہ علیہ وسلم فقد اطاع اللہ ومن عصی محمدا صلی اللہ علیہ وسلم فقد عصی اللہ ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم فرق بین الناس۔[1]

ترجمہ۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ سو رہے تھے کہ آپ کے پاس فرشتے آئے۔ ایک کہنے لگا آپ سوئے ہیں۔ دوسرے نے کہا آپ کی آنکھ تو سو رہی ہے لیکن دل جاگتا ہے پھر انہوں نے کہا۔ آپ کے اس صاحب کے لیے ایک مثل ہے سو آپ کے مثال لاؤ ۔۔۔۔ پھر کہا آپ کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے گھر بنایا اس میں ایک دستر خوان بچھایا اور ایک بلانے والے کو بھیجا (جو لوگوں کو یہاں آنے کی دعوت دے) جس نے اس داعی (بلانے والے) کی آواز کو لبیک کہا۔

---

[1] صحیح البخاری کما فی المشکوٰۃ ص ۲۷ وروی الترمذی من ابن مسعودؓ مثلہ

وہ گھر میں داخل ہو گیا اور اس نے دعوت میں خوب کھایا اور جس نے داعی کی بات نہ مانی۔ وہ نہ گھر آیا نہ اس نے کچھ کھایا۔ پھر انہوں نے کہا مراد کلام واضح کرو۔ تاکہ آپ اسے سمجھ جائیں۔ پھر ایک نے کہا آپ تو سوئے ہوئے ہیں۔ دوسرے نے کہا آنکھ تو سوتی ہے مگر آپ کا دل جاگتا ہے۔ پھر انہوں نے کہا گھر سے مراد تو جنت ہے۔ اس کی طرف بلانے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو جس نے آپ کی بات مانی اس نے اللہ کی بات مانی اور جس نے آپ کی نہ مانی اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ آپ لوگوں کے درمیان نقطۂ امتیاز ہیں۔

اس سے ملتی جلتی ایک روایت قاضی ابومحمد الحسن نے بھی روایت کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرما رہے تھے کہ آپ کے پاس دو فرشتے آئے۔ ایک سر مبارک کی طرف کھڑا تھا اور دوسرا پاؤں مبارک کی طرف۔ جو سر کی طرف کھڑا تھا وہ میری طرف جھکا اور کہا آپ کی آنکھ سوتی ہے — کان سنتے ہیں — اور دل یاد رکھتا ہے۔ حضورؐ اسے نقل کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ بات اسی طرح ہے۔ جیسا کہ اس نے کہا۔ پھر اس نے ایک اور مثال دی۔

بركة فيها شجرة نابتة وفي الشجرة غصن خارج فجاء ضارب فضرب الشجرة فوقع الغصن ووقع معه ورق كثير لا ادرى ما وقع فيها اكثر او ما خرج منها۔

ترجمہ۔ ایک تالاب ہے اس میں ایک درخت اُگا ہوا ہے اور درخت سے ایک ٹہنی باہر نکلی ہوئی ہے۔ ایک شخص آیا اس نے درخت پر ایک ضرب لگائی ٹہنی گر پڑی اور اس کے ساتھ بہت سے پتے گرے اور وہ تمام پتے تالاب میں ہی گرے کوئی باہر نہیں پڑا۔ پھر اس نے ایک اور ضرب لگائی اور اس کے

ساتھ بھی بہت سے پتے گرے کوئی باہر نہیں گرا۔ پھر اس نے تیسری بار ضرب لگائی اور بہت سے پتے گرے میں نہیں جانتا کہ جو پتے اندر گرے وہ زیادہ تھے یا جو باہر گرے وہ زیادہ تھے۔

پھر اس مثال کی اس فرشتے نے جو آپ کے پاؤں کی طرف تھا یوں شرح بیان کی۔

اما برکۃ فھی الجنۃ واما الشجرۃ فھی الامۃ واما الغصن فھو النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما الضارب فملک الموت ضرب الضربۃ الاولی فی القرن الاول فوقع النبی صلی اللہ علیہ وسلم واھل طبقتہ وضرب الثانیۃ فی القرن الثانی فوقع کل ذلک فی الجنۃ ثم ضرب الثالثۃ فی القرن الثالث فلا ادری ما وقع فیھا اکثر او ما خرج منھا۔

ترجمہ: تالاب سے مراد جنت ہے اور درخت سے مراد امت ہے ٹہنی سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس شخص سے جس نے ضرب لگائی مراد ملک الموت ہے اس نے قرن اول میں پہلی ضرب لگائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے عہد کے لوگ اس سے جھڑے (اور جنت میں گرے) پھر اس نے دوسرے قرن میں دوسری ضرب لگائی تو بھی سب پتے جنت میں گرے۔ پھر اس نے تیسری ضرب لگائی۔ اس پر نہیں کہا جا سکتا کہ باہر گرنے والے پتے زیادہ تھے یا اندر گرنے والے۔

صحابہؓ کے پاس یہ مثال کس نے بیان کی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ——— فرشتوں کو یہ باتیں کرتے کس نے سنا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ——— آپ نے ان کی باتوں میں سے کسی کی تردید کی؟ نہیں ——— سو یہ ساری مثل ہمارے لیے ایک حدیث کے درجہ میں ہے۔ اس حدیث سے یہ دو باتیں مزید واضح ہوئیں۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سوتے تو آنکھ سوتی تھی دل نہ سوتا تھا۔ دل پوری

طرح بیدار رہتا، اور اسے اپنے جملہ احوال بدنیہ کی خبر رہتی ــــــ وضو ہے یا نہیں اس کا پورا دھیان رہتا ــــــ آپ کے پاس کوئی بات کرے تو آپ اسے سنتے اور سمجھتے ــــــ گو اس وقت ظاہرًا سوئے ہوتے تھے ــــــ عام انسان نیند کی حالت میں دوسروں کی باتیں نہیں سُن پاتے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سُن لیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سماع مبارک دوسرے لوگوں کی طرح نہیں۔ اس میں آپ کا دل پوری طرح بیدار رہتا تھا ــــــ نیند موت کی بہن ہے ــــــ سو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد وفات بھی یہ شانِ سماع حاصل ہو تو تعجب نہیں۔ روضہ مبارک کے پاس آپ پر درود بھیجا جائے تو آپ اسے سُن لیتے ہیں اور دُور سے پڑھا جائے تو پھر فرشتے اُسے حضورؐ کے پاس پہنچاتے ہیں۔

۲۔ اس مثال سے یہ واضح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بہترین زمانہ تھا پھر تابعین کا دور ــــــ پھر تیسرے دور میں لوگ اس سچ وضح پر نہ رہے (جھوٹ پھیلنے لگا اور اللہ کا خوف دلوں سے جاتا رہا) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب جنت میں گئے ان میں ایک بھی نہیں جس کا پتہ اس تالاب (جنت) کی حدود سے باہر گرا ہو۔ یہ سب لوگ اپنے وقت میں خیرِ اُمت تھے اور دوسروں کے لیے یہ دینِ حق کا کھلا نشان تھے۔

مثال ہفتم

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں میں نے حضورؐ سے عرض کیا آپؐ نرم بستر پر آرام فرمایا کریں، سخت چٹائی سے بدن مبارک پر نشان پڑ جاتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

مالی وللدنیا؛ انما مثلی ومثل الدنیا کمثل راکب مر بارض فلاۃ فرای

الشجرۃ فاستظل تحتہا ثم راح وترکہا۔[1]

ترجمہ: میں کیا اور یہ دنیا کیا ——— میری اور دنیا کی مثال اس سوار کی ہے جو کسی صحرا سے گزرا، ایک درخت دیکھا اور وہ اس کے سائے تلے جا بیٹھا پھر چلتا بنا اور اس نے اسے چھوڑ دیا۔

یہ مثال دنیا کو عبد چھوڑنے کی ہے اس میں بتلایا گیا کہ یہاں کی لذتیں اور بہاریں سب عارضی ہیں جو پیدا ہوا مرنے کے لیے اور جو عمارت بنی، گرنے کے لیے ہر ایک نے فنا کی گھاٹی پر آنا ہے اور یہاں کی ہر لذت کو چھوڑ جانا ہے۔ حضورؐ نے دنیا کو ایک اور مثال سے واضح فرمایا۔

مثال ہشتم

ما الدنیا فی الآخرۃ الا کما یضع احدکم اصبعہ فی الیم فلینظر بم ترجع الیہ۔[2]

ترجمہ: آخرت کے مقابلہ میں دنیا اس طرح ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی دریا میں رکھے وہ دیکھے کہ انگلی پر کتنا پانی لگا۔

مثال نہم

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما اجالکم فی اجال من خلا کما بین صلوۃ العصر الی مغرب الشمس وانما مثلکم ومثل الیہود والنصاریٰ کرجل استعمل عمالاً فقال من یعمل لی نصف النہار علی قیراط قیراط فعملت الیہود الی نصف النہار علی قیراط قیراط ثم قال من یعمل من نصف النہار الی صلوۃ العصر علی قیراط

---

[1] رواہ الترمذی وابن ماجہ، مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۳۹۱، مستدرک حاکم جلد ۴ صفحہ ۳۱۰ [2] رواہ مسلم، مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۲۲۹

قیراط فقال من یعمل من صلوٰۃ العصر الی غروب الشمس علی قیراطین قیراطین، الا لکما الاجر مرتین قال فغضبت الیہود والنصاریٰ قالوا نحن اکثر عملاً واقل عطاءً قال اللہ عزوجل ھل ظلمتکم من حقکم شیأً قالوا لا قال فانہ فضلی اعطیہ من شئت[1]

ترجمہ۔ تمہاری عمر پہلی امتوں کی نسبت ایسے ہے جیسے عصر اور مغرب کے درمیان کی مدت ــــــ تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص نے مزدور طلب کیے اور کہا کون کون دوپہر تک کام کرے گا اسے ایک ایک قیراط مزدوری ملے گی یہود اس پر کام کرتے رہے۔ مالک نے پھر کہا کون کون دوپہر سے عصر تک قیراط قیراط پر کام کرے گا۔ سو نصاریٰ دوپہر سے عصر تک کام کرتے رہے۔ پھر اس نے کہا کون کون عصر سے مغرب تک دو دو قیراط مزدوری پر کام کرے گا (اے مسلمانو!) خبردار رہو تمہاری اجرت دگنی ہوگئی۔ اس پر یہود و نصاریٰ غصے میں آگئے اور کہا ہم نے کام زیادہ (وقت) کیا اور مزدوری ہمیں کم ملی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے کوئی تمہارا حق چھینا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سو یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں دوں۔

اس سے پتہ چلا کہ امت محمدیہ اللہ رب العزت کے ہاں بہت عزت یافتہ اور محبوب امت ہے۔ یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس کا ہراول دستہ (صحابہ کرامؓ) خیرامت ہوں۔ دوسرے لوگوں کے لیے نشانِ راہ ہوں (اُخرجت للناس) اور لتکونوا شہداء علی الناس کی شان سے ممتاز ہوں اور ان سب امور کی تصدیق قرآن کریم میں موجود ہے۔

---

[1] رواہ الترمذی و احمد جلد ۲ صفحہ واخرجہ البخاری فی الاجارہ و ابویعلیٰ جلد صفحہ

مثال دہم

حضرت امیر معاویہؓ (۶۰ھ) کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا :۔

انما بقی من الدنیا بلاء و فتنۃ ۔ انما مثل عمل احدکم کمثل الوعاء اذا طاب اعلاہ طاب اسفلہ و اذا خبث اعلاہ خبث اسفلہ[1]

ترجمہ ۔ دنیا میں تو آزمائشیں ہی رہ گئی ہیں ـــــ تم میں سے ہر ایک کے عمل کی مثال اس برتن کی سی ہے جس کا اوپر کا حصہ ستھرا ہو تو اس کا نچلا حصہ بھی ستھرا ہوگا اور جب اس کا اوپر کا حصہ گندا ہو تو نچلا حصہ بھی گندا ہوگا۔

اس مثال میں بتایا گیا ہے کہ اعمال کی جزاء آخرت میں گو حسب نیات ہوگی لیکن یہاں دنیا میں ظاہر کو دیکھا جائے گا جن اعمال کا ظاہر اچھا ہوگا اندر کی اچھائی بھی انہی کی ہوگی ظواہر اعمال ، بواطن الامور سے جدا نہیں رہ سکتے ـــــ یا یوں کہیے جو اعمال اپنے مبادی میں اچھے ہوں انجام بھی انہی کا اچھا ہوگا۔

برتنوں میں چیزیں محفوظ رکھی جاتی ہیں ۔ اعمال گو اپنی ذات میں اعراض ہیں واقع ہوتے ہی ان کا نشان مٹ جاتا ہے لیکن جزاء کے لیے انہیں محفوظ رکھا جاتا ہے اور وہ حساب کے دن تولے جائیں گے۔

مثال یازدہم

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۶۵ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :۔

ان رجلا کان فیمن کان قبلکم استضاف قوماً فاضافوہ ولھم کلبۃ

---

[1] دیکھیے مسند امام احمد جلد ۴ صہ ۹۴ سنن ابن ماجہ صہ

تنبح قال فقالت الكلبة واللہ لا انبح ضیف اھلی اللیلۃ قال فعوی جراء ھا فی بطنھا فبلغ ذالک نبیا لھم فقال مثل ھذہ مثل امۃ تکون بعدکم یقھر سفھاؤ ھا حلماء ھا ویغلب سفھاؤھا علماء ھا۔[1]

ترجمہ: پہلی امتوں میں ایک شخص تھا جس نے کسی قوم کا مہمان بننا چاہا۔ انہوں نے اسے مہمان بنایا۔ ان کی ایک کتیا تھی جو ہر آنے والے کو بھونکتی تھی۔ اس نے کہا میں آج رات اپنے گھر کے کسی مہمان کو نہ بھونکوں گی (آپ نے بتایا) پھر اس کے بچے جو اس کے پیٹ میں تھے (اندر ہی) بھونکنے لگے۔ یہ بات اس دور کے نبی کو پہنچی۔ اس نے کہا۔ یہ مثال ان لوگوں کی ہے جو تمہارے بعد آئیں گے۔ ان کے بیوقوف اپنے بردبار لوگوں پر سختی کریں گے اور ان کے جہلا ان کے علماء پر چڑھ دوڑیں گے

اس مثال میں اس امت کی طرف اشارہ ہے جس کی ہلاکت ان کے نوجوانوں کے ہاتھوں سے ہوگی ۔۔۔۔ دیکھئے نوجوان امیرالمومنین حضرت عثمانؓ کے خلاف کس طرح اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر انہوں نے کس طرح سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدِ خلافت میں دبائے رکھا ۔۔۔۔ اب بھی اس امت میں کتنے اصاغر ہیں جو امت کے اکابر پر دن رات بھونکتے ہیں۔ کوئی صحابہؓ کی غلطیاں نکال رہا ہے۔ کوئی اہل بیت کرام پر تنقید کر رہا ہے۔ کوئی امام ابوحنیفہؒ کو بھونک رہا ہے اور کوئی محدثین عظام کو عجمی سازش کے کارندے بتلا رہا ہے۔ پچھلے پہلوں کو بیوقوف بنا کر ترقی کے بھنور میں ڈوب رہے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ جب اس امت کے پہلے طبقے کو قرآن کریم میں خیر امت کہا گیا ہے۔ تو کیا یہ شقاوت نہیں کہ پچھلے اپنی کامیابی پہلوں کو بُرا کہنے میں سمجھیں۔

مثال دوازدہم

حضرت نعمان بن بشیرؓ (۶۴ھ) کہتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] دیکھئے مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۱۷۰ فیض القدیر شرح جامع صغیر جلد ۴ صفحہ ۵۱۲ مجمع الزوائد جلد ۷ صفحہ ۲۸۰ جلد ۷ صفحہ ۲۸۰

سے گشنا،

ان مثل المدھن فی امر اللہ کمثل رھط رکبوا سفینۃ فاقترعوا علی المنازل فیھا فاصاب بعضھم اعلی السفینۃ واصاب بعضھم اسفلھا فاطلع مطلع من الذین اعلی السفینۃ فاذا بعض من فی اسفلھا یخرقھا۔ قال ما تصنع یا فلان، قال اخرق مکانا فاستقی منہ ——— فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان غلبوا علیہ نجی ونجوا ان ترکوہ یخرقھا غرق وغرقوا۔[۱]

ترجمہ۔ اللہ کے دین میں مداہنت کرنے والے (بے دینی کو آرام سے برداشت کرنے والوں) کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو ایک کشتی میں سوار ہوئے اور اس کی مختلف منازل میں اترے۔ کچھ اوپر کے حصہ میں پہنچے اور کچھ نیچے کے حصہ میں ——— اوپر کے حصہ میں جو لوگ تھے ان میں سے کسی نے کسی نچلے والے کو کشتی میں سوراخ کرتے دیکھا ——— اس نے پوچھا کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا مجھے پانی چاہیئے اس لیے میں سوراخ کر رہا ہوں ——— اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر انہوں نے اس کو ایسا کرنے سے روک دیا تو وہ بھی بچ گیا اور یہ بھی بچ گئے اور اگر انہوں نے ایسا کرنے سے نہ روکا تو وہ بھی ڈوبا اور یہ بھی ڈوبے۔

اس مثال میں بتایا گیا ہے کہ یہ امت ایک جسم واحد کی طرح ہے۔ اس کے جملہ افراد ایک کشتی میں سوار ہیں۔ کنارے پہ پہنچنا یا ڈوبنا سب کے لیے یکساں رہے گا۔ جونہی کسی نادان نے کوئی نادانی کی اس کی افتاد ساری امت پر آئے گی ——— سو باقی افراد امت کا فرض ہے کہ جونہی کوئی اس کشتی میں سوراخ کرنے لگے وہ اپنی قومی ذمہ داری سے کام لیں اور اسے ہر ممکن طریق سے روکیں۔ یہ نہ کہیں کہ ہر شخص اپنے عملوں کا

---

[۱] رواہ البخاری والترمذی واحمد (جلد ۴ صفحہ ۲۶۸ صفحہ ۲۷۰)

ذمہ دار ہے۔ قومی زندگی میں انسان کبھی دوسرے انسانوں کے اعمال کا بھی ذمہ دار بنتا ہے۔ معاشرہ ایک اجتماعی زندگی کا نام ہے اور اسے افراد ہی بناتے ہیں۔ سو یہاں ہر فرد کے ذمہ ہے کہ وہ دوسرے افراد کے اعمال پر بھی ساتھ ساتھ نگاہ رکھے — مبادا وہ اسے کہیں لے نہ ڈوبیں۔

مثال سیزدہم

حضرت عبداللہ بن کعب انصاریؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔

مثل المومن کمثل الخامة تفیئه الریاح تعد لها مرة ویقیمها مرة اخری حتی یاتیه اجله[1] ومثل الکافر کمثل الارزة المجذیه علی اصلها لا یقیمها حتی یکون انجعافها مرة واحدة۔

ترجمہ: مومن کی مثال اس تازہ ٹہنی کی سی ہے جسے ہوائیں اٹھاتی ہیں۔ کبھی اسے برابر کر دیں اور کبھی اسے سیدھا کھڑا کر دیں۔ یہاں تک کہ وہ مومن اپنے سفرِ آخرت پر روانہ ہو جائے اور کافر کی مثال اس جڑ پکڑے درخت کی سی ہے جو سیدھا کھڑا ہو۔ اس کا اکھڑنا بس ایک ہی دفعہ واقع ہوتا ہے۔

اس مثال میں بتلایا گیا کہ مومن کی سیرت عاجزی پر قائم ہوتی ہے، اکڑنا اور ضد کرنا اس کے شایانِ شان نہیں، یہ کافر ہے جو اپنی جگہ اڑا رہتا ہے۔

مثال چہاردہم

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مثل الصلوٰت الخمس مثل نهر جار علی باب احدکم یغتسل منه کل یوم خمس مرات[2] فما ذا یبقین منه درنه[3]

---

[1] رواہ البخاری ومسلم والدارمی، مسند احمد ج۳ ص۴۵۴ [2] رواہ احمد ج۲ ص۴۲۶، ج۳ ص۳۰۵ و ص۳۵۷ والدارمی ومسلم [3] رواہ احمد ج۲ ص۳۷۹ ومسلم والترمذی

ترجمہ. پانچ نمازوں کی مثال اس دریا کی سی ہے جو تمہارے دروازے کے پاس سے گزرے کہ تم اس میں ہر روز پانچ دفعہ غسل کر لیا کرو. کیا اس کے بعد اس میں کوئی آلائش باقی رہ سکتی ہے؟

اس میں بتایا گیا کہ نماز چھوٹے موٹے گناہوں کا کفارہ بنی رہتی ہے. جس طرح غسل سے میل کچیل اترتا ہے نماز سے گناہ اترتے ہیں ـــــ جاری پانی میں کچھ پڑے وہ پاک رہتا ہے. نماز میں کتنے وسوسے اور خیالات کیوں نہ آئیں وہ نماز کی نہر جاری کو گدلا نہیں کرتے. گو کوشش ہونی چاہیئے کہ ایسا نہ ہو.

مثال پانزدہم

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مثل الجليس الصالح كمثل صاحب المسك ان لم يصبك منه شيء اصابك من ريحه ـــــــــــ ومثل الجليس السوء كمثل صاحب الكير ان لم يصبك من سواده اصابك من دخانه ـــــ (وفي رواية) كمثل صاحب الكير ان لم يصبك من شراره اصابك من ريحه

ترجمہ. اچھے ساتھی کی مثال کستوری والے کی سی ہے اگر وہ تمہیں نہ ملے تو خوشبو اس کی تو تم پا ہی لوگے. اور بُرے ساتھی کی مثال اس بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے کہ اگر تمہارے کپڑوں کو سیاہ نہ کرے تو اس کا دُھواں تو تمہیں مل ہی جائے گا (اس کی بدبو تو تمہیں مل کر ہی رہے گی) ـــ ایک روایت میں ہے، بُرے ساتھی کی مثال بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے کہ اگر اس کی چنگاریاں تمہیں نہ آلیں اس کی ہوا تمہیں پہنچ کر رہے گی.

لے رواہ ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۶۴ ـ ئے رواہ البخاری ومسلم واحمد وابویعلیٰ والحاکم جلد ۴ صفحہ ۲۸

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو توجہ دلائی کہ بُری صحبت سے بچو. صحبت کے اثرات غیر شعوری طور پر بھی اثر کرتے ہیں. جو شخص یہ سمجھے کہ میں بُرے ماحول پہ قابو پاؤں گا. یہ ایک بڑا دعوے ہے جس پر پورا اترنا ہر کسی کے بس میں نہیں ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی متنبہ فرمایا کہ جب عطر فروش کے اثرات بلا خرید بھی اثر کرتے ہیں تو جو لوگ حضورؐ کی صحبت میں شب و روز بیٹھے ان پر اس باکمال صحبت نے کیا لازوال اثرات چھوڑے ہوں گے. اس پر صحابہ کرامؓ کے مقام کا اندازہ کر لیجئے. پھر کیا کوئی پوری اُمت میں سے ان کے مقام کو پہنچ سکتا ہے ؟

مثال شانزدہم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا. تم جانتے ہو کہ تمہاری اور تمہارے اہل و مال اور عمل کی مثال کیا ہے ؟ آپؐ نے فرمایا :-

انما مثل احدکم ومثل ماله واهله وولده وعمله كمثل رجل له ثلاثة اخوة فلما حضرته الوفاة دعا بعض اخوته فقال انه قد نزل من الامر ما ترى فمالى عندك ومالى لديك ؟

ترجمہ. تمہاری اور تمہارے مال اہل و عیال اور عمل کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے تین بھائی تھے جب اس کی وفات کا وقت آیا اس نے ایک بھائی کو بلایا اور کہا تم میری حالت دیکھ رہے ہو. ——— تم سے میں کیا امید رکھوں.

اس نے جواب دیا ——— میں تمہیں غسل دوں گا، کفن پہناؤں گا اور دوسروں کے ساتھ مل کر تمہارا جنازہ اُٹھاؤں گا. واپس ہونے پر جہاں تیرا ذکر کروں گا اچھائی سے تیرا ذکر کروں گا ——— یہ وہ بھائی ہے جسے اہل و عیال سے تعبیر کیا جا سکتا ہے. پھر اس نے دوسرے بھائی کو بلایا اور یہی کہا. اس دوسرے نے جواب دیا ——— میرے پاس دولت اس وقت تک ہے جب تک تم زندہ ہو. تمہاری وفات پر دولت تم سے

چلی جائے گی اور مجھ سے بھی" ـــــ یہ وہ بھائی ہے جسے مال سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

پھر اس نے تیسرے بھائی کو آواز دی اس تیسرے نے جواب دیا ـــــ "میں قبر میں بھی تیرے ساتھ رہوں گا اور تیری پریشانی میں تیرا ساتھی ہوں گا جس دن اعمال تولے جائیں گے میں ترازو میں بیٹھوں گا تاکہ تیرا پلڑا بھاری رہے" ـــــ یہ وہ بھائی ہے جسے عمل سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ صحابہؓ نے اس پر کہا ـــــ "خیر اخ وخیر صاحب یا رسول اللہ" (یا رسول اللہ یہ بہترین بھائی ہے اور بہترین دوست ہے) اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ بات اسی طرح ہے جیسے تم کہہ رہے ہو ـــــ حضورؐ نے فرمایا۔

یتبع المیت ثلثۃ فیرجع اثنان ویبقی واحد یتبعہ اھلہ ومالہ وعملہ فیرجع اھلہ ومالہ ویبقی عملہ۔[۱]

ترجمہ۔ میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں دو لوٹ آتی ہیں اور ایک ساتھ رہتی ہے اہل وعیال، مال اور اس کا عمل ـــــ اس کے اہل و عیال اور مال تو واپس لوٹ آتے ہیں اور اس کے اعمال اس کے ساتھ رہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال میں عمل کے لازوال پہلو کو بیان کیا۔ اعمال انسان کے ساتھ رہتے ہیں اور یہ وہ رفیق ہے جو کسی وقت بھی انسان سے جدا نہیں ہوتا۔ انسان کا ان تینوں میں سب سے بڑا خیر خواہ یہی ہے۔

مثال ہفدہم

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من شق عصا المسلمین فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ۔[۲]

ترجمہ۔ جو شخص مسلمانوں کی جماعت سے نکلا سو اس نے اسلام کا پٹکا اپنے گلے سے اتار پھینکا۔

---

[۱] رواہ البخاری ومسلم والترمذی [۲] مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۳ قال فی المشکوٰۃ رواہ احمد وابو داؤد صفحہ ۳۱

حضورؐ نے اس حدیث میں مسلمانوں کی جماعتی زندگی اور ان کے اتفاق و اجماع کی اہمیت واضح کی ہے اور بتایا ہے کہ مسلمان کو دوسرے مسلمان سے کٹ کر نہ رہنا چاہیئے بلکہ دیکھنا چاہیئے کہ جماعتِ مسلمین کدھر جارہی ہے۔ اسے اپنی راہ علیحدہ نہ بنانی چاہیئے۔ سبیل مومنین کی پیروی کرنی چاہیئے۔ مسلمان ہمہ تن آزاد نہیں ہے۔ اس کے گلے میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ رہنے کا پٹکا ضرور ہونا چاہیئے ــــ پٹکا یہ ہے کہ مومن مسلمانوں کے اجماع سے بغاوت نہ کرے۔ اپنی راہ علیحدہ نہ چلے۔ کیونکہ حوزۂ اسلام سے خروج کرنے والا بالآخر اسلام سے ہی نکل جاتا ہے۔

اس حدیث میں پٹکے کے لیے ربقہ کا لفظ آیا ہے پٹکے کو قلادہ بھی کہتے ہیں اور مقلدین سے مراد پٹکے والے مسلمان ہیں جو دین میں آزاد راہوں پر نہیں چلتے۔ اسی راہ پہ چلنے کی دعا کرتے ہیں جس پہ پہلے انعام یافتہ لوگ چل چکے ہیں۔

قاضی محمد حسن (۲۶۲ھ) لکھتے ہیں۔ الربقۃ القلادۃ[1] تقلید کا لفظ کوئی ایسی تعبیر نہیں جس سے انسان وحشت کھانے لگے حضورؐ نے ربقہ تو د مسلمانوں کی گردن پہ ڈالا ہے۔

مثال ہشدہم

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من خاف ادلج ومن ادلج بلغ المنزل، الا ان سلعۃ اللہ غالیۃ،

الا ان سلعۃ اللہ غالیۃ۔[2]

ترجمہ: فکرمند انسان رات سے ہی سفر کے لیے اٹھتا ہے اور جو رات سے اٹھا منزلِ مراد پہ پہنچ گیا۔ خبردار رہو خدا کی منڈی کا مال بہت قیمتی ہے۔ خبردار اس کا سودا سستے داموں ہاتھ لگنے کا نہیں۔

اس حدیث میں بتلایا گیا کہ آخرت کی فکر کے بغیر کبھی کوئی خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہوا ــــ خدا کی بستی ایسی دکان نہیں کہ جب اٹھو وہاں سے سودا لے لو۔ اس

---

[1] امثال الحدیث ص۱۸۴ [2] رواہ الترمذی والحاکم جلد ۴ ص۳۰۸ مسند احمد ۵ ص۱۳۶

کے لیے پہلے سے ارادوں کو درست کرنا پڑتا ہے اور جزاء اعمال نیتوں پر ہی مرتب ہوتی ہے. تم حسب مراد اپنی منزلوں کو پہنچو گے.

مثال نوازدہم

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

یوشك ان ینطوی الاسلام فی کل بلد الی المدینة کما تنطوی الحیة الی جحرھا.[1]

ترجمہ. وقت آنے والا ہے کہ اسلام ہر شہر سے سمٹتا ہوا مدینہ آ رہے جیسے سانپ ہر طرف سے بھاگ کر پھر اپنے بل کی طرف پلٹتا جاتا ہے.

اس حدیث میں سانپ کی جارح حیثیت (کہ وہ کسی کو کاٹنے کے درپے ہو) مذکور نہیں. بلکہ اسے بھاگ کر پناہ لینے والے کی صورت میں ذکر کیا گیا ہے. سو یہ بات نہ کی جائے کہ اسلام کو سانپ سے کیوں تشبیہ دی ——— مشبہ اور مشبہ بہ میں ہر جہت سے تشبیہ نہیں ہوتی. یہ سانپ کی اس حالت سے تشبیہ ہے جب وہ کسی کے درپے آزار نہیں.

اس حدیث میں بتلایا گیا کہ مدینہ منورہ قیامت تک مرکز اسلام رہے گا. جب اسلام کہیں نہ ہوگا مدینہ منورہ اس وقت بھی بقعہ اسلام ہوگا. علامات قیامت کے طور پر بھی حرمین شریفین کبھی مقبوضہ کفار نہ ہوں گے. جاء الحق وزھق الباطل کے اعلان سے اسلام وہاں بطور دوام آیا ہے. کفر وہاں سے بطور دوام نکلا ہے. نہ وہاں کوئی باطل نئے سرے سے آئے گا نہ پہلا ہی عود کرے گا قرآن کریم میں ہے:۔

قل جاء الحق وما یبدئ الباطل وما یعید.[2]

مثال بستم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک کے لیے نکلے تو حضرت علی مرتضیٰؓ کو

---

[1] رواہ البخاری فی کتاب الحج ومسلم فی کتاب الایمان وراجع لمسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۸۶ ، ۴۲۲ ، ۴۹۶ [2] پ ۲۲ السباع ۶

گھروں کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ چھوڑ گئے۔ حضرت علی رضؓ نے اسے اپنی منقصت جانا اور حضورؐ سے عرض کی، آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جارہے ہیں؟ اس پر حضورؐ نے آپ کو اس طرح مطمئن کیا:-

اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی الا انہ لا نبوۃ بعدی [1]

ترجمہ۔ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ مجھ سے تمہاری وہی نسبت ہو، جو ہارون کی موسٰیؑ سے تھی سوائے اس کے کہ ہارون تو موسٰیؑ کے بعد نبی ہوئے مگر میرے بعد کسی قسم کی کوئی نبوت نہیں۔

حضرت ہارون کے موسٰیؑ کے بعد نبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبوت حضرت موسٰیؑ کو پہلے ملی اور حضرت ہارون کو بعد میں ——— وہ ان کے بعد نبی ہوئے ——— یہ مطلب نہیں کہ وہ حضرت موسٰیؑ کی وفات کے بعد نبی بنے ——— بعدیت سے مراد نبوت ملنے میں بعدیت ہے نہ کہ زندگی کی بعدیت ——— حضرت ہارون تو حضرت موسٰیؑ کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔

حضورؐ نے اس مثال میں کیا سمجھایا؟ حضرت ہارون کسی شرع جدید کے نبی نہ تھے حضرت موسٰیؑ کی شریعت کے ماتحت تھے۔ حضورؐ نے ان کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ سو اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ میرے بعد غیر تشریعی نبوت بھی کسی کو نہ ملے گی۔ آپ پر ہر قسم کی نبوت ختم ہو چکی۔ اب اس امت میں کوئی حضرت ہارون جیسا غیر تشریعی نبی بھی نہ ہوگا۔

حضورؐ نے ہارون کی مثال دے کر اشارہ فرما دیا کہ جس طرح حضرت ہارون حضرت موسٰیؑ کے بعد خلیفہ نہ ہوئے (کیونکہ وہ فوت ہو چکے تھے) بلکہ یوشع بن نون آپ کے خلیفہ ہوئے۔ حضرت علی رضؓ حضورؐ کے بعد خلیفہ بلا فصل نہ ہوں گے بلکہ ابو بکر صدیق رضؓ خلیفہ ہوں گے ——— علم حساب میں کامل ترین عدد نو (۹) ہے۔ خلیفہ بلا فصل کامل ترین فرد ہوتا ہے

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۶۳۳ (دہلی) مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۳

یوسع بن لون کے حرف نوُ ہیں تو ابوبکر صدیقؓ تلک عشرۃ کاملۃ کے مظہر تھے دونوں اپنے آقا کے خلیفہ بلافصل ہے ـــــ حضرت ہارون کے بیٹوں کے نام شبر اور شبیر تھے۔ یہ عبرانی لفظ ہیں۔ ان کا ترجمہ عربی میں حسن اور حسین ہے۔

ذخیرۂ حدیث میں متعدد اور امثال بھی ملتی ہیں۔ امثال ابی الشیخ اور قاضی ابو محمد حسن کی کتاب امثال حدیث میں دیکھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کن کن مثالوں اور کس کس پیرایۂ بیان میں ہدایت الٰہی قلوب مومنین میں اتاری۔ یہ امثال ان کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی امانت اور الٰہی ہدایت کس آسان سے آسان پیرانہ میں امت کے سامنے رکھی ـــــ اس امت میں بھی کئی ایسے جہابذہ علم ہوئے جنہوں نے دین کے باریک سے باریک مسائل کو مثالوں سے آسان کردیا۔ ان پر امام غزالی، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ اجمعین بھی اپنی مثال آپ تھے۔ اس دور میں حضرت مولانا محمد علی جالندھری دامت برکاتہم مثالوں کے بادشاہ سمجھے جاتے ہیں۔

ہم یہاں اس باب کو ان بیس مثالوں پر ختم کرتے ہیں۔ موضوع کے تعارف کے لیے امید ہے یہ بیس مثالیں کافی ہوں گی۔

غریب الحدیث

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد،

آج کا عنوان مباحثِ حدیث میں واقعی بہت غریب (نادر قسم کا) ہے۔ اس کی غرابت الفاظ و معانی کے اعتبار سے ہے اسناد کے پہلو سے نہیں۔ غرابت وطن سے دُوری کا نام ہے۔ غریب مسافر کو کہتے ہیں۔ جو مضمون ظاہر الفاظ سے دور یا فہم عام سے بالا ہو وہ غریب ہے عجیب ہے۔ اس کی غرابت اسی پہلو سے ہے اور یہ کوئی کمزوری کی بات نہیں۔ نہ یہ کوئی جرح کی بات ہے۔ اس کا سنداً غریب ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ حدیث اسناد کے پہلو سے غریب ہو تو اس پر اصولِ حدیث کے تحت بحث کی جاتی ہے۔ لغت، ادب اور اسالیب عرب کے تحت نہیں۔ سو حدیث غریب اور غریب الحدیث میں فرق ہے۔

حدیث غریب

حدیث صحیح کی وہ قسم ہے جس کا "سند کے کسی مرحلے میں" راوی صرف ایک ہو۔ یہ درجہ حدیث عزیز اور حدیث متواتر کے مقابل ہے۔ درجہ میں اول حدیث متواتر ہے۔ پھر حدیث عزیز اور پھر حدیث غریب۔ یہ حدیث غریب ہونا اس کی صحت کے منافی نہیں، اصول حدیث کی کتابوں میں ہے:۔

ان الغرابۃ لا تنافی الصحۃ۔ حدیث کا ضعیف ہونا صحت کے منافی نہیں۔

ہاں غریب کا لفظ کبھی شاذ کے معنوں میں بھی آجاتا ہے۔ اس صورت میں حدیث غریب کی سند پہ بحث ہوسکتی ہے۔ اس پہلو سے بھی حدیث غریب درجہ صحت سے نہیں نکلتی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رسالہ اصول حدیث میں لکھتے ہیں:۔

فالشذوذ بھذا المعنی لا ینافی الصحۃ کالغرابۃ۔

اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا، اس قلم نے تمام تقدیریں لکھیں، جو کچھ ہوا یا ہونے والا تھا سب ماکان ومایکون اس نے لکھ دیا۔ اس حدیث پہ امام ترمذی لکھتے ہیں۔ ھذا حدیث غریب اسناداً۔[1]
معلوم ہوا غرابت کبھی الفاظ اور متن کے پہلو سے بھی ہوتی ہے۔ مولانا سید عمیم الاحسان لکھتے ہیں:۔

الغرابة کما تکون فی السند کذالک تکون فی المتن۔

ترجمہ:۔ غرابت جس طرح کبھی (حدیث کی) سند میں ہوتی ہے کبھی متن میں بھی ہوتی ہے۔

غریب الحدیث

علامہ خطابی (۳۸۸ھ) لکھتے ہیں:۔

الغریب من الکلام انما ھو الغامض البعید من الفھم۔[2]

وہ بات غریب (بہت عجیب اور نادر) ہوتی ہے جو گہری اور فہم عام سے اونچی ہو۔

الفاظ اور بات کی غرابت سے مراد وہ دقیق الفاظ اور اونچے مضامین ہیں، جن کا سمجھنا آسان نہ ہو۔ ایسے غریب الفاظ اور نادر مضامین پر محدثین نے جس فن میں گفتگو کی ہے اسے غریب الحدیث کہتے ہیں، بعض محدثین کا ذوق ایسے مضامین اور الفاظ کی خاص تلاش رہا ہے جو اپنی ندرت اور غرابت میں ہر ایک کی رسائی میں نہ ہوں۔ اس باب میں صرف وہی علماء فن آگے بڑھ سکے جن کو طلب حدیث میں خصوصی شغف اور اور خاص انہماک رہا۔۔۔ حافظ اسمٰعیل عبداللہ بن محمد الاصبہانی (۳۱۲ھ) غریب الحدیث کی طلب اور روایت میں خاص ذوق رکھتے تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں:۔

یروی الغریب من المحدثین فیما لغ قال لی مرة ھذا الشان شان من لیس لہ شان سوی ھذا الشان یعنی طلب الحدیث۔[3]

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۲۱ [2] غریب الحدیث ص [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۳

ترجمہ: آپ محدثین سے غریب الحدیث روایت کرتے اور آپ کی توجہ اس باب میں بہت زیادہ رہتی (راوی کہتا ہے) ایک دفعہ آپ نے مجھے کہا غریب (نادر الفاظ اور معانی کی) احادیث کر لینا صرف انہی لوگوں کا کام ہے جن کو اس حال سے سوا کسی اور حال سے غرض نہ ہو، ہر وقت طلب حدیث اُن کا کام ہو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ غریب الحدیث کی تلاش اور روایت کسی کمزوری کی بات نہیں بلکہ یہ وہ باب کمال ہے جو اس فن کے متوالوں کو ہی نصیب ہوتا ہے اور اس کا ذوق وہ شانِ علم ہے جو اس فن کے اُونچے علماء کو ہی میسر آتا ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذوقِ حدیث اس قسم کی روایات کا خاص متلاشی رہتا تھا اور آپ پھر ان روایات کی تشریح اور تفصیل میں بہت اُونچی پرواز کرتے ۔ سات زمینوں میں سات آدم آئے ، یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک اثر ہے[1] جو اپنے معنی اور مفہوم میں بہت دقیق ہے۔ آپ نے اس پر ایک کتاب تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس لکھی۔ حدیث عماء[2] ایک نہایت دقیق اور غامض روایت ہے۔ آپ نے اس پر ایک مستقل رسالہ رقم فرمایا۔ چند اور روایات پر بھی بحث کی ہے۔

علماء نے حدیث کے مشکل الفاظ پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ انہیں بالمعنی الاخص لغات حدیث بھی کہا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم کے غریب الفاظ پر بھی علماء نے بحث کی ہے — معلوم رہے کہ غرابت الفاظ، فصاحت کلمہ یا فصاحت کلام کے خلاف نہیں اور افصح العرب والعجم کی زبانِ مبارک سے غریب الحدیث کا صدور ان کی اس شان کے منافی نہ تھا۔ صحیح بخاری کی حدیث ام زرع اس کی وافی مثال ہے۔

جن قدماء نے غریب الحدیث پر خاص توجہ کی۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:-

۱۔ نضر بن الشمیل (۲۰۴ھ) ۲۔ قطرب (۲۰۶ھ)

۳۔ ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ (۲۰۸ھ) ۴۔ اصمعی (۲۱۸ھ)

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۴۹۳ ذہبی نے تلخیص میں اس کی تصحیح کی ہے۔ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۵۰

غریب الحدیث پر لکھی گئی یہ کتابیں بہت اہم ہیں ؛۔

۱۔ غریب الحدیث لابی عبید قاسم بن سلام[1] (۲۲۴ھ)

۲۔ غریب الحدیث لابن قتیبہ الدینوری (۲۷۶ھ)

۳۔ غریب الحدیث لابی سلیمان الخطابی (۳۸۸ھ)

یہ تین کتابیں اس فن کی امہات سمجھی جاتی ہیں۔ یہ بڑی کتابیں نہیں رسائل سے ہیں لیکن اپنی نوع کے لحاظ سے بہت اہم ہیں ؛۔

پھر ہرات کے ایک مقتدر عالم جو ابو سلیمان الخطابی اور ابو منصور ازہری کے شاگرد ہیں۔ ابو عبید احمد بن محمد (۴۰۱ھ) نے غریب القرآن والحدیث کے موضوع پر کتاب الغریبین لکھی۔ آپ نے مقدمہ میں لکھا ہے ؛۔

فان اللغة العربية انما يحتاج اليها لمعرفة غريبي القرآن والحديث ـــــ والكتب المولفة فيهما جمة وافرة۔

ترجمہ۔ قرآن اور حدیث کے غریب الفاظ کو جاننے کے لیے لغت عربی کی ضرورت پڑتی ہے ـــــ اس باب میں بہت کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت معروف ہوئی۔ علامہ ابو موسےٰ المدینی (۵۸۱ھ) نے اس کا ایک قابل قدر تکملہ لکھا ہے۔ اس کے بعد اس موضوع پر یہ کتابیں معروف ہوئیں ؛۔

۱۔ الفائق ۔ علامہ محمود زمخشری (۵۳۸ھ) تفسیر کشاف انہی کی تالیف ہے۔ علوم عربیہ میں امام فن سمجھے جاتے ہیں، فائق کا معنیٰ ہے فوقیت لے جانے والا ـــــ سو یہ کتاب واقعی اسم با مسمّیٰ ہے۔ اس نے غریب الحدیث کی ہر مشکل آسان کر دی ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری (۶۰۶ھ) جنہوں نے خود اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ الفائق کے بارے میں لکھتے ہیں ؛۔

ولقد صادف هذا الاسم المسمى وكشف من غريب الحديث كل معمى۔

---

[1] ابو عبید ہرات کے رہنے والے ہیں۔ اسحٰق بن راہویہ (۲۳۸ھ) اور امام احمد (۲۴۱ھ) کے ہمعصر تھے۔ اسلامی معاشیات پر کتاب الاموال انہی کی تالیف ہے۔

النہایہ

پورا نام النہایہ فی غریب الحدیث والاثر ہے۔ مؤلف مجد الدین مبارک بن محمد بن عبد الکریم ابن اثیر الجزری (۶۰۶ھ) ہیں۔ ان کی کنیت ابو السعادات ہے۔ جامع الاصول من احادیث الرسول ۱۲ جلدوں میں انہی کی تالیف ہے۔ ان کے بھائی عز الدین ابن اثیر تاریخ کی مشہور کتاب کامل ابن اثیر کے مؤلف ہیں۔ ابو السعادات مجد الدین نے مسند امام شافعی کی بھی مبسوط شرح لکھی ہے۔ علم تفسیر میں آپ نے الانصاف فی الجمع بین الکشف والکشاف لکھی۔ اس میں آپ نے علامہ ثعلبی اور علامہ زمخشری کی کتابوں کو جمع کر دیا ہے۔ آپ حدیث، تفسیر، فقہ، ادب عربی اور علم اصول کے جلیل القدر امام تھے۔ النہایہ پانچ ضخیم جلدوں میں ہے اور عام ملتی ہے۔ خطیب تبریزی لکھتے ہیں:-

کان عالماً محدثاً لغویاً روی عن خلق من ائمۃ الکبار کان بالجزیرۃ وانتقل الی الموصل سنۃ خمس وستین وخمس مائۃ (۵۶۵ھ) ولم یزل بھا الی ان قدم بغداد۔[1]

ترجمہ: آپ بڑے عالم، محدث اور ماہر لغت تھے۔ کثیر تعداد بڑے بڑے ائمہ سے حدیث روایت کی ہے۔ جزیرہ کے رہنے والے تھے۔ پھر ۵۶۵ھ میں موصل چلے گئے۔ اور بغداد روانہ ہونے تک وہیں رہے۔

حافظ ابن کثیر[2] اور ابن خلکان[3] ان کی عبقریت اور علمی بصیرت کے پورے معترف ہیں۔ آپ کی کتاب النہایہ لغت حدیث اور غریب الحدیث میں سند سمجھی جاتی ہے۔

مجمع البحار

مجمع بحار الانوار علامہ طاہر الفتنی الگجراتی (۹۸۱ھ) کی تالیف ہے۔ بڑی تقطیع کی تین ضخیم جلدوں میں طبع ہوئی۔ لغت حدیث میں سند سمجھی جاتی ہے۔ غریب الحدیث پر اس میں

---

[1] الاکمال صـ۶۲۳ [2] البدایہ والنہایہ جلد ۱۳ صـ۵۴ [3] وفیات الاعیان جلد ۳ صـ۲۸۹

کافی مواد ملتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی علمی دنیا اس کتاب پر جتنا فخر کرے کم ہے مؤلف مضمون کی غرابت پر بھی پوری نظر رکھتے ہیں۔ مثلاً جریر بن حازم تابعی (۱۷۵ھ) نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ روایت نقل کی تھی۔ جو ظاہری سطح پر بہت عجیب مضمون بیان کرتی ہے۔ قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدی۔[1] مجمع البحار میں اس کی غرابت ساتھ ہی حل کر دی گئی ہے۔ ھذا ناظرالی نزول عیسٰیؑ یعنی یہ بات نزول عیسٰی علیہ السلام کے پیش نظر کہی گئی ہے تذکرۃ الموضوعات بھی اسی مؤلف کی تالیف ہے۔ حدیث اور ادب عربی کے مسلم امام ہیں یہاں النہایہ غریب الحدیث کے موضوع کا علمی سرمایہ ہے۔

اسرار اللغۃ الملقب بہ وحید اللغات

علامہ وحید الزمان (۱۳۲۸ھ) اس کے مؤلف ہیں۔ اردو میں لغت حدیث پر یہ پہلی کتاب ہے۔ جو ضخیم جلد دں میں ہے۔ مولانا وحید الزمان مسلکاً غیر مقلد تھے۔ نہایت افسوس ہے کہ آپ نے حل لغات کے سائے میں کہیں کہیں ملحدانہ عقائد بھی سمو دیئے ہیں۔ مثلاً مادہ عجز کے تحت لکھتے ہیں:۔

حضرت علیؓ اپنے تئیں سب سے زیادہ خلافت کا مستحق جانتے تھے۔

اور ہے بھی یہی۔"

یہ صحیح نہیں یہ تو شیعہ عقیدہ ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو آخری وقت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنی جگہ امام بنائیں اور حضرت علیؓ اپنے آپ کو ان سے زیادہ مستحق سمجھیں ——— یہ بات، باور کرنے کے لائق نہیں۔ حضرت علیؓ کی سوچ کھلم کھلا منشار رسالت کے خلاف کیسے ہو سکتی ہے۔

مولانا وحید الزمان اہلحدیث تھے۔ افسوس کہ وہ شیعہ نظریات کا شکار بھی ہو گئے ہیں۔ آزاد روی کا یہ پہلا پھل ہے۔ جو انہوں نے چکھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مادہ عز کے تحت لکھتے ہیں:۔

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۹ صفحہ ۱۱۰ تکملہ مجمع البحار جلد ۵ صفحہ ۵۰۲

"ان کی نسبت کلمات تعظیم مثل حضرت و رضی اللہ عنہ سخت دلیری اور بیباکی ہے"
اہل السنۃ والجماعت کے ہاں تین دن سے زیادہ سوگ کی اجازت نہیں. شیعہ ہر سال محرم میں سوگ مناتے ہیں۔ مولوی وحیدالزماں صاحب بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ مادہ عود کے تحت لکھتے ہیں :-

"یہ مہینہ خوشی کا مہینہ نہیں رہا . . . محرم کا مہینہ شہادت کی وجہ سے غم کا مہینہ ہو گیا ہے"
مادہ ختم کے تحت لکھتے ہیں :-
شیخین کو اکثر اہلسنت حضرت علیؓ سے افضل کہتے ہیں اور مجھ کو اس امر پر بھی کوئی دلیل قطعی نہیں ملتی۔ نہ یہ مسئلہ کچھ اصول دین اور ارکان دین سے ہے زبردستی اس کو متکلمین نے عقائد میں داخل کر دیا ہے"
مولانا وحیدالزماں کی یہ بات صحیح نہیں۔ اس پر صحابہؓ کا اجماع ہوا تھا۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں :-

افضلیت شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ است چنانچہ نقل کردہ اند آں را اکابر ائمہ کہ یکے از ایشاں امام شافعی است۔ شیخ ابوالحسن اشعری کہ رئیس اہلسنت است مے فرماید کہ افضلیت شیخین بر باقی قطعی است۔ انکار نکند مگر جاہل یا متعصب[1]

مولانا وحیدالزماں کے شیعہ نظریات کی وجہ سے کچھ علمائے حدیث بھی ان کے خلاف ہو گئے۔ مولانا مادہ شرے کے تحت لکھتے ہیں :-

مجھ کو میرے ایک دوست نے لکھا کہ جب سے تم نے یہ کتاب ہدیۃ المہدی تالیف کی ہے اہلحدیث کا ایک بڑا گروہ . . . . . تم سے بد دل ہو گئے ہیں اور عامہ اہلحدیث کا اعتقاد تم سے جاتا رہا۔ میں نے ان کو جواب دیا۔ الحمد للہ کوئی مجھ سے اعتقاد نہ رکھے نہ میرا مرید ہو — مجھ کو پیشوا اور مقتدا جانے نہ میرا ہاتھ چومے نہ میری تعظیم و تکریم کرے میں مولویت اور مشائخیت کی روٹی نہیں کھاتا۔

---

[1] مکتوبات دفتر ۲ مکتوب ۶۷ صفحہ ۱۳۰ لکھنؤ۔

آپ نے مادہ شعب کے تحت اہلحدیث پر کڑی تنقید کی ہے اور مادہ شر میں انہیں قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ) کا مقلد قرار دیا ہے۔ ان کے ہاں اہلحدیث غیر مقلد نہیں ہیں۔ بلکہ ابن تیمیہ، ابن قیم اور قاضی شوکانی کے مقلد ہیں۔

یہ چند مثالیں ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ وحید اللغات صرف لغات پر مشتمل نہیں ہے اس میں مؤلف نے جگہ جگہ اپنے تعریفات بھی سمو دیئے ہیں۔ ہاں اس میں لغت حدیث پر بڑی سیر حاصل بحث ملتی ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

پہلے اس کتاب کا نام انوار اللغۃ تھا۔ اس کی پانچ جلدیں مطبع احمدی لاہور نے شائع کی تھیں۔ اس وقت کتاب ۲۸ حصوں میں تھی۔ مؤلف خود لکھتے ہیں:۔

انوار اللغۃ جو جامع لغات احادیث مع احادیث فریقین یعنی امامیہ و اہلسنت ہے بڑی محنت اور جانفشانی سے تالیف کی۔

آپ نے پھر اس کا نام اسرار اللغۃ رکھا۔ اب بھی یہی نام ہے اس کا لقب وحید اللغات ہے جو اصح المطابع کے نئے ایڈیشن میں ۲۴ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ چھ جلدات میں یہ ۲۴ جلدیں ملتی ہیں۔ آغاز میں لکھا ہے کہ آپ نے اس کی تالیف میں مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی ہے۔

نہایہ ابن اثیر، مجمع البحار، قاموس المحیط، صحاح جوہری، محیط المحیط، منتہی الارب، مجمع البحرین، الدر النثیر الغریبین، الفائق المغرب لسان العرب وغیرہ..... شیعہ کتابوں میں سے مجمع البحرین، مطلع النیرین مؤلفہ فخر الدین الطریحی (۱۰۸۵ھ) سے استفادہ کیا ہے۔

کہیں کہیں مولانا نے اہل لغت پر بھی گرفت کی ہے۔ لیکن جہاں تک ہم ان مواقع پر غور کر سکے ہیں وہاں غلطی خود مولانا کی اپنی ہوتی ہے۔ غرائب لغات میں مولانا نے نہایہ اور مجمع بحار الانوار کے تقریباً تمام کے تمام مباحث لے لیے ہیں اور یہ حدیث کی ایک بڑی خدمت ہے کہ یہ مطولات وحید اللغات کی شکل میں اردو میں آ گئی ہیں۔

مولانا وحید الزمان کی یہ بد اعتقادی ان سے استفادہ کرنے میں حارج نہیں ہونی چاہیئے علم حدیث میں کمال اور بات ہے اور لغت میں دسترس اور محنت دوسری بات ہے۔ اس ضرورت میں تو عفان بن مسلم (۲۲۰ھ) جیسے محدثین بھی اخفش کے پاس آتے جاتے تھے اور ان سے اعراب

کی اصلاح لے لیتے۔ امام اوزاعی (۱۵۷ھ) جیسے مجتہد بھی لحن کی صورت میں ان اہلِ فن سے رجوع کرتے۔ ابو حاتم کہتے ہیں:۔

کان عفان بن مسلم یجئ الی الاخفش والی اصحاب النحو یعرض علیھم الحدیث یُعربہ فقال لہ الاخفش علیک بھذا یعنی[1]

ترجمہ: عفان بن مسلم اخفش اور دوسرے نحویوں کے پاس آتے تھے اور انہیں احادیث دکھلاتے کہ وہ ان کے اعراب پڑھ دیں۔ اخفش انہیں کہتے ایسا ضرور کر لیا کریں ان کی مراد یہ ہوتی کہ یہ کام (اعراب کی درستگی) مجھ سے ہوا ہے۔

امام اوزاعی (۱۵۷ھ) کہتے ہیں:۔

اذا سمعتم عنی الحدیث فاعرضوہ علی اصحاب العربیۃ ثم احکموہ[2]

ترجمہ: جب مجھ سے کوئی حدیث سنو تو اسے علماء عربیت کو دکھلا لیا کرو، پھر اس پر فیصلہ کرو۔

خطیب بغدادی نے یہ روایات اس باب کے تحت نقل کی ہیں:۔

باب القول فی المحدث یجد فی اصل کتابہ کلمۃ من غریب اللغۃ[3]

ترجمہ: یہ باب محدثین کی اس بات میں ہے جب انہیں اپنی تحریرات حدیث میں غریب لغت کے کلمات ملیں تو وہ کیا کریں۔

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ علمائے حدیث غریب الحدیث اور کلمات کی غرابت میں ہمیشہ اس فن والوں کی طرف رجوع کرتے رہے ہیں لغت پر محنت کرنے والوں کے لیے ضروری نہیں کہ وہ صحیح العقیدہ ہوں یا یہ کہ فن حدیث میں ماہر بھی ہوں۔

اس پہلو سے اسرار اللغۃ الملقب بہ وحید اللغات اس لائق ہے کہ اس سے استفادہ کیا جائے۔ مولانا وحید الزمان گو علمائے عربیت میں سے نہ تھے۔ لیکن النہایہ پوری کی پوری نقل کر دینے میں ان کی محنت کچھ کم لائق تحسین نہیں ہے ——— ہاں انکے بعض ناشرین نے ترجمہ صحیح مسلم میں صحیح مسلم کے جو یہ الفاظ نکال دیئے ہیں ہم اس پر افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

---

[1] الکفایہ للخطیب البغدادی ص۲۹۵ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ترجمہ صحیح مسلم مولانا وحید الزماں عہ

صحیح مسلم کی اس حدیث سے کون واقف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القرآن۔ اس حدیث کو امام مسلم اپنے استاد اسحٰق بن ابراہیم اور عبد بن حمید سے اسطرح نقل کرتے ہیں کہ دونوں نے عبدالرزاق سے انہوں نے معمر سے انہوں نے زہری سے زہری نے محمود بن الربیع سے اور انہوں نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے اسے اسطرح روایت کیا کہ حضورؐ نے فرمایا۔

جس نے سورہ فاتحہ اور اس سے آگے نہ پڑھا اسکی نماز نہ ہوگی[1]

حضرت ابوسعید الخدری رضؓ کہتے ہیں امرنا ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسر[2] ہمیں حضورؐ کا حکم ہے کہ سورۂ فاتحہ اور کوئی حصہ قرآن جو آسانی سے لے سکیں پڑھیں۔ اسکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضورؐ نے حضرت ابوہریرہؓ کو حکم دیا کہ منادی کردیں:

لا صلوٰۃ الا بقــرآۃ فــاتحۃ الکتاب ومــا زاد[3]

(ترجمہ) سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور حصہ قرآن پڑھنے کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

صحیح مسلم کے اردو ترجمہ سے فصاعدًا کے الفاظ کو نکال دینا یہ بعض متعصب ناشرین کی حرکت معلوم ہوتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم مولانا وحید الزمان کی تراجم حدیث کی خدمت کا بھی انکار کردیں۔

وحید اللغات انکی لائق داد محنت ہے اس کا مطالعہ النھایہ اور مجمع بحار الانوار جیسی ضخیم کتابوں سے مستغنی کر دیتا مؤلف ان حضرات کی ساری کاوش کو اپنے لفظوں میں نقل کر دیتے ہیں ان کی اپنی کوئی علیحدہ محنت نہیں ہے۔

مولانا وحید الزمان کچھ شیعہ عقائد بھی رکھتے تھے لیکن انکا یہ موقف کوئی دھوکہ نہ تھا اہلحدیث باصطلاح جدید کسی ایک منضبط ضابطہ عقائد اور لائحہ عمل پر جمع ہونے والوں کا نام نہیں ہر ایک کی اپنی اپنی سوچ اور اپنی (تحقیق) ہے ان میں صرف ایک قدر مشترک ہے اور وہ ہے ترک تقلید اور اسمیں بھی انکے دو طبقے ہیں ایک وہ جو تقلید کو گناہ سمجھتے ہیں اور دوسرے وہ جو مذاہب اربعہ کو حق سمجھتے ہیں لیکن تقلید کو ضروری نہیں سمجھتے جماعت اہلحدیث کا غزنوی مکتب فکر اس دوسرے طبقہ میں سے ہے

اس وقت ہم یہ کہنا چاہتے کہ اس قسم کے اختلافات ہمیں مولانا وحید الزمان کے تراجم سے استفادہ کرنے میں مانع نہ ہونے چاہئیں غرائب اللغات اور مشکل الفاظ میں حضری تراجم پر نظر رکھنا بلکہ مستشرقین کے تراجم کو بھی سامنے رکھنا اسمیں کوئی حرج نہ سمجھنا چاہیئے ———— تم الجلد الاول وللہ الحمد ویتلوہ الثانی ان شاء اللہ۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صـ ۱۶۹ [2] رواہ ابوداؤد واحمد وابو یعلی وابن حبان واسنادہ صحیح کما فی الفتح جلد ۲ صـ ۱ [3] رواہ احمد واسنادہ صحیح